احسن الکلام
فی
ترک القراءۃ خلف الامام
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر
ناشر
مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر
گوجرانوالہ، پاکستان

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَصَاعِدًا (حدیث شریف)

جس شخص نے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن کریم کا کوئی اور بھی حصہ نہ پڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی (حدیث رسولؐ)

اَحْسَنُ الْکَلَام

فی

ترک القرأۃ خلف الامام

جلد دوم

"جس میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو رکن اور ضروری ٹھہرانے والے فریق کے پیش کردہ نقلی اور عقلی دلائل پر روایۃً و درایۃً سیر حاصل کلام کیا گیا ہے۔ اور یہ امر واضح تر براہین سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت وغیرہ کی اس روایت کے علاوہ جس میں فصاعداً، اما تیسر اور ما زاد کی زیادت یا اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ کی استثناء بھی مذکور ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے، خصوصاً وہ روایات جن میں خلف الامام کی قید اور اِلَّا بفاتحۃ الکتاب کی استثناء موجود ہے وہ تمام ضعیف کمزور اور معلول ہیں نیز حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہم کے آثار کا پس منظر بھی آشکارا کیا گیا ہے اور مؤلف خیر الکلام کے اعتراضات کا تانا بانا بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔"

تالیف

ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر، گوجرانوالہ

۱۴۲۵

فہرست مضامین احسن الکلام (جلد دوم)

"احسن الکلام" کے حصہ اول میں جمہور اہل اسلام کے اس دعویٰ کو قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور دیگر فقہاءؒ اور محدثینؒ کے اقوال سے نیز بعض عقلی و ترجیحی اور قیاسی دلائل سے نہایت وضاحت کے ساتھ مبرہن کیا گیا ہے کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کرنی جائز نہیں ہے اور متعدد صحیح احادیث اور آثار صحابہ کرامؓ سے ام القرآن اور فاتحۃ الکتاب کے خاص الفاظ بھی عرض کر دیئے گئے ہیں اور یہ بھی واشگاف کیا گیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ کہ جہری نمازوں میں تو امام کے پیچھے قرأت کرنا شاذ، منکر اور خلاف اجماع ہے۔ اب اس حصہ میں فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ استدلالات اور دلائل کا معیار اور ان کا پس منظر عرض کرنا ہے اور انصاف و دیانت سے یہ بات بعید ہے کہ ہم اُنکے دلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے آگے نکل جائیں اور ان کو ہدیہ قارئین کرام نہ کریں، بلکہ اُن کی طرف سے بطور وکیل اور بہی خواہ کے جو حدیث (اگرچہ انھوں نے پیش نہیں کی لیکن) ان کی دلیل بن سکتی ہے اس کو بھی نقل کر دیا گیا ہے، اور اُن کے تمام پیش کردہ دلائل اور براہین کے صحیح محامل عرض کر دیئے گئے ہیں اور حوالے بھی ساتھ ہی نقل کر دیئے گئے ہیں تاکہ ایک طرف ان کو اصل عبارت اور مضمون کی طرف مراجعت کرنا دشوار نہ ہو اور دوسری طرف شاید "الانسان عبد الاحسان" پر نگاہ کرتے ہوئے وہ کچھ نرم بھی ہو جائیں اور ساری دنیا کو چیلنج نہ کرتے پھریں۔

مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست

مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں

چونکہ فریق ثانی کا دعویٰ بڑا سنگین ہے اس لیے اگر ہم سے کسی دلیل کی گرفت میں کوئی سختی ہوگی تو معذور تصور کیجیے کیونکہ البادی اظلم ما لم یتعد المظلوم کے پیش نظر ہم مظلوم ہیں اور ان لصاحب الحق مقالا ارشاد نبوی ہی تو ہے۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ عوض و معاوضہ گلہ ندارد اور حتی الوسع اس پرخطر وادی سے دامن بچا کر نکلنے کی کوشش کی جائے گی۔ والعصمۃ بید اللہ تعالی وحدہ

پہلا باب

فریق ثانی کا یہ دعویٰ ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ انصاف اور دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جیسے ہم نے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے متعدد صحیح روایتیں پیش کی ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن الآیۃ کا شان نزول نماز ہے اور اس پر اجماع بھی ہے اسی طرح فریق ثانی بھی کم از کم کسی ایک ہی صحابی سے بسند صحیح یہ روایت نقل کر دیتا کہ فلاں آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح بلکہ ضروری اور واجب ہے اور خاص طور پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا لازمی ہے اور اس کے بغیر اس کی نماز کالعدم ہے بیکار ہے، اور باطل ہے مگر یقین کیجیئے کہ دنیا کے کسی اسلامی کتب خانہ میں کوئی ایسی اسلامی کتاب موجود ہی نہیں ہے جسمیں کسی صحابی سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہو کہ فلاں آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۂ فاتحہ کی قرأت ضروری ہے ورنہ نماز باطل اور کالعدم ہوگی یہ ہے ھل من مبارز نیارزنی کا صحیح مقام، مگر نہ معلوم فریق ثانی اس سے کیوں اغماض کر جاتا ہے کیا ہے کوئی خوش نصیب اور زندہ دل غیر مقلد بھائی جو یہ مطالبہ پورا کردے اور جیسے ہم نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ جیسے مفسر قرآن صحابہؓ سے صحیح اسانید کے ساتھ آیت کا شانِ نزول بیان کیا ہے ایسا ہی وہ بھی کسی ایک صحابی سے آیت کا شانِ نزول نقل کردے (دیدہ باید) باقی انعامی چیلنج کا رعب تو راقم الحروف کثیر العیال اور مفلوک الحال آدمی ہے۔ نہ مال ہے اور نہ لاف وگزاف اور ڈھینگیں مارنے کی عادت ہے۔ دلائل آپکے سامنے ہیں جو بیان کردیئے گئے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ کہ ایسی کوئی آیت فریق ثانی پیش نہیں کرسکتا جس کا حضرات صحابہ کرامؓ

اور تابعینؒ سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ شانِ نزول پر ثابت ہو چکا ہو کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرأت ضروری ہے پھر بھی مجوّزین قرأت خلف الامام نے قرآن کریم کی آیات سے اس مدعیٰ پر استدلال و احتجاج کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ ہم ان کے قرآنی استدلالات نقل کر کے ان کا صحیح محل عرض کرتے ہیں اور فریق ثانی کی خامی بھی عرض کر دیتے ہیں تاکہ مسئلہ زیرِ بحث کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے اور حق بات بھی سامنے آجائے۔

پہلی آیت :- حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہر نمازی اپنے لیے نماز پڑھتا ہے اور قرأت نماز کا ایک حصہ ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بعض نماز تو خود مقتدی ادا کرے اور بعض (یعنی قرأۃ سورۂ فاتحہ) اس کا امام ادا کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (پ۲۷، سورۂ نجم، رکوع ۲) اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔

اور اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی (پ۱۶، سورۂ طٰہٰ رکوع ۱) تاکہ بدلہ لے ہر شخص کو جو اس نے کمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام کی قرأت صرف اس کے لیے ہے اور مقتدی کو الگ سورۂ فاتحہ پڑھنی ہوگی۔ (محصلہ کتاب القرأۃ ص۵۵) اور یہی کچھ تھوڑے بہت تغیر کے ساتھ خیر الکلام ص۶۱ میں کہا گیا ہے۔

جواب :- یہ استدلال محض باطل ہے اوّلاً اس لیے کہ کسی صحابی یا تابعی سے بسند صحیح ثابت نہیں کہ ان آیتوں کا شانِ نزول قرأۃ خلف الامام کا مسئلہ ہے اور خاص طور پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ان سے ثابت ہے اور نہ ان آیتوں میں سورۂ فاتحہ اور قرأت کا اور امام و مقتدی کا کوئی لفظ ہی موجود ہے اس لیے دعویٰ کا دلیل سے معمولی سا تعلق بھی نہیں ہے۔ بلاشک قرآن کریم کی کوئی آیت اور حکم شانِ نزول پر بند نہیں اور قرآن کریم قیامت تک اقوامِ عالم کے لیے دستور ہے لیکن اگر کسی مسئلہ کے استدلال پر کوئی ایسی آیت پیش کی جائے جس سے نہ تو حضرات صحابہ کرامؓ نے وہ مسئلہ سمجھا ہو۔ اور نہ تابعینؒ نے اور نہ وہ مسئلہ اس کا شانِ نزول ہو تو یقیناً وہ کشیدہ ہوگا۔ مؤلف خیر الکلام اس نقطہ کو نہیں سمجھے یا بالکل پی گئے ہیں۔ وثانیاً پہلے تو قرأت کا فریضہ صرف امام پر ہے مقتدی پر نہیں اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے جیسا کہ بقول مؤلف خیر الکلام فیض الباری کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی پر بھی قرأت ہے لیکن امام اس کا متحمل ہے تو کیا امام بیہقیؒ وغیرہ کے نزدیک امام کا سُترہ اور سہو وغیرہ مقتدیوں کو کافی نہیں ہے؟ یہ کہنا کہ اسی طرح جماعت کی

صورت میں امام کے آگے سُترہ کا کفایت کرنا اس لیے نہیں کہ امام کا سُترہ مقتدی کو کفایت کرتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جیسے استقبال کعبہ مقتدی کا فعل ہے اور وہ ہر نمازی سے مطلوب ہے اسی طرح نمازی کے آگے سُترہ کا ہونا ہر نمازی سے مطلوب ہے اگر ایک نمازی ہو تو اس کے آگے ہو اگر جماعت نماز پڑھے تو امام کے آگے ہو جیسے کعبہ ایک ہے اور سب کا ہے اسی طرح سُترہ اگرچہ ایک ہے مگر سب کا ہے نہ خاص امام کا نہ خاص مقتدی کا اھ (خیر الکلام ص۹۵ محصلہ) ان کے لیے سود مند نہیں بلکہ نری دفع الوقتی ہے۔ اوّلؔ تو اس لیے کہ سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ (بخاری جلد ۱ ص۷۱) ایک مسلّمہ قاعدہ ہے پھر اس کا انکار کون تسلیم کرتا ہے و ثانیاً یعنہٖ یہی دلیل بسلسلۂ قرأت ہماری طرف سے سمجھئے کہ منفرد ہو تو اس پر قرأت لازم ہے جماعت کی نماز ہو تو امام کی قرأت مقتدی کے لیے ہے جیسے کعبہ ایک ہے اور سب کا ہے اسی طرح قرأت بھی ایک ہے مگر سب کی ہے نہ خاص امام کی نہ خاص مقتدی کی جیسے مذکورہ دلیل میں باوجودیکہ سُترہ امام کے آگے ہے مگر سب کا ہے اسی طرح قرأت بھی بظاہر امام کر رہا ہے مگر سب کی ہے جیسے نمازی سے مطلوب یہ ہے کہ سترہ اس کے آگے کی جانب ہو یہ مطلوب نہیں کہ ہر نمازی اس کو گاڑے اسی طرح قرأت میں بھی یہی مطلوب ہے کہ آگے امام قرأت کرے اور مقتدی سُنیں نہ یہ کہ سب مقتدی قرأت کریں۔ اور کیا جہری نمازوں میں امام کا جہر مقتدیوں کو کافی نہیں ہے؟ اور کیا ما زاد علی الفاتحہ میں امام کی قرأت مقتدیوں کو کفایت نہیں کرتی؟ دوسری باتوں میں نیابت اور کفالت کا مسئلہ تو الگ رہا نفس نماز میں یہ آیتیں امام بیہقیؒ کے مخالف پڑتی

بیماری اور عجز کے وقت حج کے سلسلے میں نیابت فدین اللہ احق بالقضاء کے تحت جمہور کا مسلک ہے اور من مات وعلیہ صوم صام عنہ ولیہ پر فریق ثانی کا خاصا اصرار ہے وعلیٰ ہٰذا نکاح اور طلاق وغیرہ میں وکالت و نیابت امام بیہقیؒ کے قاعدہ کے خلاف پڑتی ہے اور مالی طور پر ایصال ثواب میں تمام اہل السنت کا اتفاق ہے (دیکھئے نووی ج۲ ص۴۳ و ص۲۲۴ و شرح فقہ اکبر ص۱۵۸) اور منکرین حدیث کا ایصال ثواب کے انکار پر ان آیتوں کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ میت نے اپنی زندگی میں کوشش کر کے علم حاصل کیا، شادی کی اور اولاد پیدا ہوئی، مگر دوروں کی اعانت کی اچھے اخلاق سے برتاؤ کر کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اسکی وفات کے بعد لوگوں نے اسکو ایصال ثواب کیا تو اسکو اپنی ہی کوشش کا ثمرہ اور پھل ملا وان لیس للانسان الا ما سعیٰ لہٰذا یہ آیتیں ایصال ثواب کی دلیل ہیں نہ کہ انکار کی (دیکھئے کتاب الروح ص۱۵۸ للحافظ ابن القیمؒ و شرح عقیدۃ الطحاوی ص۳۸۴ وغیرہ) جن سطحی قسم کے لوگوں نے اس آیت کریمہ کو ایصال ثواب کے انکار کے لیے حجت گردانا ہے انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ تو قرآن کے خلاف جاتی ہے لیکن ہر بات میں فہم اور تسلیم شرط ہے جو فہم سے محروم ہو اور تسلیم کے لیے آمادہ نہ ہو اس کو بھلا دلائل سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے!-

ہیں۔ مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ ماذا دعلی الفاتحہ اور جہر مقتدی پر ہے ہی نہیں یہ امام کا فریضہ ہے۔ (محصلہ ص۱۶) ہمیں مضر نہیں کیونکہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ قرأۃ امام کا فریضہ ہے مقتدی کا فریضہ صرف استماع و انصات ہے۔ رہا ان آیتوں کا مطلب تو بالکل واضح ہے کہ توحید و رسالت اور معاد وغیرہ کے بنیادی عقیدوں اور اصولی امور میں جہاں کسی دوسرے کی نیابت اور وکالت کام نہیں آسکتی وہاں ہر ایک کا اپنا عقیدہ اور عمل ہی کام آئے گا وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اور جہاں نیابت او وکالت درست ہے، تو وہاں بھی اصل اور مؤکل کی محنت اور مشقت کار فرما ہے کہ اس نے اپنا نائب اور وکیل مقرر اور انتخاب کیا ہے اور اس کو اپنی ہی کوشش اور سعی کا نتیجہ ملتا ہے عام اس سے کہ اس کی سعی بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ وہ اس کا موجد ہو یا عامل، داعی ہو یا سبب، علت سب کی ایک ہے۔

دوسری آیت :۔ امام بیہقیؒ اور مولانا عبد الصمد صاحب پشاوریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّ	اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور
دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا	ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو
تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (پ۹، اعراف، ۲۴)	صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت رہ بے خبر۔

ان اکابر کا کہنا ہے کہ یہ آیت امام اور مقتدی کو نیز جہری اور سرّی تمام نمازوں کو شامل ہے اور سورۂ فاتحہ وغیر فاتحہ کی قرأت کو عام ہے اس سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی اپنے دل میں آہستہ آہستہ قرأت کرنا صحیح ہے اور امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ یہی مطلب اس آیت کا حضرت زیدؒ بن اسلمؒ سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ علماء تابعینؒ میں بڑے پایہ کے مفسر تھے۔ (محصلہ کتاب القرأۃ ص۸۲ و اعلام الاعلام ص۱۹۰) اور حافظ ابن تیمیہؒ نے سرّی نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے جواز میں یہ آیت پیش کی ہے (ملاحظہ ہو فتاوی ص ۱۴۹/۲ج) اور مؤلف خیر الکلام نے بھی اس استدلال کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو خیر الکلام ص۶۹)

جواب :۔ اس آیت سے امام کے پیچھے قرأت سورۂ فاتحہ پر استدلال کرنا باطل ہے اوّلاً اگر واقعی اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ اور جمہور سلف و خلفؒ پر یہ مطلب ہرگز مخفی نہ رہتا چونکہ یہ تفسیر صحیح حدیث اور حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کی صحیح تفسیر کے (جس کا حوالہ کے ساتھ ذکر جلد اوّل میں ہو چکا ہے) مخالف ہے اس لیے

یہ قابل قبول نہیں ہے لہٰذا اس کی صحت میں کلام ہے وثانیاً نہ اس آیت میں امام کا لفظ ہے اور نہ مقتدی کا نہ قرأت کا اور نہ سورۂ فاتحہ کا مطلق ذکر کر خود ساختہ قیود میں جکڑنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے ؟ علاوہ ازیں اگر آیت کا عموم ملحوظ رکھا جائے تو کیا فریق ثانی سورۂ فاتحہ کے علاوہ کسی اور قرأت کو مقتدی کے لیے تسلیم کرے گا ؟ اگر نہیں تو کیوں ؟ جو جواب وہ غیر سورۂ فاتحہ کا دے گا۔ فہو جوابنا عن الفاتحۃ اور امام سیوطیؒ نے نتیجۃ الفکر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں ذکر سے قلبی ذکر مراد ہے زبان سے پڑھنا مراد ہی نہیں (کذا فی الدلیل المبین صلـ۳۶ـ) لہٰذا یہ ہمیں مضر نہیں ہے کما لا یخفی۔ وثالثاً اگر واقعی یہ آیت نماز کے بارے میں ہے تو اس سے صرف امام مراد ہو گا نہ کہ مقتدی کیونکہ اذکر اور ربک والا تکن میں مفرد صیغے اس پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے پہلی آیت فاستمعوا لہ وانصتوا اور لعلکم ترحمون میں مقتدیوں کو خطاب ہے کیونکہ یہ تمام جمع کے صیغے ہیں جو تقابل کی صورت میں بیان ہوئے ہیں محض مفرد ہی نہیں جس سے جمع بھی مراد ہو سکتی ہے جس طرح دَکُو بَکْرِی میں ہے جس سے مؤلف خیر الکلام کو مغالطہ ہوا ہے اور مطلب یہ ہو گا کہ امام کو سری نمازوں میں اپنے دل میں قرأت کرنی چاہیے اور مقتدیوں کو استماع اور انصات کرنا ہو گا اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ استماع اور ہے اور سماع اور، بلکہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت اور صحیح حدیث اس مطلب کی تائید کرتی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتداء میں حضرات صحابہ کرامؓ کو بلند آواز سے قرأت کر کے نماز پڑھایا کرتے تھے مشرکوں نے آپ کو اور قرآن کریم و جبرئیل علیہ السلام کو سب وشتم کا نشانہ بنایا، آپؐ نے بحالت امامت اتنی آہستہ قرأت شروع کر دی کہ مقتدی نہیں سن سکتے تھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (پ۱۵، بنی اسرائیل ۱۲)

اور مت پکار کر پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ۔

اور انہیں کتابوں میں اس آیت کا مفہوم اعتدال فی الدعاء بھی مذکور ہے (بخاری جلد ۲ صلـ۶۸۶ـ ومسلم جلد ۱ صلـ۱۸۳ـ وابوعوانہ جلد ۲ صلـ۱۲۳ـ) ورابعاً حافظ ابن کثیرؒ کے حوالہ سے پہلے یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ مقتدیوں کے لیے اس آیت سے قرأت کرنے کا اثبات (بعید مناف للانصات المامور بہ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صلـ۲۸۲ـ) بعید ہے اور انصات کے بالکل مخالف

ہے جس کا مقتدیوں کو حکم ہے بہر حال اس آیت سے مقتدیوں کے لیے نفس قرأت پر استدلال کرنا انصاف سے بعید اور حکم خداوندی کے سراسر مخالف ہے چہ جائیکہ سورۂ فاتحہ کی قرأت کا حکم اس سے مقتدیوں کے لیے ثابت ہو سکے۔ مؤلف خیر الکلام نے صلا۲۹ میں بحوالہ تفسیر نیشاپوری یہ لکھا ہے کہ آہستہ پڑھنا انصات کے منافی نہیں۔ لیکن ہم پہلے باحوالہ کتب لغت عرض کر چکے ہیں کہ آہستہ پڑھنا بھی استماع و انصات کے بالکل منافی ہے، رہی حضرت زیدؓ بن اسلمؒ کی تفسیر تو وہ درایۃً اور روایۃً قابل توجہ نہیں ہے درایۃً تو آپ حافظ ابن کثیرؒ کے حوالے سے سن ہی چکے ہیں اور خود حضرت زیدؓ بن اسلمؓ سے قرأت خلف الامام کی ممانعت کی تفسیر منقول ہے چنانچہ امام ابن قدامہؒ لکھتے ہیں۔ وقال زید بن اسلم و ابو العالیۃ کانوا یقرؤن خلف الامام فنزلت واذا قرئ القراٰن الآیۃ (مغنی جلد ۱ صلا۶۰۵) زیدؓ بن اسلمؒ اور ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اس پر یہ آیت واذا قرئ القراٰن الآیۃ نازل ہوئی۔ اور روایۃً بھی یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں عبدالعزیزؒ بن محمدؒ ہے گو وہ ثقہ ہے لیکن ابو زرعہؒ اس کو سیئ الحفظ سے اور امام احمدؒ اور ابن حبانؒ اس کو یخطی سے اور ابن سعدؒ ان کو یغلط سے اور ساجیؒ ان کو کثیر الوھم سے تعبیر کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ صلا۳۵۴) کیا معلوم کہ حضرت زیدؓ بن اسلمؒ نے اس آیت کی کیا تفسیر بیان کی تھی اور راوی مذکور کی غلطی اور وہم سے وہ کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ مؤلف خیر الکلام صلا۷ میں لکھتے ہیں مگر یہ جرحیں بھی بلا سند ہونے کی بناء پر مردود ہیں الخ مگر یہ محض ان کی دفع الوقتی ہے امام ابو زرعہؒ، امام احمدؒ، امام ابن حبانؒ وغیرہ کیا ائمہ جرح و تعدیل نہیں ؟ اور معتبر کتب رجال میں ان کے اقوال کیا بلا سند ہیں ؟ جب سیئ الحفظ وغیرہ کی جرح امام ابو حنیفہؒ وغیرہ پر ہو تو وہ مؤلف مذکور کے نزدیک معتبر ہو اور یہاں مردود ہو آخر اس کی وجہ کیا ہے ؟ اور ائمہ جرح کے اقوال کے مقابلہ میں اٹکل پچو باتیں کون سنتا ہے ؟ باقی آیت کا مطلب بالکل عیاں ہے جو مطلقاً اللہ تعالیٰ کے ذکر، یاد اور دعا پر مشتمل ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً۔ (پ۸، اعراف ۷) پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے۔ تَدْعُوْنَہٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً ۚ (پ۷، انعام ۸) پکارتے ہو تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ خود بنفس نفیس تحریر فرماتے ہیں کہ دعا میں سنت

طریقہ یہ ہے کہ آہستہ دعا کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ الآیۃ (فتاویٰ جلد ۱ صلا۱۲۶) خلاصۂ امر یہ ہے کہ اس آیت کو مقتدیوں کی قرأت (خصوصاً قرأت فاتحہ) پر دلیل بنانا اندرونی اور بیرونی عقلی اور نقلی تمام دلائل کے سراسر مخالف ہے۔ الغرض اس سے مُراد ذکر اور دعا ہے گو خطاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم امت کو ہے گفتہ آید در حدیث دیگراں۔

تیسری آیت:۔ مولوی محمد صادق صاحب (خطیب جامع اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (پ۱۵۔ بنی اسرائیل ۲۰) اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ امام کی قرأت سورۂ فاتحہ مقتدیوں کو کفایت نہیں کر سکتی کیونکہ ایک آدمی کا بوجھ دوسرا کیسے اٹھا سکتا ہے؟ (بحوالہ ازالہ ستر ص۵۸ مؤلفہ جناب مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۲۲ محرم ۱۳۸۲ھ)۔

جواب:۔ یہ استدلال بھی نہایت کمزور ہے اولاً حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں کسی شئے کو جو از قبیل عبادت ہو وزر ہرگز نہیں کہا جاتا اگر کہیں قرآن اور حدیث میں وزر کا لفظ کسی عبادت پر اطلاق کیا گیا ہو تو پیش کریں ورنہ (سورۂ) فاتحہ کو وزر بنانے سے شرمائیں (ملخصاً ازالہ ستر ص۶۲) وثانیاً کیا سورۂ فاتحہ ہی وزر ہے یا ما زاد علی الفاتحہ قرآن کریم کی ایک سو تیرہ سورتیں بھی وزر ہیں تو صرف فاتحہ کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ اور ان میں امام کیوں کفایت کر جاتا ہے؟ اور اگر وہ وزر نہیں تو کس منطق کے رو سے وثالثاً جہری نمازوں میں جہر اور سترہ وغیرہ وزر کو امام کیوں اٹھا لیتا ہے کیا ان میں وزر والا فلسفہ اپنا کام نہیں کرتا؟ عجیب بات ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی سورت (فاتحہ) عطا کی ہے کہ نہ تورات و انجیل اور زبور میں ایسی سورت نازل ہوئی ہے اور نہ قرآن کریم میں اس کی مثال موجود ہے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص۱۸۴ و مؤطا امام مالک ص۲۸ و ترمذی جلد ۲ ص۱۱۱ وقال صحیح) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو اس سورت کو نعمت عظمیٰ بتلاتے ہیں مگر مدعیانِ عمل بالحدیث اس کو وزر سے

تعبیر کرتے ہیں فوا اسفا۔ آیت کریمہ کا مفہوم بالکل ظاہر ہے کہ ہر آدمی صرف اپنا ہی بوجھ اٹھائیگا خواہ وہ اس عمل کا موجد ہو یا مُروّج عامل بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ اپنے ہی کئے کا پھل پائے گا اور وہ مُغوی اور مُضل جو دوسروں کے گناہوں کو اپنے پیٹے ڈالنے کا مدعی ہے اس کو عدالت عالیہ اور سچی سرکار سے گویا یہ خطاب ہوگا۔ ع۔ تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو ۔ ہاں مگر اغوا اور اضلال چونکہ اس کا اپنا عمل ہے لہذا اس کا بوجھ اس پر ضرور پڑے گا اور گمراہ کرنے پر اپنے کئے کا ضرور پھل پائیگا وہ بری الذمہ نہیں ہوسکیگا۔

الغرض امام کے پیچھے مقتدیوں کے لیے قرأت سورۃ فاتحہ کا اس آیت سے اثبات تحریف قرآن کریم کے مترادف ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

چوتھی آیت:۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ (خطیب جامع مسجد اہل حدیث گوجرانوالہ) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهٗ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (پ۱۶ سورۃ طٰہٰ ۔ رکوع ۷) اور جس شخص نے منہ پھیرا میرے ذکر اور یاد سے تو اس کو ملتی ہے گذران تنگی کی اور لائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہے اور جو شخص اس سے اعراض کرتا ہے وہ عذاب خداوندی کا شکار ہوگا۔ (محصلہ اخبار تنظیم ص۶ کالم ۳ مجریہ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۳ء ماخوذ از برہان ساطع ص۳۱)

جواب:۔ فریق ثانی کا وتیرہ ہی عجیب ہے آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کا شان نزول صحیح روایات اور اجماع امت سے خلف الامام کا مسئلہ ہے۔ مگر وہ آیت اُن کے نزدیک کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت جو بالاتفاق کفار منافقین اور عصاۃ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کو وہ مسلمانوں کے بارے میں بتاتے ہیں۔ بعض مفسرینؒ کرام نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔ کہ معیشۃ ضنکا کے یہ معنی ہیں کہ زندگی میں خیر اور بھلائی داخل نہ ہوسکے گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہوگئی ہے اور اکثر مفسرینؒ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور قرآن کریم سے اعراض کرنے والے کافروں اور نافرنوں کو اگرچہ مال، اولاد اور دنیا کی ترقی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن زندگی کا وہ سکون جو خدا تعالیٰ کے احکام ماننے سے ہوتا ہے اس سے وہ یکسر خالی اور محروم ہوتے ہیں اور اس دنیائے خاک و گل میں حقیقی امن اور تسلی ہی ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جو

اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنے دِل کو معمور رکھتے ہیں سچ ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دِل مطمئن ہو سکتے ہیں۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معیشۃً ضنکاً کی تفسیر عذاب قبر سے کی ہے چنانچہ حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا معیشۃً ضنکاً قال عذاب القبر (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۸۱ قال الحاکم والذہبی علیٰ شرط مسلم) کہ اس آیت میں معیشۃ ضنک سے عذاب قبر مراد ہے۔ اور امام بزارؒ نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں باسناد جید (جلد ۳ صفحہ ۱۶۹) کہ اس کی سند جید اور عمدہ ہے اب مولانا صاحب ہی ازراہِ بزرگی ارشاد فرمائیں کہ کیا اُن تمام حضرات کو عذاب قبر ہو گا جن کے حوالے پوری تفصیل کے ساتھ جلد اول میں بیان ہو چکے ہیں جو قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے؟ اور کیا عذاب قبر مشرکوں، کافروں، منافقوں اور گنہگاروں کو ہو گا یا قرآن کریم اور صحیح احادیث پر عمل کرنے والوں کو جن کا دامنِ تحقیق اکثر حضرات صحابہؓ وتابعینؒ اور جمہور فقہاءؒ اور محدثینؒ کی معیت سے بھی وابستہ ہے؟ اگر استدلال اسی کا نام ہے تو کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ واذا قرئ القرآن الآیۃ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا حکم ہے اور فریق ثانی اس سے اعراض کرتا ہے لہٰذا ان کی منطق کی رو سے وہ معیشۃ ضنک کے مستحق ہیں بلکہ یہ مطلب زیادہ صحیح ہو گا۔ کیونکہ اس کا مطلب ہی صحیح روایات اور اجماع امت سے مسئلہ عدم قرأت خلف الامام ثابت ہو چکا ہے اور من اعرض عن ذکری الآیۃ کا یہ مطلب کہ اس سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ سے اعراض کرنا ہے نہ تو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ سے بلکہ کسی بھی معتبر اور مستند مفسرؒ سے یہ ثابت نہیں ہے پھر کیونکر اس سے قرأت خلف الامام کی اور خصوصاً امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی اجازت ثابت ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے صفحہ ۵۸ میں فاقرءوا ما تیسر الآیۃ سے بھی اپنے دعویٰ پر استدلال کیا ہے مگر ہم نے جلد اول میں باحوالہ بحث عرض کر دی ہے کہ یہ آیت ہی نماز تہجد سے متعلق ہے نہ کہ مسئلہ خلف الامام سے حضرات اسی قسم کی بعض اور آیات بھی فریق ثانی نے اپنے اس دعوے کے اثبات پر پیش کی ہیں مگر اُن کو وہ کسی طرح بھی مفید نہیں ہو سکتیں بخلاف اس کے ہم نے محض حضرات صحابہ کرامؓ سے نہیں بلکہ اُن حضرات صحابہ کرامؓ سے جن کا فن تفسیر میں مقام حضرات خلفاء راشدینؓ سے

بھی بڑھا ہوا ہے صحیح اسانید کے ساتھ ایک آیت کا مطلب اور شان نزول پیش کیا ہے اور حدیث تابعینؒ وجمہور مفسرینؒ سے بلکہ اجماع امت سے بھی آیت کی تفسیر نقل کی جا چکی ہے اور فریق ثانی صحابی چھوڑ کسی تابعی سے بھی بسند صحیح کسی آیت کا مطلب نہیں پیش کر سکا صرف تفسیر بالرائے اور سینہ زوری سے کام لیتا ہے۔

فالی اللہ تعالی المشتکی۔

دوسرا باب

اس باب میں وہ مرفوع روایات اور احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے فریق ثانی نے مقتدی کے لیے امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا وجوب ثابت کیا ہے اور ہم ان پر روایۃً اور درایۃً سنداً اور معنیً کلام کریں گے اور یہ واضح کریں گے کہ ان کا یہ دعویٰ اور اس کی دلیل کہاں تک اور کیسے ان کو مفید ہے ؟ اور دعویٰ و دلیل کی مطابقت کیا ہے ؟

پہلی روایت : حضرت عبادۃؓ بن الصامت کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (بخاری ج ۱ ص ۱۰۴ و مسلم جلد ۱ ص ۱۶۹) کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ چونکہ اس روایت میں مقتدی اور خلف الامام کی کوئی قید مذکور نہیں اس لیے فریق ثانی کو اس حدیث سے استدلال کرنے میں علوم آلی خارجی قرائن اور حضرات محدثین کرامؒ کے مفروض اجماع ایسے خوش کن الفاظ سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے چنانچہ مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ لفظ مَن عام ہے جس میں امام منفرد اور مقتدی سب داخل ہیں (ابکار المنن ص ۱۰۴ تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۱ و تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۶) اور مولانا محمد ابراہیم صاحب میرؒ لکھتے ہیں کہ غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر نمازی پر شامل

لہ یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۱۰۵، ابوعوانہ جلد ۲ ص ۱۴۴ دارمی ص ۱۴۶ ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹ ترمذی جلد ۱ ص ۳۴ ابن ماجہ ص ۶۰ دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۶۱ جزء القراۃ ص ۲۰ کتاب القراۃ ص ۹ کتاب الاعتبار ص ۹۸ اور مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۷۸ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے یہ روایت متعدد حضرات صحابہ کرامؓ سے بسند صحیح مروی ہے مثلاً حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ سے صحیح سند سے مرفوعاً مروی ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (کتاب القرأۃ ص ۳۲ کلاھما بطریق اسحاقؒ بن بنان البغدادیؒ۔ وغیرہ)

کہتے ہیں۔ (تفسیر واضح البیان ص۱۲) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے اس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں امام یا منفرد کا کوئی ذکر نہیں ہے جیسے یہ حدیث امام یا منفرد کو شامل ہے۔ اسی طرح مقتدی کو بھی شامل ہے الخ (ص۴۲)

جواب اوّل:- بلاشبہ سند کے لحاظ سے یہ روایت صحیح ہے لیکن اس روایت سے فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے (تقریب تام نہیں نہ ہی منطقی اصطلاح ہی ملحوظ نہیں کیونکہ) نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف الامام کی اور جب تک دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہ ہو کسی بالانصاف عدالت میں ایسا دعویٰ ہرگز مسموع نہیں ہو سکتا۔ رہا حرف مَن سے استدلال تو وہ بھی قابل التفات نہیں ہے اس لیے کہ فریق ثانی جب تک یہ نہ ثابت کر دے کہ حرف مَن تعمیم میں نص قطعی ہے اور کبھی کسی مقام میں تخصیص کے لیے مستعمل نہیں ہوا تو پھر ان کا دعویٰ ایک حد تک صحیح ہو سکتا ہے مگر یقین کیجیے کہ اس کا اثبات کار دارد یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات حرف مَن عموم کے لیے آتا ہے لیکن بسا اوقات اس میں تخصیص بھی مراد ہو سکتی ہے۔ نہایت اختصار کے ساتھ ہم بعض حوالے درج کرتے ہیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَن فِي الْأَرْضِ (پ۲۵۔ شوریٰ۔۱) کہ فرشتے زمین پر بسنے والوں کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں۔ اس آیت میں حرف مَن ہے اور ظاہر ہے کہ زمین پر سب بسنے والوں کے لئے فرشتے دعا مغفرت نہیں کرتے بلکہ مومنوں کے لیے طلب استغفار کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا (پ۲۴۔ مومن۱) کہ فرشتے صرف مومنوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں نہ یہ کہ ہندوؤں، سکھوں، یہودیوں اور نصرانیوں اور دیگر مشرک قوموں کے لیے خواہ وہ انسانوں میں ہوں یا جنوں میں تو یہاں حرف مَن تخصیص کے لیے آیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ الآية (پ۲۹، ملک، ۲) کیا تم نڈر ہو چکے ہو اس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں یہاں بھی حرف مَن ہے اور اس سے مراد صرف اللہ کی ذات ہے نہ کہ ہر ایک مَن فِي السَّمَاءِ اور قرآن کریم صحیح احادیث اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ آسمانوں میں فرشتے اور ارواح حضرات

انبیاء علیہم السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسد عنصری کے ساتھ بلکہ تمام دیگر مومنوں کی روحیں آسمانوں پر موجود ہیں اور ایک صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وہ اولاد جو اہل النار سے ہے پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب موجود ہے (بخاری ص۵۰ ج۱ مسلم ج۱ ص۹۲ والبوعوانہ جلد ا ص۱۳۳) اور آسمان پر کوئی چپہ ایسا نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت اور سجدہ میں مشغول نہ ہو (مستدرک جلد ۴ ص۵۴۴) قال الحاکمؒ والذہبیؒ علی شرطہما)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا (پ۲۹، ملک ۲۰) کیا نڈر ہو چکے ہو تم اُس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ برسائے تمہارے اوپر پتھروں کا مینہ اس آیت میں بھی حرف مَنْ ہے مگر مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں انما ھلك من كان قبلكم (الحدیث) بخاری جلد ۲ ص۱۰۰۳) کہ تم سے پہلے لوگ صرف اس لیے ہلاک ہوئے ہیں کہ احکام خداوندی میں امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق کرتے تھے۔ اس حدیث میں حرف مَن ہے مگر مراد صرف بعض قومیں ہیں نہ کہ حضرات انبیاء عظام اور ان کے مومن ساتھی (علیہم الصلوٰۃ والسلام)

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لتتبعن سنن من كان قبلكم (الحدیث) (بخاری ص۱۰۸۹ ج۲ ومسلم ص۳۳۹ ج۲) تم پہلے لوگوں کی (جو یہود اور نصاریٰ ہیں جیسا کہ اسی حدیث میں اس کی تصریح ہے) اتباع کرو گے جو تمہاری گمراہی کا موجب بنے گی اس میں بھی حرف مَن ہے اور اس سے مراد بعض قومیں ہیں نہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کیونکہ ان کی اتباع کا تو آپ کو حکم ہے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (پ۷۔ انعام) سو آپ ان پیغمبروں کی (جن میں اٹھارہ کے صراحۃً نام لیے گئے ہیں اور باقی حضرات کا اجمالاً ذکر ہوا ہے) اقتدا کیجئے اور آپ کی وساطت سے آپ کی تمام امت کو ان کی اتباع اور اقتدار کا حکم دیا گیا ہے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طاعون اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے (جس ارسل علی من قبلکم (بخاری جلد ا ص۴۹۴ ومسلم جلد ۲ ص۲۲۸) جو تم سے پہلے لوگوں پر نازل کیا گیا ہے اس حدیث میں بھی حرف مَن ہے حالانکہ یہ عذاب صرف بعض مجرموں پر نازل کیا گیا تھا نہ کہ پیغمبروں اور مومنوں پر علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ عصر کی نماز تم سے پہلے لوگوں پر پیش کی گئی مگر انہوں نے پرواہ نہ کی۔ عرضت علیٰ مَنْ قبلکم (مسلم جلد ۱ ص ۲۷۵) حالانکہ حضرات انبیاء عظام علیہم السلام اور ان کے پیروکار اس جرم سے مُبرّا تھے۔

۸۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جو زمین پر بسنے والوں پر رحم نہیں کرتے لا یرحمہ مَنْ فی السماء (الترغیب والترھیب جلد ۳ ص ۱۵۵ بندقوی) ان پر آسمان والا رحم نہیں کرے گا، یہاں بھی حرف مَن ہے اور مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۹۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں کو اور نیک بندوں کو ارشاد فرمائیں گے اخرجوا من النار مَنْ ذکرنی یوماً (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۵۶ ومستدرک ۱ ص ۷۰) جن لوگوں نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا ہے۔ ان کو دوزخ سے نکال لو اس حدیث میں بھی حرف مَن ہے لیکن اس سے مراد صرف اہل توحید ہیں گو کتنے ہی گنہگار ہوں نہ کہ کافر اور مشرک حالانکہ وہ بھی خدا کا نام تو لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر آپ ان سے سوال کریں تمہیں کس نے پیدا کیا ہے لَیَقُوْلُنَّ اللہ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کتب حدیث میں سینکڑوں مثالیں ایسی موجود ہیں جن سے بخوبی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حرف مَن تخصیص کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، ہم نے صرف بطور مثال کے چند نمونے عرض کیے ہیں، اب آپ علمائے عربیت کی چند عبارتیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ علامہ زمخشریؒ آیت ۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حرف مَن تعمیم کے لیے نہیں بلکہ جنس[1] کے لیے اور جنسیت کل افراد میں بھی متحقق ہو سکتی ہے اور بعض میں بھی لیکن اس مقام میں بعض یعنی اہل ایمان مراد ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کافروں کے لیے دعائے مغفرت نہیں کرتے۔

---

[1] مؤلف خیر الکلام نے ان عبارات کا جو یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک حرف مَن وضع تو عموم کے لیے ہے اور اس مقام پر خصوص کے معنی پر اُس کی دلالت ہے اور وضع و دلالت میں فرق ہے (محصلہ ص ۸۵/۸۶) تو یہ ایک ناکام بہانہ ہے کیونکہ علامہ زمخشریؒ وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ حرف مَن تعمیم کے لیے نہیں بلکہ جنس کے لیے ہے تو پھر بیکار مطلب کو کون مانتا ہے؟ اور اگر دلالت کے لحاظ سے خصوص آیا ہے، تب بھی استعمال کے لحاظ سے عموم میں نص قطعی تو نہ رہا وھو المطلوب۔ اور پھر علامہ سید شریف جرجانیؒ کی صریح اور واضح عبارت کا کیا جواب ہے جس میں وہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ عموم کیلیے وضع ہی نہیں بلکہ جنس کے لیے وضع ہیں۔

(تفسیر کشاف جلد ۳ ص۹۳)

۲۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ حرف مَن لا یفید العموم یہاں عموم کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ اس سے بعض مراد ہیں (جو اہل ایمان ہیں) (تفسیر کبیر جلد ۷ ص۴۳۹)

۳۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ حرف مَن یہاں جنس کے لیے ہے نہ کہ عموم کیلیے (روح المعانی ص$\frac{129}{14}$)

۴۔ امام ابوبکر رازیؒ بھی اسی کے قریب قریب الفاظ لکھتے ہیں (احکام القرآن ص$\frac{439}{2}$)

۵۔ ملا احمد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں ما و من یحتملان العموم والخصوص واصلھما العموم (نور الانوار ص۵۹) کہ حرف مَا اور مَن عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔ اصل اگرچہ ان دونوں کا عموم ہے۔

مطلب واضح ہے کہ اگرچہ اصل میں دونوں عموم کے لیے ہیں لیکن استعمال کے لحاظ سے دونوں عموم کے لیے نص قطعی نہیں کہ ان میں تخصیص نہ آ سکے بلکہ استعمال میں عموم و خصوص دونوں کا برابر احتمال رکھتے ہیں اور ص۹۱ میں لکھتے ہیں۔ وکلمة من لیست بمحکمة فی العموم الخ کہ کلمہ مَن عموم میں محکم اور نص قطعی نہیں ہے۔

۶۔ امام اہل عربیت علامہ سید شریف جرجانیؒ (المتوفی ۸۱۶ھ) تحریر فرماتے ہیں (الموصولات لم توضع للعموم بل ھی للجنس یحتمل العموم والخصوص (شرح مواقف جلد ۲ ص۲۵۸ طبع مصر و ص۲۲۳ طبع نولکشور) کہ جملہ موصولات (جن میں مَا و مَن داخل ہیں) عموم کے لیے موضوع ہی نہیں بلکہ ان میں عموم و خصوص دونوں کا احتمال ہے اور ابوبکر محمدؒ بن احمد السرخسیؒ (المتوفی ۴۹۰ھ) لکھتے ہیں ومن ھذا القسم کلمة من فانھا کلمة مبھمة وھی عبارة عن ذات من یعقل وھی تحتمل الخصوص والعموم الخ (اصول سرخسیؒ جلد ۱ ص۱۵۵ طبع مصر) کہ اسی قسم سے کلمہ مَن بھی ہے کہ وہ مبہم اور مجمل ہے اور وہ عقل والی شخصیت پر دلالت کرتا ہے اور خصوص و عموم دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور اصول فقہ کی مشہور کتاب التوضیح والتلویح ص۱۵۹ میں بھی اس کی تصریح ہے کہ کلمہ مَن خصوص اور عموم دونوں کے لیے آتا ہے۔

قارئین کرام! آپ قرآن کریم، صحیح احادیث اور ائمہ تفسیر اور علماء عربیت کی واضح عبارات سے یہ معلوم کر چکے ہیں کہ حرف مَن تعمیم کے لیے نص قطعی نہیں ہے اور اسی پر فریق ثانی کے استدلال

کی عبارت قائم تھی جو اس بحث کے بعد پیوند زمین ہو جاتی ہے کیونکہ حرف مِنْ تخصیص کے لیے بھی آتا ہے اور ادب عربی کے ساتھ تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ بہت کم ایسے مقامات ہوں گے جہاں اندرونی اور بیرونی قرائن سے حرف مِنْ سے حقیقی تعمیم مراد لی جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے (اور قرائن و شواہد کی روشنی میں ان کا دعویٰ بیجا نہیں ہے)

الاصل فی العمومات التخصیص بما ینا سب المقام (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۵)

کہ عمومات میں قاعدہ اور اصل یہی ہے کہ ان میں مقام اور محل کے مناسب تخصیص مراد لی جائے گی۔ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ عام کو مطلقاً خاص پر حمل کیا جائے گا، امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ اصول کا یہی مسلک ہے وھوالحق (نیل جلد ۱ ص ۱۹۵) مبارکپوری صاحبؒ بحوالہ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ مطلق کو مقید پر اور عام کو خاص پر حمل کرنا واجب ہے اور یہی قوی ترین مذہب ہے (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۹۳) اور نواب صاحبؒ بھی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ در حقیقت از باب تخصیص است (افادۃ الشیوخ ص ۹۵) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ خاص عام پر اور مقید مطلق پر مقدم ہوتا ہے ص ۶۲

ان تمام حوالوں اور دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میر صاحبؒ کا ہر نماز میں لفظ ہر پر اور مبارکپوری صاحبؒ اور مؤلف خیر الکلام کا حرف من پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھنا باطل ہے اور اس سے امام، مقتدی، منفرد اور ہر نمازی ہی مراد لینا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے صرف امام اور صرف منفرد مراد لینا بھی یقیناً صحیح ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے ان ٹھوس اور صریح حوالوں سے انتہائی ناراض اور تنگدل ہو کر بلکہ گھبرا کر جو مخلص تلاش کیا وہ یہ ہے

۱۔ مؤلف احسن الکلام نے یہ تو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے مگر اپنی طرف سے یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیث عام ہے یعنی مقتدی، امام اور منفرد سب کو شامل ہے اس میں خاص مقتدی کا ذکر نہیں اور نہ خلف الامام کا ذکر ہے۔

۲۔ دوسرے لفظوں میں ان کا یہ مطلب ہوا کہ یہ حدیث لغو اور بیکار ہے کیونکہ اس میں حکم عام ہے نہ منفرد کا ذکر ہے نہ امام کا اور نہ مقتدی کا۔

۳۔ حنفیوں کی معتبر کتاب حسامی میں ہے کہ عام کا حکم یہ ہے کہ جتنے افراد کو وہ لفظ شامل ہو ان سب تمام کو عام کا حکم قطعی اور یقینی طور پر شامل ہوتا ہے خاص و عام میں کوئی فرق نہیں اور یہی ہمارا

مذہب ہے۔

۴۔ حنفیوں کی بہترین کتاب توضیح میں ہے کہ ہمارے اور امام شافعیؒ کے نزدیک عام جمیع افراد میں حکم واجب کرتا ہے یعنی عام کے حجت ہونے میں حنفی اور شافعی متفق ہیں۔

۵۔ تلویح میں ہے کہ عام کے حجت ہونے پر امت کا اجماع ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ اور غیر صحابہؓ سے عمومات سے استدلال کرنا ثابت اور مشہور و معروف ہے۔

۶۔ حرف مَنْ کی دلالت عموم پر قطعی ہے کیونکہ من عموم کے لیے موضوع ہے اور بدون قرینہ لفظ اپنے اصل معنی پر قطعاً دلالت کرتا ہے۔

۷۔ مؤلف "احسن الکلام" نے جو حوالے نقل کئے ہیں ان تمام سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حرف مَنْ میں بسا اوقات تخصیص بھی مراد ہو سکتی ہے اور اصل میں مَنْ عام ہے مگر یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ لفظ مَنْ عام و خاص دونوں کے لیے موضوع ہے یا دونوں اس میں اصل ہیں۔

۸۔ مؤلف "احسن الکلام" کی اس جگہ روش مرزائیوں کی سی ہے کہ وہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی حدیث میں جمیع افراد کی نفی مراد نہیں لیتے حالانکہ اس میں ہر قسم کی نبوت کی نفی ہے۔

۹۔ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کا مذہب ہے کہ عموم کے لیے ایسے الفاظ ہیں جو اس کے لیے حقیقۃً موضوع ہیں وہ اسماء شرط اور اسماء استفہام اور اسماء موصولات ہیں (ارشاد الفحول ص۱۰۱)

۱۰۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مَنْ جنس کے لیے موضوع ہے ان کے نزدیک بھی یہاں عام ہونا چاہیئے کیونکہ صفت عام ہے "منار" اور "نور الانوار ص۸۵" میں ہے اگر کوئی شخص یہ کہے مَنْ شاء من عبیدی العتق فھو حُرٌّ فشاؤا عتقوا (جو شخص کہے میرے غلاموں میں سے جو آزاد ہونا چاہے وہ آزاد ہے اگر وہ چاہیں گے تو آزاد ہو جائیں گے الخ) (محصلہ خیر الکلام از ص۷۵ تا ص۸۰)

الجواب:۔ ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ راقم نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ یہ حدیث عام ہے اور یہ امام و منفرد اور مقتدی سب کو شامل ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے غلط بیانی سے کام لیا ہے راقم تو اس حدیث کو عام مانتا ہی نہیں بلکہ یہ کہتا ہے کہ یہ امام و منفرد کے ساتھ خاص ہے اور اسی لیے حرف مَنْ کی تخصیص کی با حوالہ بحث درج کی ہے کہ وہ عموم میں محکم اور نص نہیں ہے راقم نے تو یہ لکھا ہے کہ اس روایت سے فریق ثانی کا

استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دعوےٰ خاص اور دلیل عام ہے نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف الامام کی الخ اور دلیل کو بھی اس لیے عام کہا کہ فریق ثانی اس کو عام کہتا ہے اور یہ لفظ عام بھی صرف الزامی طور پہ استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف خیر الکلام کو حدیث کے عام ہونے اور مقام استدلال میں دلیل کے عام ہونے کے واضح فرق کو سمجھنے کی توفیق بخشے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

۲۔ یہ بھی خوب کہی کہ حدیث لغو اور بیکار ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اپنے ناخواندہ حواریوں کو بھڑکانے کا کیا نرالا ڈھنگ ہے۔ راقم جب چلا چلا کر یہ کہتا ہے کہ اس حدیث کا مصداق ہی صرف امام اور منفرد ہیں اندرونی اور بیرونی ٹھوس دلائل سے مقتدی اس میں داخل نہیں تو انصاف سے فرمایئے (بشرطیکہ فریق ثانی انصاف کی قدر کرتا ہو) کہ راقم کے نزدیک یہ حدیث لغو اور بیکار کیونکر ہوئی؟ اور راقم نے یہ کب تسلیم کیا ہے کہ اس میں حکم عام ہے جس پہ مؤلف "خیر الکلام" نے بلا وجہ حاشیہ آرائی کی ہے۔

۳۔ حسامی کا حوالہ مؤلف مذکور کو مفید نہیں کیونکہ نزاع اس میں نہیں کہ عام اپنے افراد کو قطعی طور پہ شامل ہے یا نہیں؟ بلکہ نزاع اس میں ہے کہ حرف مَنْ عموم کے لیے موضوع ہے یا جنس اور ابہام کے لیے موضوع ہے؟ جب کسی لفظ کو عام تسلیم کر لیا جائے تو اس کا اپنے افراد پہ شمول قطعی ہوگا اگر حرف مَنْ ایسا نہیں۔

۴ و ۵۔ توضیح و تلویح کے حوالے بھی مؤلف خیر الکلام کو سودمند نہیں ہیں کیونکہ نہ تو عام کے حجت ہونے میں اختلاف ہے اور نہ لفظ عام کے اپنے جمیع افراد میں حکم واجب کرنے میں یہ دونوں باتیں محل نزاع سے خارج ہیں۔ نزاع صرف اسی میں ہے کہ حرف مَنْ عموم میں محکم اور قطعی ہے یا نہیں؟

۶۔ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ حرف مَنْ عموم میں محکم اور قطعی نہیں بلکہ یہ مبہم ہے اور موصولات عموم کے لیے موضوع نہیں ہیں اور حافظ ابن ہمامؒ اپنی دقیق کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

هل الصيغ من اسماء الشرط والاستفهام والموصولات والمحلى والمنفية والجمع باللام والاضافة موضوعة للعموم على الخصوص او مجاز فيه او مشتركة	کیا اسماء شرط، استفہام، موصولات، محلی، منفی جمع بلام اور اضافات کے صیغے علی الخصوص عموم کے لیے موضوع ہیں؟ یا اس میں مجاز ہیں؟ یا مشترک ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو الحسن اشعریؒ نے قاضی ابو بکر

وتوقف الاشعری مرّۃً کالقاضی و الباقلانیؒ کی طرح کبھی تو توقف کیا اور کبھی اشتراک
مرّۃً بالاشتراک اھ ۔ (التحریر ص۹۵ طبع مصر) کے قائل ہوئے۔

ملاحظہ کیجیے کہ علم عربیت کے پہاڑ اور ماہر امام بھی موصولات وغیرہ کے بارے میں حتمی طور پر یہ کہنے سے قاصر ہیں کہ وہ قطعاً عموم کے لیے موضوع ہیں۔ کوئی تو عموم کے لیے ان کی وضع کو مجازی کہتے ہیں اور کوئی اشتراک اور توقف کے قائل ہیں پھر بھلا مؤلف خیر الکلام کے اس دعویٰ کو کون سنتا اور مانتا ہے کہ مَنْ عموم کے لیے موضوع ہے جب عموم کے لیے وضع ہی نہیں اور کم از کم ائمہ عربیت کا اس میں شدید اور قوی اختلاف ہے تو حرف مَنْ کی عموم میں قطعیت کا دعویٰ باطل ہے اور جب قطعی طور پر اس کا معنی عموم ہے ہی نہیں تو قرینہ اور غیر قرینہ کا کیا سوال؟ جس کے پیچھے مؤلف خیر الکلام پڑے ہوئے ہیں اور خصوص کے لیے قرینہ کے طالب ہیں۔

۷۔ جب مؤلف خیر الکلام کو اس کا اقرار ہے کہ حرف مَنْ میں لبا اوقات تخصیص بھی مراد ہو سکتی ہے تو انہیں کے اس اقرار کے موافق یہاں حرف مَنْ سے خاص مراد ہے یعنی امام اور منفرد تاکہ دیگر صحیح اور صریح دلائل سے تعارض بھی نہ ہو اور فصاعداً کی زیادت بھی برمحل ثابت رہے۔

۸۔ مؤلف خیر الکلام کا رویہ بھی رافضیوں سے کسی طرح کم نہیں کہ وہ دیگر تمام نصوص سے اغماض کر کے محض سینہ زوری سے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ میں لفظ کل کے عموم پر اصرار کر کے اپنے ائمہ کے لیے مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم غیب ثابت کرنے پر کمربستہ ہیں (ملاحظہ ہو اصول کافی جلد ۱ ص۶۱) باقی حدیث لانبی بعدی نکرہ نفی کے نیچے داخل ہے جس کا حکم واضح ہے۔

۹۔ قاضی شوکانیؒ کا یہ دعویٰ کہ جمہور کے نزدیک موصولات وغیرہ عموم کے لیے وضع ہیں مسموع نہیں کیونکہ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ عموم کے لیے موضوع ہی نہیں اور ائمہ فن کا اس میں خاصا اختلاف ہے علاوہ ازیں تلویح ص۱۶۷ میں اس کی تصریح ہے کہ حرف مَنْ کی چار قسمیں ہیں شرطیہ، استفہامیہ، موصولہ اور موصوفہ پہلی دونوں قسموں میں وہ عموم کے لیے اور دوسری دونوں قسموں میں (یعنی موصولہ اور موصوفہ ہونے کی صورت میں) عموم اور خصوص دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور حدیث زیر بحث میں حرف مَنْ نہ شرطیہ ہے اور نہ استفہامیہ جیسا کہ مخفی نہیں ہے لہٰذا اگر حرف مَنْ اپنی پہلی دو قسموں کے اعتبار سے عام بھی ہو تو جمہور کا یہ ارشاد بجا ہے لیکن

حدیث مذکور میں مَنْ یا موصول ہے یا موصوف اور اس میں عموم وخصوص دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور یہاں صحیح اور ٹھوس دلیل کے پیش نظر خصوص مراد ہے اور اس عبارت سے بھی واضح ہو گیا کہ مطلق حرف مَنْ عموم کے لیے وضع نہیں اس کی بعض اقسام عموم کے لیے ہیں اور بعض خصوص کے لیے اس لحاظ سے بھی وہ علی الاطلاق عموم میں نص اور محکم نہ رہا اور یہی ہم کہتے ہیں۔

١٠۔ نور الانوار کے حوالہ میں جو عموم آیا ہے تو بلاشبہ وہ درست ہے ایک تو اس لیے کہ اس میں حرفِ مَنْ شرطیہ ہے اور ابھی گذر چکا ہے کہ وہ استعمال میں عام ہوتا ہے اور دوسرے یہاں مشیئت کے فعل کی اسناد مِنْ عَبِیْدِی میں جمع کی طرف کی گئی ہے اور وہ عام ہے اور مِنْ بیانیہ ہے بخلاف حدیث مذکور کے کہ اس میں تَقْرَأُ فعل کی اسناد حرفِ مَنْ کی طرف ہے جو موصول یا موصوف ہونے کی وجہ سے عموم وخصوص دونوں کے لیے ہوتا ہے اور یہاں خصوص کے لیے آیا ہے جس کی مفصل بحث کتاب میں مذکور ہے غرض کہ نہ تو یہاں حرف مَنْ عام ہے اور نہ اس کی صفت عام ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام کو دھوکہ ہوا ہے اور اگر بالفرض عام بھی ہو تو بھی فصاعداً وغیرہ کے قرینہ سے اس سے خاص منفرد ہی لیا جا سکتا ہے چنانچہ خود مؤلف خیر الکلامؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ پس یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ جو حدیث عام ہے، اس سے مراد بھی خاص مقتدی ہی لیا جائے۔ انتہی بلفظہ (ص۲۰۸) تو یہاں اس عام سے خاص منفرد لینے میں کیا رکاوٹ ہے؟ مؤلف خیر الکلام نے ص۸۳ میں بحوالہ نور الانوار ص۹۷ یہ لکھا ہے کہ اگر نکرہ کی صفت عام ہو تو عام ہو جاتا ہے اھ مگر یہ قاعدہ تمام احناف کے ہاں مسلّم نہیں ہے، اس پر ارباب اصول نے خاصی بحث کی ہے۔ توضیح وتلویح وغیرہ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔ اور علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں کہ۔

والقول بعموم النكرة الموصوفة مما قدح فيه كثير من العلماء الحنفية اھ	نکرہ موصوفہ کے عموم میں بہت سے علماء حنفیہ نے کلام کیا ہے۔

(التلویح ص۹۶)

مؤلف مذکور اور ان کی جماعت پر لازم ہے کہ وہ صرف نور الانوار ہی کو نہ دیکھا کریں کیونکہ وہ تو برائے درس طلبہ بڑی مختصر سی کتاب ہے اس میں تمام تفاصیل موجود نہیں ہوتیں دیگر اصول کی کتابوں کو بھی اگر بن پڑے تو (اگرچہ ہیں تو وہ دقیق اور مشکل ہی) پڑھا کریں تاکہ حقیقت

منکشف ہوجائے۔

جواب دوم: جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حرف مَن عموم میں نص قطعی نہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حدیث کس کے حق میں ہے؟ امام اور منفرد کے بارے میں یا مقتدی کے حق میں؟ سو اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم اسی حدیث کے تمام طرق پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں شاید کہ کوئی سراغ مل جائے چنانچہ یہ بات زبانِ زد خلائق ہے جو ہندہ یا بندہ، جب ہم نے دیکھا تو اسی حدیث میں یہ زیادت بھی مل گئی۔ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً کہ جس شخص نے سورۂ فاتحہ اور اس سے زیادہ کچھ اور نہ پڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی اگر فریق ثانی کے نزدیک مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ اور فصاعداً اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنا جائز ہے تو یہ حکم مقتدی کو بھی شامل ہے، ورنہ یہ حدیث صرف اور صرف اس شخص کے بارے میں ہوگی۔ جس کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ فصاعداً کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے اور وہ صرف امام یا صرف منفرد ہے اس سے مقتدی ہرگز مراد نہیں کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک بھی مقتدی کو سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ بھی پڑھنا جائز نہیں ہے تو اس فصاعداً کی زیادت نے یہ بات متعین کر دی ہے کہ حرف مَن سے مراد امام یا منفرد ہے مقتدی اس سے یقیناً خارج ہے۔ یہ زیادت بطریق امام معمرؒ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۶۹ وابوعوانہ صفحہ ۱۲۴ جز ۲ اور نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے صحیح مسلم اور ابوعوانہ کی سند کے صحیح ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا نسائیؒ کے روایۃ یہ ہیں۔

(۱) سویدؒ بن نصرؒ امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور ان کو متقن لکھتے ہیں مسلمہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۸۰) (۲) عبداللہؒ بن مبارکؒ ان کا ترجمہ جلد اوّل کے مقدمہ میں گذر چکا ہے (۳) امام معمرؒ بن راشدؒ ان کا ترجمہ بھی جلد اوّل باب اوّل میں گذر چکا ہے۔ (۴) امام زہریؒ ان کا ترجمہ بھی جلد اوّل کے مقدمہ میں گذر چکا ہے (۵) حضرت محمودؓ بن الربیع آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی وفات کے وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی ابن حبان ان کو صحابہؓ میں لکھتے ہیں ابوحاتم کا بیان ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو دیکھا ہے لیکن صحبت حاصل نہیں کر سکے، امام عجلیؒ ان کو ثقہ اور من کبار التابعین کہتے ہیں اور یہ حضرت عبادہؓ بن الصامت کے داماد تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۱۱۳) (۶) حضرت عبادہؓ بن الصامت جلیل القدر صحابی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان ان کے نکاح میں تھیں۔ (دیکھئے حاشیہ بخاری جلد ۱ ص۳۹۱ وغیرہ)

اعتراض ۱۔ فصاعداً کی اس زیادت کے سلسلہ میں جو اعتراضات اس ناچیز کی نگاہ سے گذرے ہیں یہ ہیں (۱) فصاعداً کی زیادت نقل کرنے میں امام معمرؒ متفرد ہیں (جزء القرأۃ ص۷ کتاب القرأۃ ص۱ تلخیص الحبیر ص۸۷ تعلیق المغنی جلد ۱ ص۱۲۲ تحقیق الکلام جلد ۲ ص۳۲ وابکار المنن ص۱۲۲ اور مؤلف خیر الکلام نے بھی امام بخاریؒ کے حوالہ سے اس کو شاذ کہا ہے ص۸۷) (۲) اگر یہ زیادت صحیح بھی ہو تب بھی اس سے ما زاد علی الفاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوگا۔ اور اس حدیث میں فصاعداً کی زیادت اس لیے بیان کی گئی ہے تاکہ یہ وہم دور ہو جائے کہ شاید صرف فاتحہ ہی پڑھنی چاہیئے جیسے تقطع الید فی ربع دینار فصاعداً میں ہے (جزء القرأۃ ص۳ فتح الباری جلد ۲ ص۱۹۳ وتحقیق الکلام وابکار المنن وغیرہ) (۳) مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھائی اور ان میں سورۂ فاتحہ ہی پڑھی (فتح الباری جلد ۲ ص۲۰۲۔ کتاب القرأۃ ص۵ ومسند احمد جلد ۱ ص۲۴۳ وغیرہ) اگر ما زاد واجب ہوتا تو آپ کیوں ما زاد اور فصاعداً کو ترک کرتے لہٰذا فصاعداً واجب نہ ہوا (تحقیق الکلام جلد ۱ ص۸۲) (۴) موصوفؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سورۂ فاتحہ سب نمازوں میں کافی ہے اگر زیادہ ہو جائے تو بہتر ہے (کتاب القرأۃ ص۸) معلوم ہوا کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب نہیں ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص۱۰۱) (۵) موصوفؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب نہیں ہے (فتح الباری جلد ۲ ص۲۰۲) اور یہ نقل اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب نہیں ہے (تحقیق الکلام ج۱ ص۲۱) (۶) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ام القرآن عوض من غیرھا ولیس غیرھا عوض منھا (کتاب القرأۃ ص۹ ومستدرک جلد ۱ ص۲۳۸) کہ سورۂ فاتحہ باقی تمام سورتوں کا عوض ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی اور سورت اس کا عوض نہیں

ہوسکتی لہٰذا سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی کافی ہے اور فصاعدًا کی حاجت نہ ہوگی کیونکہ ع
کل الصید فی جوف الفراء یہ ہیں وہ اعتراضات جو فصاعدًا کی زیادت کو رد کرنے یا غیر ضروری ٹھہرانے کے لیے کیے گئے ہیں۔

جواب:۔ ان جملہ اکابر اور حضرات نے فصاعدًا کی زیادت کے سلسلے میں جو اعتراض کیے ہیں ٹھوس دلائل اور واضح براہین کی بنا پر وہ باطل اور بے بنیاد ہیں علی الترتیب شق وار سب کے جوابات سن لیجیے۔

۱۔ ان اکابر کا یہ دعویٰ کہ فصاعدًا کی زیادت بیان کرنے میں معمرؒ متفرد ہیں خود ان کے قواعد اور مسلّمات کے خلاف ہے۔ اولًا اس لیے کہ معمرؒ بالاتفاق ثقہ، ثبت اور حجت ہیں اور ثقہ کی زیادت بالاتفاق قابلِ قبول ہوتی ہے جس کی پوری تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ پھر یہ خلاف اصول دعوےٰ کون سنتا ہے کہ معمرؒ کا تفرد مضر ہے۔ وثانیًا امام زہری کے تمام تلامذہ میں معمرؒ زیادہ قابل اعتماد اور (اثبت الناس فی الزھری) ہیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس لیے قاعدہ اور ضابطہ کے پیش نظر معمرؒ کی یہ زیادت صحیح اور معتبر ہے اور جن راویوں نے یہ زیادت نقل نہیں کی اصل قصور ان کا ہے۔ وثالثًا فصاعدًا کی زیادت دیگر ثقہ راویوں سے بھی مروی ہے چنانچہ یہی فصاعدًا کی زیادت سفیانؒ بن عیینہؒ سے بسند[1] صحیح مروی ہے (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹) علاوہ ازیں فصاعدًا کی زیادت امام اوزاعیؒ اور شعیبؒ بن ابی حمزہؒ سے بھی مروی ہے (کتاب القرأۃ ص ۱۱) امام اوزاعیؒ کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے اور شعیبؒ بخاری و مسلم کے مرکزی راوی ہیں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور عابد تھے (تقریب ص ۱۴۹) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں احمدؒ بن ہارون مستملی ہے۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے (ص ۹۸)

---

[1] سند کے راوی یہ ہیں قتیبہؒ بن سعیدؒ و ابن السرحؒ، سفیانؒ بن عیینہؒ، امام زہریؒ، محمودؒ بن ربیع، حضرت عبادہؓ، ان تمام کی توثیق اپنے اپنے موقع پر نقل کی جا چکی ہے اور ان میں ہر ایک ثقہ اور ثبت ہے مؤلف خیر الکلام نے یہ بیکار بہانہ کیا ہے کہ امام ابوداؤدؒ قتیبہؒ اور ابن سرحؒ کے طریق سے یہ زیادت نقل کرتے ہیں مگر دوسری کتابوں میں قتیبہؒ کی یہ زیادت نہیں لہٰذا ابن سرحؒ متفرد ہیں (محصلہ ص ۸۸) مگر یہ کوئی جواب نہیں کیونکہ دوسری کتابوں میں نہیں تو نہ سہی ابوداؤد میں تو بسند صحیح دونوں سے مروی ہے

الجواب :۔ خود مؤلف مذکور کے قلم سے وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ان کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے بلفظہ (خیر الکلام ص۲۱۶) اور یہی فصاعداً کی زیادت عبد الرحمٰنؒ بن اسحاق مدنیؒ سے بھی مروی ہے (کتاب القرأۃ ص۱۱ و فصل الخطاب ص۴۲) اور جلد اول باب دوم حدیث ۱۰ میں ان کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے اور ان کے علاوہ یہی فصاعداً کی زیادت صالحؒ بن کیسانؒ سے بھی منقول ہے (عمدۃ القاری جلد ۳ ص۶۹) اور صالحؒ بن کیسانؒ ثبت اور فقیہ تھے (تقریب ص۱۴۹) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ علامہ عینیؒ نے حوالہ نہیں دیا (محصلہ ص۵۵) الجواب :۔ اگر اس میں کچھ کمزوری بھی ہو تب بھی متابعت میں پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور خود مؤلف مذکور اس کے قائل ہیں کما مرّ۔

آپ نے دیکھ لیا کہ فصاعداً کی زیادت کو امام معمرؒ، امام سفیانؒ بن عیینہؒ، امام اوزاعیؒ، امام شعیبؒ بن ابی حمزہؒ، امام عبد الرحمٰنؒ بن اسحاق مدنیؒ اور امام صالحؒ بن کیسانؒ جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث اور ثقات و حفاظ نقل کرتے ہیں مگر فریق ثانی کا یہ پادر ہوا دعویٰ ہے کہ اس زیادت کے نقل کرنے میں معمرؒ متفرد ہیں اور دوسرے ثقات ان کی مخالفت کرتے ہیں فوا اسفا۔ فصاعداً کے بجائے حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مرفوع روایت میں ماتیسّر کی زیادت بھی مروی ہے (ابو داؤد جلد ۱ ص۱۱۸ مسند احمد جلد ۳ ص۴۵ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص۶۰ اور معرفت علوم الحدیث ص۹۷ وغیرہ) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند قوی ہے (فتح الباری جلد ۲ ص۲۰۲) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اسنادہ صحیح (تلخیص الحبیر ص۸۷) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ماتیسّر کی زیادت بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے (شرح المہذب جلد ۳ ص۳۲۹) قاضی شوکانیؒ، امام ابن سید الناسؒ سے (جو الشیخ العلامۃ المحدث الحافظ الادیب اور البارع تھے۔ تذکرہ جلد ۴ ص۲۸۵) نقل کرتے ہیں کہ اسنادہ صحیح ورجالہ ثقات۔ (نیل الاوطار جلد ۲ ص۲۰۱) اس کی سند صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ نواب صاحبؒ بھی اس زیادت کی تصحیح نقل کرتے ہیں (فتح البیان جلد ۳ ص۴۲۲) مولانا شمس الحق صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ، امام ابن حبانؒ اور علامہ ابن سید الناسؒ وغیرہ اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ (عون المعبود جلد ۱ ص۳۰۰) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے حکم دیا کہ جاکر لوگوں میں یہ اعلان کرو کہ ان لا صلوٰۃ الا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب وما تیسّر
(موارد الظمان ص۱۲۶)

حضرات! فنِ روایت میں اس سے بڑھ کر کسی روایت کی صحت ناممکن ہے فصاعداً اور ما تیسّر کے علاوہ ومازاد کی زیادت بھی مروی ہے (جزء القرأۃ ص۱۳، کتاب القرأۃ ص۱۲، مستدرک جلد ۱ ص۲۳۹ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص۳۷ وغیرہ) رہا مبارکپوری صاحبؒ کا یہ اعتراض کہ اس میں جعفرؒ بن میمونؒ ضعیف ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص۳۳ جلد ۱ ص۳۳ و ابکار المنن ص۱۲۲) تو یہ کوئی وقعت نہیں رکھتا امام حاکمؒ ان کو بصرہ کے ثقات میں لکھتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور جعفرؒ ثقہ ہیں (مستدرک مع التلخیص جلد ۱ ص۲۳۹) ابن معینؒ ان کو ثقہ اور صالح الحدیث کہتے ہیں۔ دارقطنیؒ ان کو معتبر کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ ان کی کوئی روایت منکر نہیں ہے ابن حبانؒ اور ابن شاہینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (میزان جلد ۱ ص۱۹۲ و تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۱۰۹) فصاعداً، ما تیسّر اور ما زاد کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ ایسے ہیں جو ما زاد علی الفاتحۃ کی اصلیت پر وضاحت سے دلالت کرتے ہیں اندریں حالات اس زیادت کا انکار کرنا تعصب کے علاوہ سراسر اصول شکنی اور مسلّمات کی خلاف ورزی ہے جو قطعاً قابلِ قبول نہیں۔

لہ ایک روایت میں وسورۃ معہا کی زیادت ہے (ترمذی جلد ۱ ص۳۳ و ابن ماجہ ص۶۱) اور ایک روایت میں وآیتین وثلاث کی زیادت ہے (جزء القرأۃ ص۱۳) ایک روایت میں والسورۃ کی زیادت ہے (زیلعی جلد ۱ ص۳۶۵) ایک روایت میں وثلاث آیات فصاعداً کی زیادت ہے (نصب الرایہ جلد ۱ ص۳۶۵) ایک روایت میں وآیتین من القرآن کی زیادت ہے (مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۵) ایک روایت میں ثم اقرأ بما شئت کی زیادت ہے (مسند احمد جلد ۴ ص۳۴۰) ایک روایت میں وبما شاء اللہ ان تقرأ کی زیادت ہے (ابو داؤد جلد ۱ ص۱۲۲) ایک روایت میں وشیء معہا کی زیادت ہے۔ (کتاب القرأۃ ص۱۳) ایک روایت میں ثم قرأت بما معک من القرآن کی زیادت ہے (کتاب القرأۃ ص۱۳) اور ایک روایت میں معہا غیرہا کی زیادت ہے (ایضاً) اور ایک روایت میں بفاتحۃ الکتاب وشیء فہی خداج کے الفاظ ہیں (ایضاً ص۱۳) اور ایک روایت میں الا بفاتحۃ الکتاب فما فوق ذلک کے الفاظ ہیں (ایضاً ص۱۵) اور اسی قسم کے الفاظ کتب حدیث میں اور بھی موجود ہیں مگر نمونہ کے لیے ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ فریق ثانی کا یہ کہنا کہ ماذاد علی الفاتحۃ کا وجوب اور اس کی رکنیت مسلّم نہیں ہے یہ بھی
محض اپنے دل کو عارضی تسکین پہنچانے کا سامان ہے اور ان کا ماذاد علی الفاتحۃ کے وجوب سے
انکار کرنا باطل ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے لاصلوٰۃ کے
عمومی الفاظ کے تحت سورۂ فاتحہ اور فصاعدًا (وماتیسّر اور ماذاد) کا حکم دیا ہے تو جیسے سورۂ فاتحہ
واجب ہے اسی طرح فصاعدًا اور ماذاد علی الفاتحۃ بھی واجب ہے اور بلا کسی صحیح منقول یا معقول
دلیل کے فصاعدًا کے وجوب کا انکار کون تسلیم کرتا ہے؟ وثانیاً حضرت ابوسعید الخدریؓ کے
حوالہ سے مرفوع اور صحیح حدیث (جس کی تصحیح پر امام نوویؒ ابن سیدالناسؒ حافظ ابن حجرؒ قاضی شوکانیؒ اور
نواب صاحبؒ وغیرہ سب متفق ہیں) پہلے نقل کی جا چکی ہے اس کے پورے الفاظ یوں ہیں امرنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وماتیسر آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم سورۃ فاتحہ اور اس کے علاوہ کچھ اور بھی جو آسانی سے پڑھا جا
سکے پڑھا کریں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی طرح
آپ نے ماتیسّر کی قرأت کا بھی حکم دیا ہے اگر آپ کے حکم اور امر سے بھی وجوب ثابت نہیں ہوتا تو
کس کے حکم سے ثابت ہوگا؟ وثالثاً مشہور مسیٔ الصلوٰۃ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں جو آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمائے ثم اقرأ بام القرآن ثم اقرأ بما شئت
(مسند احمد وابن حبان، سبل السلام جلد ۱ ص۲۷) پھر تم سورۃ فاتحہ پڑھو اور پھر اس کے
بعد تم قرآن کا جو حصہ چاہو پڑھو اور ابوداؤد (جلد ۱ ص۱۲۵) میں بسند صحیح یہ روایت ان الفاظ سے
مروی ہے ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء اللہ ان تقرأ پھر تم سورۃ فاتحہ اور اس کے
ساتھ کچھ اور بھی جو اللہ کو منظور ہو پڑھو۔ ان روایتوں میں آپ نے ماذاد علی الفاتحۃ کی قرأت
کا امر کے صیغہ (اقرأ) سے حکم دیا ہے اور اس کی پوری تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ امر وجوب کے
لیے ہوتا اور حافظ ابن حجرؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہے۔
(فتح الباری جلد ۲ ص۲۲۲) جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صحیح اور صریح
امر اور حکم کو اپنی مرضی اور خواہش سے رد کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ ان دلائل سے معلوم ہوا
کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ ماذاد علی الفاتحۃ کی قرأت یا بالفاظ دیگر ضم السورۃ مع الفاتحۃ

بھی واجب ہے رہا اس حدیث میں فصاعداً کی زیادت کو تقطع الید فی ربع الدنیا رفصاعداً
ذکر چور کا ہاتھ ربع دینار اور اس سے زیادہ میں قطع کرنا چاہیئے) پر قیاس کرنا تو قیاس مع الفارق اور باطل
ہے۔ اولاً اس لیے کہ محض عبادت کو محض عقوبت پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ اور اس کے
بعد کسی بھی سورۃ کا پڑھنا بالاتفاق عبادت اور کار ثواب ہے، اور ربع دینار یا اس سے زیادہ میں قطع ید
کی سزا نکال اور عقوبت ہے، اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پھر ایک کو دوسرے پر قیاس
کرنا چہ معنی دارد؟ مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ یہ قیاس نہیں بلکہ ایک مثال ہے کہ فصاعداً والی
ترکیب کا مفہوم واضح کرنا ہے الخ (ص۱۴۳) کیا اس مثال کے لیے کتب حدیث کے ذخیرہ میں قطع
سرقہ والی حدیث ہی مثال کے لیے دستیاب ہوئی ہے اور کوئی چیز موجود نہیں؟ اور جو لوگ
عبادت کو عقوبت پر قیاس بھی کرتے ہیں وہ کب تمام دنیا کو چیلنج کرتے ہیں؟ اور کب دوسرے
فریق کے عمل کو باطل بیکار اور کالعدم قرار دیتے ہیں؟ وثانیاً چوری کے سلسلہ میں تو صرف فصاعداً
کا لفظ مذکور ہے اور یہاں فصاعداً۔ ماتیسر اور ما زاد وغیرہ دیگر بے شمار الفاظ وارد ہیں
جیسا کہ آپ بعض کا مطالعہ کر چکے ہیں اس میں نرا فصاعداً ہی نہیں تاکہ آسانی کے ساتھ اس کو
اس پر قیاس کر لیا جائے۔ مؤلف خیر الکلام اس سے یوں گلو خلاصی کرتے ہیں کہ ہماری بحث عبادۃؓ کی
حدیث میں ہے دوسری احادیث زیر بحث نہیں (ص۱۴۳) الجواب :۔ آخر کیوں نہیں؟ کیا وہ اس
باب کی حدیثیں نہیں ہیں؟ بات واضح ہے کہ چونکہ وہ صحیح بھی ہیں اور ان میں حرف واو کے ساتھ
(جو مغایرت کے لیے ہوتا ہے) وماتیسر وغیرہ آیا ہے جن کو مؤلف مذکور کا معدہ ہضم نہیں کر
سکتا اس لیے وہ زیر بحث نہیں وثالثاً اگر اس قیاس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ ہمیں
مضر نہیں ہے کیونکہ جیسے ربع دینار ادنیٰ نصاب ہے جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور فصاعداً
میں بطریق اولیٰ کاٹا جائے گا، اسی طرح سورۃ فاتحہ اقل درجہ کا واجب ہے اور ما زاد علی الفاتحۃ
کامل اور مکمل واجب ہوگا۔ ورابعاً جب اصل مقیس علیہ ربع دینار ہی حنفیہ وغیرہ کے نزدیک مختلف
فیہ ہے تو اس پر قیاس کرنے کا کیا مطلب؟ وخامساً یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ نص کی موجودگی
میں قیاس باطل ہے۔ اور جمہور کی طرف سے مقتدی پر فاتحہ کے نہ ہونے کی صحیح اور صریح حدیثیں پیش
کی جا چکی ہیں جو اس مسئلہ میں نص ہیں۔ مؤلف خیر الکلام نے لفظ فصاعداً پر ضرورت سے زیادہ

لاطائل بحث کی ہے جس میں کام کی بات ایک بھی نہیں اس لیے ہم قارئین کرام کے ذہن کو پریشان نہیں کرتے

۲۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے طریق سے جو روایت پیش کی گئی ہے وہ نہایت ہی کمزور اور ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں حنظلہ سدوسیؒ نامی راوی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ القطانؒ نے فرمایا کہ میں نے عمداً اس کو ترک کر دیا تھا اور بعد کو وہ مختلط بھی ہو گیا تھا (ضعفاء صغیر ص) امام نسائیؒ لکھتے تھے کہ وہ ضعیف تھے (ضعفاء صغیر امام نسائی ص۱۲) امام احمدؒ اس کو منکر الحدیث اور ابن معینؒ اس کو لیس بشئی کہتے ہیں (میزان الاعتدال جلد ا ص۲۹۲ والجوہر النقی جلد ۲ ص۹۱) محدث میمونیؒ، امام ابو عبداللہؒ سے اس کی تضعیف نقل کرتے ہیں۔ ابو حاتمؒ اس کو لیس بالقوی کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ اس کو ضعفاء میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایسے مختلط ہو چکے تھے کہ ان کی اگلی اور پچھلی سب روایتیں خلط ملط ہو چکی تھیں کہ ان میں تمیز نہیں ہو سکتی (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص۶۲) یہ ہے وہ روایت جس سے مبارکپوری صاحب فصاعداً، ماتیسّر اور مازاد وغیرہ کی صحیح زیادت کو رد کرتے ہیں تعجب اور حیرت ہے، اس انصاف پر حضرت ابوہریرہؓ سے بھی ایک روایت مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا یارسول اللہ ارأیت ان لم یکن معی الا ام القرآن قال ھی حسبک ھی السبع المثانی (کتاب القراءۃ ص) یارسول اللہ یہ فرمایئے کہ اگر مجھے سورۃ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورت یاد نہ ہو تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا یہی تجھے کافی ہے کیونکہ یہ سبع مثانی ہے لیکن اس کی سند میں ابراہیمؒ بن فضل مدنیؒ ہے امام احمدؒ اور ترمذیؒ اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں ابن معینؒ کہتے ہیں لیس حدیثہ بشئی امام بخاریؒ اس کو منکر الحدیث اور ابو حاتمؒ ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہتے ہیں ابو زرعہ اس کو ضعیف کہتے ہیں نسائیؒ اس کو لیس بثقۃ اور منکر الحدیث کہتے ہیں ابو احمد حاکمؒ کہتے ہیں کہ وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے، دارقطنیؒ اور ازدیؒ اس کو متروک کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ا ص۱۵۰/۱۵۱) الغرض ما زاد علی الفاتحۃ کی نفی پر صریح، صحیح اور مرفوع روایت موجود نہیں ہے بخلاف اس کے ما زاد، ماتیسّر اور فصاعداً کی روایتیں بالاتفاق صحیح صریح اور مرفوع ہیں پھر ان کا انکار محض تعصب ہے۔

۴۔ مبارکپوری صاحبؒ نے کفایت سورۂ فاتحہ پر حضرت ابوہریرہؓ کی جو روایت پیش کی ہے۔ وہ ان کے لیے ہرگز مفید مطلب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف ہے اور کسی مرفوع اور صحیح روایت میں اس قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں (دیکھئے فتح الملہم جلد ۲ ص ۳۱ وغیرہ) اور موقوفات صحابہؓ کے بارے میں فریق ثانی کا مسلک نقل کیا جا چکا ہے کہ در موقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت سند و ثانیاً یہ تو ان موقوفات کا حکم ہے جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشاد کے مخالف نہ ہوں اور یہاں تو یہ قول فصاعداً، ماتیسّر اور ما زاد کے مخالف ہے پھر یہ کیسے حجت ہوگا؟ بجائے اس کے کہ خود اس موقوف اثر کا کوئی مناسب اور صحیح محمل بیان کیا جائے اس کو مرفوع حدیث کے مقابلہ میں پیش کرنا عجیب تر بات ہے۔

۵۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام قرطبیؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت بالاجماع نہیں ہے لیکن حافظ موصوفؒ ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فیہ نظر لثبوتہ عن بعض الصحابۃ ومن بعدھم (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۴۳) اجماع کا دعویٰ محل غور ہے کیونکہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ اور بعد کے سلفؒ سے ما زاد کا وجوب بھی ثابت ہے اور حافظ ابن القیمؒ بفاتحۃ الکتاب میں حرف با کے تعدیہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وھذا لا یعطی الاقتصار علیھا بل یشعر بقراءۃ غیرھا معھا (بدائع الفوائد جلد ۴ ص ۴۶) اس سے صرف سورۂ فاتحہ پر اقتصار ہی ثابت نہیں بلکہ غیر فاتحہ کی قرأت پر بھی یہ دال ہے۔ اور قاضی شوکانیؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وھذہ الاحادیث لا تقصر عن الدلالۃ علی وجوب قرآن مع الفاتحۃ الی ان قال وقد ذھب الی ایجاب قرآن مع الفاتحۃ عمرؓ وابنہؓ عبد اللہؓ وعثمانؓ بن ابی العاص والھادی والقاسم والمؤید باللہ الی ان قال والظاھر ما ذھبوا الیہ من ایجاب شیءٍ من القرآن

اور یہ حدیثیں (جن میں فصاعداً۔ ماتیسّر اور ما زاد کی زیادت موجود ہے) اس حکم پر دلالت کرنے سے قاصر نہیں ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ قرآن کا کوئی اور حصہ بھی واجب ہے چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عثمانؓ بن ابی العاص، ہادی، قاسم اور مؤید باللہ کا بھی مسلک ہے اور ان احادیث کے پیش نظر بظاہر ان کا

(نیل الاوطار جلد ۲ ص۲۳۱) یہ مسلک صحیح ہے کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کا کوئی اور حصہ بھی واجب ہونا چاہیئے۔

حضرت مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ

ولهذا اوجب الحنفية قرأة الفاتحة وضم السورة اليها قال فى البحر وهما واجبتان للمواظبة۔ (فتح الملهم جلد ۲ ص۲۰)

ان احادیث کو مدنظر رکھ کر فقہاء احنافؒ نے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی اور سورت (خواہ چھوٹی سورت ہی ہو) کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ صاحب البحر الرائق کہتے ہیں کہ چونکہ آپ نے ان پر مواظبت کی ہے۔ لہذا سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ کوئی اور سورۃ دونوں واجب ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے (فتح الملہم جلد ۲ ص۱۹) اور ابن کنانہ مالکیؒ کا بھی یہی مسلک ہے (حاشیہ نسائی جلد ۱ ص۱۰۵) اور امیر یمانیؒ حدیث مسئ الصلوٰۃ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ فتجب الفاتحة فى كل ركعة وتجب قرأة ماشاء معها فى كل ركعة اھ (سبل السلام جلد ۱ ص۲۴۸) کہ ہر رکعت میں اس کے ساتھ جتنی قرأت نمازی چاہے وہ بھی واجب ہے، اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

ووجوب السورة قول عند المالكية والحنابلة (فصل الخطاب ص۷۱) یعنی سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت کا ملانا اور اس کو واجب قرار دینا مالکیوں اور حنبلیوں کا بھی ایک قول ہے، بلکہ حضرت امام شافعیؒ کی ایک عبارت سے بھی مازاد على الفاتحة کا وجوب ہی مترشح ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

وهو قد يحتمل ان يكون الفرض على من احسن القرأة قرأة ام القران وآية واكثر۔ (كتاب الام جلد ۱ ص۸۹)

اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی اچھی طرح قرأت کر سکتا ہو اس پر سورۂ فاتحہ اور ایک آیت اور اس سے زیادہ کی قرأت بھی فرض ہو۔

اگر اتنی خدا کی دنیا کے مکر جانے کے بعد بھی اجماع باقی رہتا ہے تو وہ کوئی عجیب سخت جان اجماع ہوگا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وضوء اور غسل میں پانی استعمال کرنے کی کوئی حد اور

مقدار متعین نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے (شرح مسلم جلد ۱ ص۱۷۰) مبارکپوری صاحبؒ ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فی دعوی الاجماع کلام کہ اجماع کے دعوی کرنے میں کلام ہے کیونکہ ابن شعبان مالکیؒ اور محمدؒ بن الحسنؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص۲۱۸) امام ابن حزمؒ ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں اجماع کا دعوی صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عطاءؒ، عمرؒ بن عبدالعزیزؒ، حسنؒ، زہریؒ، ابوسلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ اور سلیمانؒ بن یسارؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں وَاَنّٰی لکل اجماع یخرج عنہ ھؤلاء (محلی جلد ۷ ص۳۷۸) اور حیف ہے اُس اجماع پر جس سے یہ بزرگ خارج ہوں۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ فریق ثانی فصاعدا، ماتیسر اور ما زاد کی صحیح زیارت سے کیسے پہلوتہی کرتا ہے اور عدم وجوب ما زاد علی الفاتحۃ پر کیسی روایات سے استدلال کرتا ہے اور اجماع کے خوش کن الفاظ کے ہوائی قلعہ میں کیسے بچاؤ کا انتظام کرتا ہے مگر یہ سب کچھ کرتے ہوئے وہ اہلحدیث اور اُن کے مخالف تمام صرف اہل الرائے ہیں۔ افسوس اور صد افسوس ہے ایسے تعصب پر۔ مولف خیر الکلام نے اس سے یہ مخلص تلاش کیا ہے کہ ان روایات میں مقدار کا ذکر نہیں اور واجب میں تعیین لازمی ہوتی ہے (محصلہ ص۱۶۲) الجواب: ہر واجب میں تعیین غیر مسلّم ہے اصول فقہ کی کتابوں (مثلاً التحریر ص۲۵۱ اور مسلم الثبوت ص۲۹ وغیرہ) میں اس کی تصریح موجود ہے کہ واجب میں کبھی تخییر بھی ہوتی ہے جس کو واجب مخیّر کہتے ہیں جیسے قسم کے کفارہ میں متعدد اشیاء میں سے جو چاہے کرے اور جنایات حج میں بعض صورتوں میں دم (یعنی قربانی) لازم ہے ادنیٰ بکری وغیرہ ہے اور اعلیٰ کی کوئی مقدار متعین نہیں اونٹ ہو یا گائے وغیرہ اور یہاں عند البعض ادنیٰ تین آیتیں اور عند البعض ایک آیت طویلہ ہے زیادہ کی کوئی حد نہیں علاوہ ازیں ابھی امیر یمانیؒ وغیرہ کے حوالہ سے عرض کیا گیا ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ کی قرأۃ کے سوا اور قرأۃ کو بھی واجب کہتے ہیں جو نمازی کی مرضی پر ہے ماشاء معہا اھ۔

۱۶ام القرآن عوض عن غیرہا الخ کی روایت سے ما زاد علی الفاتحہ کی نفی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اوّلاً اسلئے کہ اس کی سند میں محمد بن خلاد ہے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں لا یدری من ھو (میزان جلد ۳ ص۵۳) معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسا تھا۔ ابوسعیدؒ بن یونسؒ ان کو صاحب مناکیر بتلاتے ہیں (ایضاً) امام دارقطنیؒ کا بیان ہے کہ ام القرآن عوض عن غیرہا الخ کے الفاظ بیان کرنے میں محمد بن خلاد متفرد ہے صحیح الفاظ

وہی ہیں جو امام زہریؒ وغیرہ سے بیان کیے ہیں لا تجزئ صلاۃ لا یقرأ فیھا بام القرآن۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ صـ۱۲۲) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ محدث عجلیؒ اور ابن حبانؒ نے ان کی توثیق کی ہے لیکن معنا ام القرآن الخ میں محمد بن خلاد نے غلطی کی ہے اور نقل بالمعنی کا ارتکاب کیا ہے صحیح الفاظ وہی ہیں جو لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب سے مروی ہیں کیونکہ جمہور محدثینؒ جن میں حضرت امام احمدؒ ابن ابی شیبہؒ اسحاقؒ بن راہویہؒ ابن ابی عمرؒ، عمرو الناقدؒ معمرؒ، صالحؒ بن کیسانؒ اوزاعیؒ اور یونسؒ بن یزیدؒ خاص طور پہ قابل ذکر ہیں اس حدیث کو لا صلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب کے الفاظ ہی سے نقل کرتے ہیں (لسان المیزان جلد ۵ صـ۱۵۶) وثانیاً اگر یہ روایت انہیں الفاظ کے ساتھ صحیح بھی ہو تب بھی مازاد علی الفاتحۃ کی نفی پر اس سے استدلال صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس میں نہ خلف الامام کی قید ہے اور نہ مقتدی کی تصریح ہے لہٰذا یہ امام اور منفرد کے حق میں ہوگی اور اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے سورۃ فاتحہ کی جگہ کوئی اور سورت قائم نہیں ہو سکتی جیسا کہ محققین احنافؒ کا مسلک ہے اور اس کے وجوب پر تو تمام کا اتفاق ہے اور مطلب واضح ہے کہ سورۃ فاتحہ باقی تمام سورتوں کی عوض ہے مگر اس کی جگہ کوئی اور سورت قائم نہیں ہو سکتی اس کو نفی مازاد سے کیا تعلق ہے؟ اسی طرح ایک روایت ان الفاظ سے مروی ہے لا تجزئ صلوٰۃ لا یقرأ الرجل فیھا فاتحۃ الکتاب (کتاب القرأۃ صـ۹) لیکن حافظ ابن حجرؒ اور صاحب تعلیق المغنی (جلد ۲ صـ۱۲۲ میں) اس کی تصریح کرتے ہیں رواہ جماعۃ بلفظ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ وھو الصحیح وکان زیاد رواہ بالمعنی۔ (فتح الباری) کہ محدثینؒ کی جماعت اس روایت کو لا صلوٰۃ لمن یقرأ کے الفاظ سے روایت کرتی ہے یہ زیادؒ بن ایوبؒ کی غلطی ہے کہ انہوں نے روایت بالمعنی کا ارتکاب کر کے اس کا مطلب بدل دیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اشہبؒ اور زیادؒ بن ایوبؒ کی روایت منقولۃ بالمعنی (لسان جلد ۵ صـ۱۵۶) منقول بالمعنی ہے۔ پہلے تو مثال کے طور پر ہم یہ سنا کرتے تھے کہ بعض لوگ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کے قائل ہوتے ہیں اور آگے نہیں پڑھا کرتے مگر اب تو اپنے ماتھے پر لگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ایسا فرقہ بھی دیکھ لیا ہے جو کبھی تو واذا قرأ فانصتوا کی صحیح زیادت کو کھا جاتا ہے۔ اور کبھی فصاعداً۔ ماتیسر اور مازاد کی صحیح زیادت کو ہضم کر جاتا ہے اور کبھی الا وراء الامام

کی استثنار کو ہڑپ کر جاتا ہے اور اس زیادت کو اُڑا کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو یہ چیلنج کرتا ہے کہ تمہاری نماز باطل ہے بیکار ہے اور کالعدم ہے۔ تعجب اور حیرت ہے اس دیانت پر سو فیصدی محدثین کا اتفاق پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ زیادت جو ثقہ راوی سے منقول ہو وہ واجب القبول ہوتی ہے اور حافظ ابن حجرؒ بھی الاخذ بالزاید فالزاید کا ضابطہ بیان کرتے ہیں (فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۲) اور اس زیادت کو بیان کرنے والے بالاتفاق ثقہ، ثبت اور حجت بلکہ اثبت الناس فی فلاں کا مصداق ہیں مگر باوجود اس کے فریق ثانی تمام طے شدہ اصول وضوابط کو پامال کرتا ہوا صرف اپنی ضد پر قائم ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

جواب سوم: جب یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حرف مَن عموم میں نص قطعی نہیں ہے اور یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اسی روایت میں صحیح اسانید کے ساتھ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے فصاعدًا ماتیسّر اور مازاد کی زیادت بھی مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن کریم کے کسی اور حصہ کی قرأت نہ کی تو اس کی نماز نہ ہوگی اور گو مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کی قرأت کا پڑھنا اور نہ پڑھنا محل نزاع ہے لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مازاد علی الفاتحۃ کی قرأت مقتدی کے لیے جائز نہیں اس لیے اس حدیث کا صحیح اور حقیقی مصداق صرف امام یا منفرد ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کے کسی اور حصہ کا پڑھنا صرف امام اور منفرد کے لیے ہی ضروری ہے مقتدی پر اس روایت کے مشتمل نہ ہونے کے لیے فصاعدًا ماتیسّر اور مازاد کی زیادت نہ صرف کافی ہے بلکہ نص صریح ہے اور اس حدیث کا امام پر مشتمل ہونا اتفاقی امر ہے البتہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ اور دیگر ائمہ حدیثؒ کے بیان سے یہ بات صاف آشکارا ہوتی ہے کہ اس حدیث کا اصلی مصداق صرف منفرد اور اکیلا ہے اور ضمنی طور پر امام بھی اس میں داخل ہے لوجود العلۃ۔ ہاں مگر مقتدی اس سے بہر حال خارج ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ حدیث لاصلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدًا منفرد کے حق میں وارد ہوئی ہے (مؤطا امام مالکؒ صفحہ ۲۸ وترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۲ وقال ھذا حدیث حسن صحیح) اور حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہے (مؤطا امام مالکؒ صفحہ ۲۹) امام احمدؒ بن حنبلؒ فرماتے ہیں

کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہے۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۲) امام سفیانؒ بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہے (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) اور امام اسمٰعیلیؒ (المتوفی ۳۷۱ھ جو الامام، الحافظ الثبت، شیخ الاسلام اور کبیر الشافعیۃ تھے (تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۹) امام حاکمؒ کہتے ہیں کہ وہ شیخ المحدثین والفقہاء تھے (ایضاً صفحہ ۱۵۰) خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام اور الحافظ تھے اکمال صفحہ ۶۲۸) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے (بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۵۲) امام موفق الدینؒ ابن قدامہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

فاما حديث عبادةؓ الصحيح فهو محمول على غير المأموم وكذلك حديث ابی هريرةؓ الخ (مغنی جلد ۱ صفحہ ۵۶۲ طبع بولاق)	حضرت عبادہؓ کی جو حدیث صحیح ہے تو وہ غیر مقتدی پر محمول ہے اور اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بھی غیر مقتدی پر محمول ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث آگے دوسری حدیث کے عنوان سے آرہی ہے اور امام شمس الدینؒ فرماتے ہیں کہ:۔

فالحديث الاول الصحيح محمول على غير المأموم وكذا حديث ابی هريرةؓ اھ (شرح مقنع للکبیر جلد ۲ صفحہ ۱۲)	وہ مقتدی کے علاوہ دوسروں پر محمول ہے اور اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بھی غیر مقتدی کے حق میں ہے۔

فصاعدًا، ماتیسّر اور ما زاد کی زیادت کے پیش نظر ان اکابر کا یہ ارشاد سو فیصدی صحیح ہے جس میں شک نہیں ہو سکتا۔ مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی یہ بات نہایت کمزور ہے کیونکہ وہ اس حدیث کے راوی نہیں ہیں بخلاف حضرت عبادہؓ کے کہ وہ اس کے راوی ہیں، باقی امام احمدؒ اور سفیانؒ کے قول سے اس کو منفرد پر کوئی محمول کرے تو اس کی مرضی دوسروں کے لیے حجت نہیں (محصلہ صفحہ ۱۳۵)

الجواب:۔ حضرت عبادہؓ کی روایت بقید خلف الامام سے ہی ضعیف جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا جس کا کوئی اعتبار نہیں بخلاف حضرت جابرؓ وغیرہ کی حدیث کے جو بالکل صحیح ہے اور حرف مَنْ کی تخصیص کا (بشرطیکہ عام ہو) یہ واضح قرینہ ہے اور اسی لیے حضرت امام احمدؒ وغیرہ نے اس روایت کو غیر مقتدی کے لیے کہا ہے جو مبنی بر دلیل ہے، نری مرضی کا سوال نہیں

کیونکہ اسی حدیث میں فصاعدًا اور مَا تَیَسَّرَ وغیرہ کی زیادت بھی تو موجود ہے جو غیر مقتدی کے بارے میں ایک گونہ نص ہے۔

اعتراض: مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کی تخصیص کتاب اور سنت سے ہی ہو سکتی ہے امام احمدؒ اور سفیانؒ بن عیینہؒ کے قول سے نہیں ہو سکتی (ابکار المنن)

جواب: مبارکپوری صاحب نے کیسی دُور اندیشی کا ثبوت دیا ہے کہ حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا نام تک نہیں لیا اور صرف امام احمدؒ اور ابن عیینہؒ کا نام لے کر دفع الوقتی کی ناکام کوشش کی ہے لیکن موصوفؒ کا یہ اعتراض بھی باطل ہے اوّلاً اس لیے کہ حرفِ مَنْ کی تخصیص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے کی گئی ہے اور علماء عربیت کے حوالے اس پر مستزاد ہیں وثانیاً اگر اس حدیث میں منفرد وغیرہ کی تخصیص کی گئی ہے تو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحیح ارشاد فصاعدًا، مَا تَیَسَّرَ اور ما زاد وغیرہ کی زیادت کی بناء پر نہ کہ صرف امام احمدؒ اور ابن عیینہؒ وغیرہ کے قول سے ان کا اگر کوئی قصور ہے تو صرف یہ کہ انہوں نے اس کو بیان کیوں کیا ہے؟ وثالثاً ضرورت تو نہیں مگر مبارکپوری صاحب کا مغالطہ بھی نکالنا ہے کہ عام کی تخصیص کتاب اور سنت کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ قاضی شوکانیؒ جو علامہ زمن اور مجتہد مطلق تھے (تقصار ص ۸۲) لکھتے ہیں فدل ذلک علی ان العموم یخص بالقیاس (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۵) اس سے معلوم ہوا کہ عموم کی تخصیص قیاس سے بھی صحیح ہے امام ابن دقیق العیدؒ (المتوفی ۷۰۲ھ) جو الامام الفقیہ المجتہد، المحدث، الحافظ، العلامۃ اور شیخ السلام تھے (تذکرہ جلد ۴ ص ۲۶۲) فرماتے ہیں کہ جب تخصیص کی وجہ ظاہر ہو تو بلا اختلاف احد بے قیاس اور رائے سے بھی عموم کی تخصیص جائز ہے (بحوالہ فیض الباری جلد ۲ ص ۱۲۷) علامہ جزائریؒ لکھتے ہیں کہ تمام علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عموم کی تخصیص دلالت عقلی اور قیاس سے بھی جائز ہے (توجیہ النظر ص ۹۷) اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

لان القیاس مقدم علی العموم کما — حضرات ائمہ اربعہؒ اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک

هو مذهب ائمة الاربعة والجمهور ۔ قیاس عموم سے مقدم ہے ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفہ)

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ خبر واحد کی تخصیص جب عقل، عرف اور قیاس سے جائز ہے ۔ جیسا کہ فن اصول کی یہ طے شدہ اور مبرہن حقیقت ہے تو صحابی کے قول سے خبر واحد کی بطریق اولیٰ تخصیص جائز ہوگی (اعلاء السنن جلد ۸ صفحہ ۵۳) اور اصول فقہ کی کتابوں میں اس پر مستقل بحث موجود ہے کہ عموم کی تخصیص عقل، حس اور عادت وغیرہ سے جائز اور صحیح ہے (مثلاً دیکھئے توضیح وتلویح صفحہ ۱۱۸ وغیرہ)

مؤلف "خیر الکلام" لکھتے ہیں کہ مطلق کے بعض افراد کی تقیید موقع اور محل کے اعتبار سے جائز ہے (صفحہ ۲۸۳) نہ معلوم مبارکپوری صاحبؒ کس سادگی سے عموم کی تخصیص کے لیے کتاب وسنت کی دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں؟ حالانکہ اس روایت میں عموم کی تخصیص محض قیاس سے نہیں کی گئی بلکہ کتاب اللہ اور صحیح احادیث سے بلکہ خود اسی روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحیح ارشاد سے تخصیص کی گئی ہے، تاکہ مبارکپوری صاحبؒ ناراض نہ ہو جائیں الحاصل اس روایت میں فصاعداً، ماتیسر اور مازاد وغیرہ کی زیادت کے مدنظر رکھنے سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ اس حدیث کا مصداق ہرگز ہرگز مقتدی نہیں ہے اور مقتدی کو امام کے پیچھے بغیر استماع اور انصات کے کوئی چارہ نہیں ہے ہاں جو جماعت نظریہ بدلنے میں ہتک شان سمجھے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے ۔

جواب چہارم :- جمہور اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوا تو اگرچہ اس نے خود سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اور نہ امام سے سُنی ہے لیکن اس کی وہ رکعت اور نماز صحیح ہے چنانچہ امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں جس نے امام کو پا لیا اس کی وہ رکعت صحیح ہو جاتی ہے ۔ (کتاب الام جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پا لیا اس کی وہ رکعت ہو گئی (منہاج السنۃ جلد صفحہ) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص امام کو رکوع میں پا لے اس کی وہ رکعت سورہ فاتحہ پڑھے بغیر بھی جائز ہے (شرح مسلم جلد صفحہ ۱۳۵ ومثلہ فی شرح

المہذب جلد ۳ ص۳۲۶) حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاءؒ کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ جس شخص نے امام کو رکوع کی حالت میں پا لیا ہو اور سورۂ فاتحہ نہ پڑھی ہو تو اس کی وہ رکعت اور نماز صحیح ہے، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ امام ثوریؒ امام اوزاعیؒ امام ابوثورؒ امام احمدؒ بن حنبلؒ اور امام اسحاقؒ بن راہویہؒ (وغیرہ) کا یہی مسلک ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت ابن عمرؓ کا یہی مسلک ہے اور ہم نے تمہید میں ان کی جملہ اسانید درج کر دی ہیں (بحوالہ امام الکلام ص۱۶ واوجز المسالک جلد ۱ ص۲۴۰ واعلاء السنن جلد ۴ ص۳۲۹) نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جمہور کا یہی مسلک ہے کہ جس نے رکوع میں امام کو پا لیا ہو۔ تو اس کی وہ رکعت صحیح ہے۔ (بدور الاھلہ ص۶۵ ودلیل الطالب ص۳۲۳) مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ قاضی شوکانی صاحبؒ نے (نیل الاوطار جلد ۲ ص۱۱۳ میں) پہلے یہ لکھا تھا کہ مُدرِکِ رکوع کی وہ رکعت شمار نہ ہو گی لیکن بعد کو جمہور کے مسلک کی طرف رجوع کر لیا چنانچہ انہوں نے اپنے فتح الربانی میں اس کی تصریح کی ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے والے کی وہ رکعت بالکل صحیح ہے (عون المعبود جلد ۱ ص۳۳۴) مبارک پوری صاحبؒ حدیث میں من صلی رکعۃً لم یقرأ فیہا (الحدیث) کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اس سے مُراد وہ رکعت ہو سکتی ہے جس میں مقتدی نے امام کو بحالت رکوع پا لیا ہو اور خود قرأت نہ کی ہو اس کی وہ رکعت جائز اور صحیح ہو گی۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص۲۶۱) مؤلف "خیر الکلام" لکھتے ہیں کہ اسی طرح اگر رکوع والی حالت میں رکعت کا صحیح ہونا دلائل سے ثابت ہو جائے (جو ٹھوس حوالوں سے یقیناً ثابت ہے صفدر) تو اس کی تخصیص کر لی جائے گی نہ یہ کہ اس کو رد کر کے اعتراض کیا جائے گا۔ بلفظہٖ ص۱۲۶) ہم تو پہلے ہی سے اس حدیث کی تخصیص کے قائل ہیں لیجئے اب مؤلف مذکور بھی تخصیص کو مان رہے ہیں البتہ اعتراض کے لفظ سے ذرا گھبراتے ہیں، اور اسی صفحہ میں اس سے پہلے لکھتے ہیں کہ اور اس حدیث سے صرف ایک بار فاتحہ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے، اگر کوئی شخص رکوع میں رکعت کے جواز کا قائل ہے تو اس سے اس حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی اھ

الجواب:۔ بس اسی طرح اگر کوئی شخص صرف منفرد کے لیے فاتحہ پڑھنے کا قائل ہو تو اس سے اس حدیث کی عین مطابقت پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ حدیث ہی لمن یصلی وحدہٗ

کے بارے میں ہے، اگر اس حدیث سے ہر رکعت میں صرف ایک بار فاتحہ کا ثبوت ہے تو حدیث مسیئ الصلوٰۃ سے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا ثبوت ہے۔ چنانچہ امیر یمانیؒ اس کے فوائد میں لکھتے ہیں کہ فتجب الفاتحۃ فی کل رکعۃ اھ (سبل السلام جلد ۱ ص۲۴۸) حضرات! انصاف کے ساتھ آپ ایک طرف حضرات محدثین کرامؒ کی ان تصریحات کو ملاحظہ کیجئے اور دوسری طرف فریق ثانی کا یہ دعوےٰ دیکھئے کہ غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر نمازی پر شامل کرتے ہیں۔ اور یہ کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیکار ہے اور باطل ہے۔ کہ یہ کہاں تک مبنی بر انصاف ہے۔ افسوس اور حیرت ہے اس تحقیق پر مولانا میر صاحبؒ ہی فرمائیں کہ کیا حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ حضرات صحابہ کرامؓ اور امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام ابن عیینہؒ، حافظ اسمٰعیلیؒ، حافظ ابن عبد البرؒ، امام موفق الدینؒ ابن قدامہؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ، وغیرہ وغیرہ (جن کی پوری تشریح جلد اوّل میں عرض کی جاچکی ہے) آپ کے نزدیک محدث نہیں ہیں؟ اور کیا ان میں بعض جہری نمازوں کو اور بعض مقتدی کو اور اکثر مدرک رکوع کو اس حدیث سے کتاب وسنت کے دلائل سے مستثنیٰ نہیں کرتے؟ تعجب ہے میر صاحبؒ کی دیدہ دلیری پر کہ وہ کس بے احتیاطی سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر نمازی پر شامل کرتے ہیں مولانا خود ہی از راہ بزرگی اور انصاف فرمائیں کہ ایک شخص مادر زاد گونگا ہے وہ نماز تو ادا کرتا ہے لیکن دوسری قرأۃ کی طرح وہ سورۂ فاتحہ کی قرأۃ سے بھی عاجز ہے کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟ اگر نہ ہوگی تو کس دلیل سے؟ اور اگر ہو جائے گی تو آپ کے قاعدہ کے مطابق یہ روایت تو ہر نمازی کو شامل ہے وہ گونگا کیسے مستثنیٰ قرار پایا؟ اس گونگے کو بھی جانے دیجئے یہ بتلایئے کہ سو سال کا بوڑھا کافر مسلمان ہوتا ہے نہ حافظہ ساتھ دیتا ہے اور نہ زبان وہ نماز کے ظاہری ارکان تو ادا کرتا ہے مگر سورۂ فاتحہ یاد نہیں کر سکتا کیا اس کی نماز جائز ہے اگر ہے تو یہ خود اور اس کی نماز ہر نماز اور ہر نمازی کی زنجیروں سے کیسے خارج تصور ہوں گے؟ حضرت عبد اللہؓ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا حضرت میں قرآن کریم کا کوئی بھی حصہ یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا مجھے کوئی ایسی چیز ارشاد فرمایئے جو اس کے قائم مقام ہو آپ نے

ارشاد فرمایا تم یہ پڑھا کرو سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ (الحدیث) (رواہ ابوداؤد واحمد والنسائی وصححہ ابن حبانؒ والدار قطنی والحاکم سبل السلام جلد ا صفحہ ۲۹۷) امیر یمانیؒ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اذکار قرأت کے قائمقام ہیں خواہ سورۃ فاتحہ کی قرأت ہو یا قرآن کریم کے کسی اور حصہ کی اور یہ حکم اس شخص کے لیے ہوگا جو قرأت پر قادر نہ ہو اور بہ ظاہر یہ روایت صاف بتاتی ہے کہ ایسے شخص پر قرآن کریم کا سیکھنا واجب نہیں ہے تاکہ وہ اس کو نماز میں پڑھ سکے کیونکہ میں طاقت نہیں رکھتا کا مطلب یہی ہے کہ میں اب قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد نہیں کر سکتا معہذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد کرنے کا حکم نہیں دیا اور ان کلمات کی تلقین فرمائی ہے حالانکہ جو شخص یہ الفاظ یاد کر سکتا ہے وہ سورۃ فاتحہ بھی یاد کر سکتا ہے اگر سورۃ فاتحہ وغیرہ کا سیکھنا واجب ہوتا تو آپ ضرور اس کا حکم دیتے ۔ (سبل السلام جلد ا صفحہ ۲۵۱) لیجئے ایک غیر مقلد عالم صاحب نے ساری نمازوں کے لیے ایسے شخص کو چھٹی دے دی ہے جو سورۃ فاتحہ پر قادر نہیں ہے کہ

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ ایسا مقتدی معذور ہے اور عذر کا حکم الگ ہے جیسے منفرد گونگا جس پر احناف کے نزدیک بھی قرأت فرض ہے مگر عذر کی وجہ سے مستثنیٰ ہے (محصلہ صفحہ ۱۲۷)

الجواب:۔ ہمارے نزدیک تو یہ حدیث عام نہیں لیکن مؤلف خیر الکلام اس کو عام تسلیم کر کے معذور کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں تو یہ حدیث ہر نمازی کو شامل تو نہ ہوئی عموم کی رٹ تو ٹوٹی عام مخصوص البعض قطعی نہیں رہتا اور مقتدی بھی جمہور کے نزدیک شرعی طور پر معذور ہے کہ اس کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ممانعت ہے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا اور اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی ممکن نہ ہو تو اس کے علاوہ کوئی اور سورت ہی وہ پڑھ لیا کرے ۔ (شرح مسلم جلد ا صفحہ ۱۶۹) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں جس کو سورۃ فاتحہ یاد ہو اس کے لیے فاتحہ متعین ہے اگر وہ یاد نہیں تو قرآن کریم کا کوئی حصہ لازم

ملہ اور موارد الظمآن صفحہ ۱۲۹)

ہے وہ بھی نہ ہو تو ذکر پڑھ لینا کافی ہے (فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۹۳) اب آپ خود میر صاحبؒ کی
سُن لیجئے وہ خود لکھتے ہیں کہ جسے فاتحہ یاد نہ ہو وہ کسی اور مقام سے پڑھ لے اور اگر دیگر مقام سے بھی
یاد نہیں تو تحمید، تکبیر، تہلیل پڑھے الخ بلفظہٖ پھر آگے لکھتے ہیں، سورۃ فاتحہ اس شخص پر لازم ہے جو اُسے
بخوبی پڑھ سکے لیکن جو بخوبی نہ پڑھ سکتا ہو وہ جہاں سے چاہے قرأت کر سکتا ہے (ملفظہٖ تفسیر
واضح البیان صفحہ ۴۲۶ و صفحہ ۴۲۴) دیکھئے مولانا خود ہر نمازی اور ہر نماز کی تخصیص کر کے جمہور کے زمرہ
میں شامل ہو گئے ہیں ؎ یہ بھی لگا کے خُون شہیدوں میں مل گیا۔

تمام محدثین بالاتفاق الخ کا قصہ تو رہا اپنی جگہ کیا میر صاحبؒ خود بھی محدث ہیں یا نہیں ؟
دیکھئے کیا لب کشائی فرماتے ہیں: جمہور محدثین نے تو مدرکِ رکوع کو اس حدیث سے (حضرت ابو بکرہؓ
وغیرہ کی صحیح روایت سے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) مخصوص کیا ہے حضرت امام بخاریؒ وغیرہ نے
اس بات پر اصرار کیا ہے کہ مدرکِ رکوع کو مدرکِ رکعت تصور نہیں کیا جائیگا یہ بات بڑی ناانصافی پر مبنی ہوگی کہ
ہم ان کی پیش کردہ دلیل اور اس کا پس منظر آپ سے عرض نہ کریں، حضرت امام بخاریؒ کوئی صحیح مرفوع
اور صریح روایت اس دعویٰ پر پیش کرنے سے سو فیصدی قاصر رہے ہیں کہ جس نے رکوع کی حالت
میں امام کو پالیا اس کی وہ رکعت شمار نہ ہوگی بخلاف اس کے ہم نے حضرت ابو بکرہؓ کی صحیح، صریح
اور مرفوع روایت سے جو حسن کے درجہ سے فروتر نہ ہوگی اور دیگر بعض آثار حضرات صحابہ کرامؓ سے
اس مسئلہ کو پہلے مبرہن کر دیا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، امام بخاریؒ کا استدلال ملاحظہ ہو، امام
بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے معقلؒ بن مالکؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عوانہؒ نے بیان کیا وہ
محمدؒ بن اسحاقؒ سے روایت کرتے ہیں وہ عبدالرحمٰنؒ بن اعرجؒ سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے انہوں
نے فرمایا قال اذا ادرکت القوم رکوعاً لم تعتد بتلک الرکعۃ (جزء القرأۃ صفحہ ۵۹) کہ جب
تم جماعت کے ساتھ اس حالت میں شریک ہو کہ وہ رکوع میں جا چکی ہو تو تمہاری اس رکعت
کا اعتبار نہ ہوگا۔ لیکن اس روایت سے استدلال مخدوش ہے اولاً اس لیے کہ معقل بن مالک
کو علامہ ابوالفتح ازدیؒ متروک کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۳ صفحہ ۱۸۵ وتہذیب التہذیب جلد ۱
صفحہ ۲۳۴) وثانیاً اس کی سند میں محمدؒ بن اسحاقؒ ہے جس پر پوری جرح (اور کلام) اپنے مقام پر بیان
کی جائے گی وثالثاً ابن اسحاقؒ مدلس ہے اور عنعنہ سے روایت کرتا ہے جو قابلِ التفات

نہیں ہے و ثالثاً یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف ہے اور موقوف روایت کو حضرت ابوبکرہؓ وغیرہ کی مرفوع حدیث (جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے) کے مقابلہ میں کون سنتا ہے ؟ اور مرفوع اور صحیح روایت کے مقابلہ میں ایسی ضعیف کمزور اور موقوف روایت حجت کیسے ہو سکتی ہے ؟ وخامساً حضرت ابوہریرہؓ کا خود اپنا فتویٰ یہ ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے (دیکھئے سنن الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۹۰ وغیرہ) ایں حالات حضرت امام بخاریؒ کا اس سے استدلال کرنا بڑی عجیب بات ہے اگر ہمارے جیسا کوئی بھی مایہ ایسا استدلال کرتا تو اور بات تھی ۔ کیونکہ ؎

دیوانے روزِ حشر کو پوچھے نہ جائیں گے　　خالی ہے سرنوشت ہمارے حساب سے

اسی طرح ایک دوسری سند سے حضرت ابوہریرہؓ کا موقوف اثر امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے (جزء القراۃ صفحہ ۲۰) لیکن اس کی سند میں بھی محمد بن اسحاقؒ ہے اسی مضمون کا ایک اثر انہوں نے حضرت ابو سعید الخدریؓ سے بھی نقل کیا ہے (ایضاً) اور اس کے الفاظ یہ ہیں ، لا یرکع احدھم حتی یقرأ بام القرآن یعنی سورۃ فاتحہ پڑھنے سے پہلے کسی کو رکوع نہیں کرنا چاہئیے ۔ مگر یہ روایت بھی ان کو چنداں مفید نہیں ہے اولاً اس میں بعض متکلم فیہ راوی ہیں و ثانیاً یہ بھی موقوف ہے اور ثالثاً اس میں مقتدی اور خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور منفرد پر بہرحال یہ لازم ہے کہ پہلے سورۃ فاتحہ پڑھے اور پھر وہ رکوع کرے اس کا کون منکر ہے ؟ امام بخاریؒ مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جب سورۃ فاتحہ بھول جائے تو اس رکعت کا کوئی اعتبار نہیں ہے ۔ (جزء القراۃ صفحہ ۱۳) لیکن ایک تو اس میں لیثؒ ہے جو کمزور اور ضعیف ہے (دارقطنی جلد ۱ صفحہ ۱۲۶) پھر ہے بھی یہ مجاہدؒ کا قول ۔ الغرض کتب حدیث میں کوئی صحیح صریح اور مرفوع روایت موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہونے والے کی وہ رکعت قابلِ اعتبار نہیں ہے بخلاف اس کے صحیح اور مرفوع حدیث اور جمہور اہل اسلام کی معیت سے ان حضرات کا دامنِ تحقیق وابستہ ہے جن کی نماز کو فریق ثانی بیکار ، ناقص و کالعدم ، اور باطل کہتا ہے حیف بر حیف ہے ایسے تعصب اور عناد پر ۔

جواب پنجم :- جب قطعی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حرف مَن عموم میں نص قطعی نہیں ہے اور یہ کہ اسی حدیث کے بعض صحیح اور مرفوع طرق میں فصاعداً ما تیسر اور ما زاد

کی زیادت بھی موجود ہے اور یہ زیادت اس کو متعین کر دیتی ہے کہ یہ روایت مقتدی سے متعلق نہیں ہے بلکہ منفرد وغیرہ کے حق میں ہے اور یہ کہ حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، امام احمدؒ بن حنبلؒ، امام سفیانؒ بن عیینہؒ، حافظ اسمٰعیلیؒ، امام موفق الدینؒ ابن قدامہؒ اور علامہ شمس الدین الحنبلیؒ وغیرہ اس روایت کا مصداق منفرد بیان کرتے ہیں اور یہ کہ جمہور اہلِ اسلام اور حضرات ائمہ اربعہؒ وغیرھا مدرک رکوع کو اس حدیث کے عموم سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور یہ کہ گونگا یا وہ شخص جو مدت العمر سورۃ فاتحہ یاد نہیں کر سکتا یا کچھ عرصہ اس کو یاد نہیں ہو سکتی اور معذور وہ نماز ادا کرتا ہے۔ تو ایسا شخص بھی باتفاق فریق ثانی اس حدیث کے عموم سے خارج ہے۔ ان تمام اندرونی اور بیرونی قرائن اور دلائل کی موجودگی میں ہر نمازی پر اور ہر نماز میں اس سے سورۃ فاتحہ کے ہر رکعت میں واجب اور رکن ہونے پر استدلال کرنا نہایت حیرت اور تعجب کی بات ہے۔ خیر یہ سب باتیں عرض کی جا چکی ہیں نمبر ۱ میں جو بات کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرات محدثین کرامؒ کا ایک ضابطہ ہے اور جس کو فریق ثانی بڑی شد و مد سے بیان کرتا ہے چنانچہ قاضی شوکانی صاحبؒ لکھتے ہیں وراوی الحدیث اعرف بالمراد من غیرہ (نیل الاوطار جلد ۱ ص۲۵۶) حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں ان تفسیر الراوی ارجح من تفسیر غیرہ (عون الباری جلد ۱ ص۲۷۰ علی النیل) راوی کی تفسیر دوسروں کی تفسیر سے راجح ہے اور مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں۔ وقد تقرر ان راوی الحدیث ادری بمراد الحدیث من غیرہ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص۲۵۷) یہ بات طے شدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ومذہب الشافعی ومحققی الاصولیین ان تفسیر الراوی مقدم اذا لم یخالف الظاہر قالہ النوویؒ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص۲۳۵) کہ حضرت امام شافعیؒ اور محقق اصولیوں کا یہ مذہب ہے کہ راوی کی تفسیر جب کہ ظاہر کے خلاف نہ ہو دوسروں کی تفسیر سے مقدم ہو گی جیسا کہ امام نوویؒ نے کہا ہے، اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر جب ہم حضرت عبادہؓ بن الصامت وغیرہ کی وہ صحیح حدیثیں جن میں حرف من مذکور ہے، دیکھتے ہیں تو ان کے مختلف طرق اور اسانید میں ہمیں یہ مرکزی راوی نظر آتے ہیں۔ امام ابوبکرؒ بن ابی شیبہؒ، امام سفیانؒ بن عیینہؒ، امام زہریؒ

امام اسحاق بن راہویہؒ، امام عبداللہ بن وہبؒ، امام مالک بن انسؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام عبدالرزاقؒ، بن ہمامؒ، امام معمر بن راشدؒ، امام اوزاعیؒ، اور حضرت امام شافعیؒ وغیرہ اور یہ تمام اکابر حرف من کے عموم کے قائل نہیں ہیں کوئی اس حدیث سے صرف منفرد مراد لیتا ہے اور کوئی منفرد اور امام دونوں اور کوئی امام کے پیچھے سری اور جہری سب نمازوں کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے اور کوئی جہری نمازوں کو اس سے خارج کرتا ہے اور مدرک رکوع وغیرہ تو سب کے نزدیک مستثنیٰ ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت محمودؓ بن ربیع جو صغار صحابہؓ میں تھے اور اس حدیث کے راوی ہیں مگر وہ بھی قرأۃ خلف الامام کے قائل نہیں تھے جس کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت بھی وجوب قرأۃ خلف الامام کے قائل نہ تھے جیسا کہ ذکر ہوگا اور ایک اور بات بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ مشہور محدث امام اعمشؒ فرماتے ہیں۔ انتم الاطباء ونحن الصیادلة (کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۱) اے فقہاء کے گروہ تم طبیب ہو اور ہم پنساری ہیں۔ امام سیوطیؒ اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ اگرچہ پنساری کے پاس مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ کس کام آتی ہیں؟ طبیب اور حکیم ہی ان کی خاصیت اور مزاج سے واقف ہو سکتا ہے، اسی طرح حضرات محدثین کرام کے حافظہ میں اگرچہ بے شمار حدیثیں محفوظ ہوتی ہیں لیکن وہ ان سے استنباط مسائل کا طریقہ نہیں جانتے بلکہ یہ کام حضرات فقہاء کرامؒ کا ہے (محصلہ مسالک الحنفاء صفحہ ۵۵) اور امام سفیانؒ بن عیینہؒ لکھتے ہیں کہ فقہاءؒ کی بات کو تسلیم کرنا ہی دین کی سلامتی ہے (الجواہر المضیۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴) امام ترمذیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں وکذلک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث (جلد ۱ صفحہ ۱۱۸) کہ فقہاء نے اس حدیث کا یہ معنیٰ بیان کیا ہے اور وہی حدیث کا مطلب زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اور امام احمدؒ بن حنبلؒ فرماتے ہیں ما اقل الفقہ فی اہل الحدیث (طبقات ابو یعلی صفحہ ۲۴۰) فقہ اور سمجھ کی باتوں سے اہل حدیث کو کوئی سروکار نہیں ہے، امام حاکمؒ اور علامہ حازمیؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو جس کو فقہاءؒ روایت کرتے ہیں اس حدیث پر ترجیح ہوگی جس کو محدثینؒ نقل کرتے ہیں (معرفت علوم الحدیث صفحہ ۱۱ وکتاب الاعتبار صفحہ ۱۵) اور یہ اکابر جن کے اسامی نقل کیے گئے ہیں بلا اختلاف مسلم فقیہ تھے، اس لیے راوی

حدیث ہونے کے علاوہ ان کی فقاہت کی وجہ سے بھی ان کا بیان کردہ مطلب اور معنیٰ قابل ترجیح ہوگا
الغرض تمام اندرونی اور بیرونی شہادتیں اس امر کو بلاشک وشبہ متعین کردیتی ہیں کہ حضرت عبادہؓ وغیرہ
کی اس روایت کو جس میں حرف مَنْ ہے مقتدی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ فریق ثانی کا اس سے
استدلال واحتجاج صحیح ہوسکتا ہے۔

قارئین کرام! ابھی متعدد صحیح جوابات اس روایت کے جو جمہور کی طرف سے پیش کیے گئے
ہیں باقی ہیں مگر سلسلۂ کلام دراز سے دراز تر ہوتا جارہا ہے اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں تاکہ آپ
اکتا نہ جائیں، ہاں البتہ ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف ایک جواب اور عرض کرتے ہیں اور
فریق ثانی سے انصاف کی توقع رکھتے ہیں۔

جواب ششم:۔ اگر فریق ثانی خواہ مخواہ اس پر اصرار کرتا ہے کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت کی یہ
روایت مقتدی کے حق میں بھی عام ہے تو اس کو چاہیے کہ امام کے پیچھے باآواز بلند اور جہر سے قرآت کیا
کرے کیونکہ حضرت عبادہؓ جہر سے قرآت کرتے تھے۔ چنانچہ امیر یمانی صاحبؒ حدیث فَلَا
تَقْرَءُوْا بِشَیْءٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ (کہ جب میں جہر سے قرآت کیا کروں
تو تم قرآن کریم کا کوئی حصہ میرے پیچھے نہ پڑھا کرو، مگر سورۂ فاتحہ) کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فهذا عبادةؓ راوی الحدیث قرأ بها جهراً خلف الامام لانه فهم من کلامه صلی اللّٰه علیه وسلم انه یقرأ بها خلف الامام جهراً وان نازعه (سبل السلام جلد ۱ ص ۱۷۶)

حضرت عبادہؓ بن الصامت نے جو اس روایت کے راوی ہیں، امام کے پیچھے بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھی اس لیے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہی سمجھا تھا کہ امام کے پیچھے بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے، اگرچہ امام کے ساتھ منازعت اور کھٹا پائی ہی کیوں نہ ہو۔

اور یہ روایت فریق ثانی کے نزدیک صحیح ہے۔ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ هذا اسناد حسن
ورجاله ثقات کلهم (جلد ۱ ص ۱۲۱) اور یہ معنی بھی ایک غیر مقلد عالم صاحبؒ نے بیان
کیا ہے اس لیے ان کو امام کے پیچھے خوب زور وشور کے ساتھ ام القرآن کی قرأت کرنی چاہیے

اگرچہ کھلے طور پر منازعت اور مخالجت بھی ہوتی ہے اگر حضرت عبادہ بن الصامت کی اس روایت پر ان کا عمل نہیں ہے اور ترک جہر کرتے ہوئے بھی ان کی نماز جائز اور صحیح ہے اور ان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی شک نہیں ہے تو دوسروں سے یہ انوکھا مطالبہ کیسے صحیح ہے؟ اور ان کی نماز کیوں ناقص، بیکار، کالعدم اور باطل ہے؟ آنچہ برخود میپسندی بر دیگراں مپسند، ہم اس حدیث کے انہیں جوابات پر اکتفا کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں گو ابھی بہت سی باتیں کہنے کی باقی ہیں وفیہ کفایۃ لمن لہ ھدایۃ۔ مؤلف خیر الکلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عبادہؓ نے فاتحہ آہستہ پڑھی تھی مگر بعض علماء نے جہر کا لفظ اس لیے بولا ہے کہ محمودؓ نے جو حضرت عبادہؓ کے ساتھ کھڑے تھے سن لیا تھا الخ (ص۱۷۰) الجواب:- یہ نری دفع الوقتی ہے کیونکہ عبارت میں قرأ بہا جہرًا کے الفاظ ہیں پھر اس کا یہ مطلب کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ فاتحہ آہستہ پڑھی؟ اور یہ قرأت صرف پہلو میں حضرت محمودؓ ہی نے سنی بلکہ یہ امام نے بھی سنی اس لیے کہ امیر یمانیؒ وان نازعہ کا جملہ بول رہے ہیں کہ اگرچہ امام کے ساتھ منازعت اور رسہ کشی ہوتی ہے حضرت عبادہؓ کے نزدیک مقتدی جہرًا فاتحہ پڑھ سکتا ہے۔

دوسری روایت:- ابو السائبؒ (جو ہشامؓ بن زہرہؓ کے غلام تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

من صلّٰی صلٰوۃ لم یقرأ فیہا بام القراٰن	کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی
فہی خداج ھی خداج غیر تمام	نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے وہ تام نہ ہوگی

لہ حضرت ہشامؓ بن عامرؓ بھی امام کے پیچھے جہر سے قرأت کیا کرتے تھے (دیکھئے مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۱) علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں رجالہ موثقون کہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔ حضرت ہشامؓ کو علامہ ذہبیؒ صحابہؓ میں ذکر کرتے ہیں اور ان کے والد بھی صحابی تھے جو غزوہ احد میں شہید ہوئے (تجرید اسماء الصحابہ ج۲ ص۱۲۹)

کے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان کا نام عبد اللہؓ تھا اور وہ الانصاری اور المدنی ہونے کے ساتھ قبیلہ جہینہ سے تعلق رکھتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص۱۱۵) لیکن صاحب کشف المغطی کہتے ہیں کہ شاید وہ دراصل شیراز (ایران) کے رہنے والے تھے (اوجز المسالک جلد ۱ ص۲۴۲)

فقلت لابی ھریرۃ انی اکون وراء الامام قال فغمز ذراعی فقال اقرأ بہا فی نفسک یا فارسی۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۶۹)[1]

ابوالسائبؒ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے دریافت کیا حضرت! میں جب امام کے پیچھے ہوں تو کیا کروں۔ تو انہوں نے میرا بازو دبا کر جواب دیا اے فارسی (اور عجمی) اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔

فریق ثانی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے وجوب اور اس کی رکنیت پر اس روایت کو نص سمجھتا ہے۔

جواب:۔ فریق ثانی کا اس روایت سے استدلال ان امور پر موقوف ہے (۱) حرف مَن عموم کے لیے ہے (۲) جس چیز پر لفظ خداج کا اطلاق ہو وہ کالعدم ہوتی ہے (۳) لفظ غیر تمام رکنیت پر دلالت کرتا ہے (۴) اقرأ بہا فی نفسک حتمی اور قطعی طور پر آہستہ پڑھنے پر دلالت کرتا ہے، یہ وہ چار اصولی نقطے ہیں جن پر ہمیں بحث کرنی ہے پوری توجہ اور دلجمعی کے ساتھ غور کریں، اس سے قبل کہ ہم ترتیب وار ان شقوں کا جواب دیں، یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ذرا فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ روایتوں کے راویوں کا جمہور کی طرف سے پیش کردہ روایتوں اور ان کے راویوں کا اجمالی طور پر تقابل کر دیکھیں، فریق ثانی نے قتادہؒ، سلیمان تیمیؒ، ابواسحاق السبیعیؒ، اسرائیل بن یونسؒ اور امام زہریؒ

[1] علامہ ابوالولید الباجیؒ (المتوفی ۴۹۴ھ) کہتے ہیں کہ ابوالسائبؒ کے سوال کرنے کا سبب یہ تھا وھذا اعتراض من ابی السائب علی العموم بالعمل الشائع عندہ وما شاھدہ من الائمۃ فی ترک القرأۃ وراء الامام (بحوالہ اوجز المسالک جلد ۱ صفحہ ۱۲۱) کہ انہوں نے جب بڑے بڑے اماموں کو اور دیگر اکثریت کو امام کے پیچھے ترک قرأۃ پر عامل پایا تو عموم الفاظ کے پیش نظر حضرت ابوہریرہؓ پر یہ اعتراض کیا۔ عہ وقال ابن القیمؒ فی تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۳۹۲) اقرأ بہا فی نفسک وھذا مطلق لیس فیہ بیان ان یقرأ بہا حال الجھر ولعلہ قال لہ یقرأ بہا فی السر والسکتات ولو کان علما فھذا رای لہ خالفہ فیہ غیرہ من الصحابۃؓ والاخذ بروایتہ اولیٰ اھ۔ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اس کا ذکر نہیں کہ حالت جہر میں پڑھے اور ممکن ہے کہ انہوں نے سری نمازوں اور سکتات میں پڑھنے کا حکم دیا ہو اور اگر یہ عام ہے تو یہ ان کی اپنی روایت اور دیگر حضرات صحابہؓ کے مسلک کے خلاف ہے لہذا ان کی روایت ان کی رائے سے زیادہ بہتر ہے۔

[2] یہ روایت ابوعوانہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۹، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۱۹، موطا امام مالکؒ صفحہ ۲۹، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۲، ابن ماجہ صفحہ ۶۱، طیالسی صفحہ ۳۴۳، جزء القراۃ صفحہ ۱۹ اور کتاب الاعتبار صفحہ ۹۹ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔

جیسے ثقہ ثبت اور حجت راویوں پر محض تخلیط، تفرد، تدلیس اور ارسال وغیرہ کے ایسے الزام عائد کئے ہیں
جو اصول حدیث کے رو سے مردود ہیں جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں اور انہوں نے امام معمرؒ، سفیانؒ بن
عیینہؒ امام اوزاعیؒ، شعیبؒ بن ابی حمزہؒ، عبدالرحمٰنؒ بن اسحاق مدنیؒ اور صالحؒ بن کیسانؒ جیسے جلیل القدر
ائمہ ثقات اور حفاظ کی صحیح اسانید سے مروی زیادت فصاعداً کو ٹھکرا دیا ہے اور وہ بھی محض
اپنی مرضی سے بلا دلیل، اس روایت کے صحیح الفاظ یہ تھے۔ کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام الکتاب
فھی خداج الا صلوٰۃ خلف امام کہ ہر وہ نماز جو سورۃ فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے وہ ناقص ہے،
ہاں مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور یہ استثناء۔ الا صلوٰۃ خلف امام علاءؒ بن عبدالرحمٰنؒ
کی غلطی سے چھوٹ گئی ہے جس کی پوری تفصیل پہلے عرض کی جا چکی ہے اور یہ بھی نقل کیا جا چکا ہے
کہ امام ابن معینؒ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث حجت نہیں ہے، ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھے ابو حاتمؒ
کہتے ہیں کہ ان کی بعض حدیثیں منکر ہیں ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ وہ زیادہ قوی نہ تھے، ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ
محدثین صیام شعبان کی روایت کو ان کی منکر روایتوں میں شمار کرتے ہیں اور حافظ ابو عمرؒ بن عبدالبرؒ
لکھتے ہیں کہ:

العلاء لیس بالمتین عندھم وقد تفرد بھذا الحدیث لیس یوجد الا له ولا تروی الفاظہ عن احد سواہ۔ واللہ اعلم
(کتاب الانصاف ص۱۱)

علاءؒ بن عبدالرحمٰنؒ محدثینؒ کے نزدیک چنداں قابل اعتبار نہیں ہیں اور اس حدیث کو بیان کرنے میں متفرد ہیں ان کے بغیر کسی اور سے یہ الفاظ مروی نہیں ہیں۔ اور یہ صرف انہیں سے مروی ہیں۔

پس یہ روایت بلاشبہ شاذ ہے کہ ضعیف راوی تمام ثقات کی روایت کے خلاف کرتا
ہے امت مسلمہ کا ایسی روایتوں کی صحت پر اجماع منعقد نہیں ہوا اور نہ آج تک جمہور نے ان
کو قبول کیا ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام کا غلط دعوے ہے۔ فریق ثانی کا انصاف ملاحظہ کیجیے کہ ثقہ
ثبت اور حجت راویوں کی روایتیں تو ان کے نزدیک صحیح نہیں ہیں لیکن جس روایت کو کمزور

لہ مؤلف خیر الکلام نے ارسال و انقطاع وغیرہ کا رونا پھر رویا ہے (ملاحظہ ہو ص۱۴۳ و ص۱۴۴) مگر ہم
ان کا باحوالہ مفصل جواب پہلے عرض کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اور ضعیف راوی بیان کرتا ہو اور بقول حافظ ابن عبد البرؒ اس کے بغیر ان الفاظ کو خدا کی دنیا میں کوئی ایک راوی بھی بیان کرنے والا نہ ہو تو وہ ان کے نزدیک حجت ہے، اور اس کے خلاف کرنیوالوں کی نماز بیکار، ناقص، کالعدم اور باطل ہے۔ فواسفا ترجمان الحدیث صـ۲۷ تا ۲۹ ماہ جولائی ۱۹۷۳ء میں اس کا خوب رونا رویا ہے کہ مؤلف احسن الکلام ایک طرف تو بخاری و مسلم کو صحیح مانتے ہیں اور دوسری طرف مسلم کے راوی پر کلام کرتے ہیں اور یہ ان کا مذہبی تعصب ہے اور تضاد بیانی ہے (محصلہ) الجواب:۔ یہ سبق ہم نے آپ حضرات ہی سے سیکھا ہے کہ حضرت قتادہؒ اور سلیمان تیمیؒ وغیرہ جو ثقہ اور ثبت اور بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں مگر آپ حضرات نے باوجود ان کے ثقہ متابع ہونے کے ان کو معاف نہیں کیا حالانکہ صحیحین کی صحت آپ حضرات کے ہاں بھی برائے نام مسلّم ہے سچ ہے ع این گناہ ہسیت کہ در شہر شما نیز کنند۔ تو اگر ہم نے ٹھوس حوالوں کے ساتھ العلاءؒ بن عبد الرحمٰنؒ کی غلطی واضح کر دی ہے تو کیا جرم کیا ہے! اور جہاں حضرات محدثین کرامؒ نے العلاءؒ کی کسی روایت کو صحیح کہا ہوگا تو یقین جانئے کہ وہاں ان کے مقابلہ میں خالد الطحانؒ جیسا ثقہ اور ثبت راوی ہرگز کوئی نہ ہوگا اس بات کو بھی ضرور ذہن مبارک میں رکھئے۔ اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس حدیث کا جو حصہ مرفوع ہے اس میں یہاں وراء الامام کے الفاظ موجود نہیں ہیں یہ الفاظ صرف اس حصہ میں ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ کا موقوف قول اور فتوٰی ہے۔ اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ فریق ثانی کا یہ نظریہ ہے کہ در موقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مقابلہ میں تو کسی کا قول پیش ہی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ایک مقام پر امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ بھلا حضرت علیؓ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی بات کہہ سکتے ہیں؟ اور اگر آپ کے خلاف ان سے کوئی سند صحیح بھی ہو تب بھی حضورؐ کی بات ان پر اور دوسروں پر حجت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے ہوتے ہوئے کسی امتی کے قول کو کیسے حجت قرار دیا جا سکتا ہے۔؟

(سنن الکبرٰی جلد ۲ صـ۱۷۳) آپ ترتیب وار جوابات سنئے۔

۱۔ حرف مَنْ کے عموم میں نص قطعی نہ ہونے پر سیر حاصل بحث پہلے کی جا چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ کرلیں، اور امام موفق الدینؒ ابن قدامہؒ اور علامہ شمس الدین الحنبلیؒ

کے حوالے سے عرض کیا گیا ہے کہ حضرت عبادہؓ کی سابق حدیث کی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث بھی منفرد سے متعلق ہے۔

۲۔ لفظ خداج سے وجوب اور رکنیت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ بعض مرفوع حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔[1]

الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ وتشھد فی کل	نماز کی دو دو رکعتیں ہیں اور ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے
رکعتین وتبأس وتمسکن واقنع یدیک	اور اپنی عاجزی فقر اور احتیاج کا اقرار کرنا ہے اور دونوں
وتقل اللّٰھم فمن لم یفعل فھی خداج	ہاتھ اٹھا کر یا اللہ یا اللہ کہو جس نے ایسا نہ کیا تو اس کی نماز ناقص اور خداج ہوگی۔

ظاہر ہے کہ نفس نماز تو عاجزی، تمسکن ہاتھ اٹھانے اور اللّٰھم اللّٰھم وغیرہ کہنے کے بغیر بھی بالاتفاق جائز ہے اور فریق ثانی کے نزدیک نماز وتر کی دو رکعتوں کے بعد تشہد بھی نہیں ہے حالانکہ اس حدیث میں ایسا نہ کرنے والے کی نماز پر خداج کا اطلاق ہوا ہے اگر خداج رکنیت کو چاہتا ہے تو ایسا کیوں فرمایا ہے اور فریق ثانی لفظ کل کے عموم سے بھی استدلال کرتا ہے جس کا ذکر عنقریب کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

اعتراض: مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس روایت میں عبداللہؓ بن نافعؒ بن عمیاءؒ راوی کمزور ہے، ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تقریب ص۲۱۸) علاوہ بریں امام لیثؒ بن سعدؒ لفظ خداج کے بجائے کذا وکذا کے الفاظ نقل کرتے ہیں، اور امام شعبہؒ لفظ خداج نقل کرتے ہیں اور امام بخاریؒ لیثؒ بن سعدؒ کی تصویب کرتے ہیں (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۱ ص۴۸)

جواب: یہ ٹھیک ہے کہ بعض حضرات محدثین کرامؒ نے ان کو مجہول کہا ہے اور بعض

---

[1] یہ روایت ترمذی جلد ۱ ص۵۱، ابوداؤد جلد ۱ ص۱۸۳، ابن ماجہ ص۹۵، مسند احمد جلد ۱ ص۲۱۱ جلد ۴ ص۱۶۷، طیالسی ص۱۹۵، سنن الکبریٰ جلد ۲ ص۴۸۸، نیل الاوطار جلد ۲ ص۲۲۶ اور التاج الجامع للاصول جلد ۱ ص۱۸۲ وغیرہ کتابوں میں ہے۔

تے ان کی حدیث کی صحت کا بھی انکار کیا ہے مگر امام ابو حاتمؒ اس حدیث کی تحسین کرتے ہیں۔ (کتاب العلل جلد ۱ صفحہ ۱۳۲) اور غایۃ المأمول جلد ۲ صفحہ ۲ میں لکھا ہے بسند صحیح کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اور مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی راوی پر جہالت کا الزام ہو اور ابن حبانؒ اس کو ثقات میں بیان کر دیں تو اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے (ابکار المنن صفحہ ۱۳۱) اور ان کو ابن حبانؒ بھی ثقات میں بتاتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۱۵۸) تو ان کے مسلّم قاعدہ کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔ رہا امام لیثؒ بن سعدؒ کا قصہ تو وہ بھی سن لیجئے امام لیثؒ بن سعدؒ بھی اس روایت کو لفظ خداج سے روایت کرتے ہیں (دیکھئے سنن الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۸۸ وغیرہ) اور لیثؒ بن سعدؒ کے ایک شاگرد عبد اللہؒ کے علاوہ باقی سب لفظ خداج ہی سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں، اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد ضروری ہے، لہذا وتروں کا بھی یہی حکم ہو گا اور فریق ثانی کا انکار باطل ہے خصوصاً جب کہ لفظ کل کے عموم کے بھی منکی ہیں پھر وہ وتشہد فی کل رکعتین کا کیونکر انکار کرتے یا کر سکتے ہیں؟ مگر اس کو کیا کہا جائے کہ وہ اپنی رائے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس میں شبہ نہیں اور صریح صحیح و مرفوع روایتوں میں اس کی بڑی تشدید آئی ہے کہ رکوع وغیرہ میں امام سے پہلے مقتدی کو سر اٹھانے کی گنجائش اور اجازت نہیں ہے مگر ایسا کرنا رکن شکنی نہیں ہے جس سے کہ سرے سے نماز ہی نہ ہو سکے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو جس نے آپ سے قبل ہی سر رکوع سے اٹھا لیا تھا۔ خطاب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا اتقوا خداج الصلوٰۃ۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۳) کہ تم ناقص (اور خداج) نماز سے بچو اس حدیث میں بھی غیر رکن پر لفظ خداج کا اطلاق ہوا ہے مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ان احادیث میں خداج کا معنیٰ نقصان وصفی کے لیے کیا گیا ہے اور یہ مجازی معنیٰ ہے اور فاتحہ کو حنفی بھی واجب کہتے ہیں (محصلہ صفحہ ۱۷۱) الجواب: حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث میں بھی نقصان وصفی ہی مراد لیں کیونکہ وہاں بھی قوی قرائن موجود ہیں اور خود حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت بھی ایک قرینہ ہے جو آثار صحابہؓ میں گذر چکی ہے کہ وہ جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے اور حنفیوں کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ واجب ہی نہیں ہے اور بحث اسی میں ہے منفرد اور امام کی بات نہیں ہو رہی۔

۳۔ جیسے لفظ خداج کا اطلاق ایسے موقع اور محل پر ہوا ہے جو رکن نہیں اسی طرح لفظ غیر تمام بھی غیر رکن کے ترک پر بولا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا اقامۃ الصف من تمام الصلوٰۃ (بخاری جلد ۱ ص۱۰۰) کہ صف کو سیدھا کرنا نماز کے اتمام میں داخل ہے۔ فان تسویۃ الصفوف من تمام الصلوٰۃ (مسلم جلد ۱ ص۱۸۲ ومسند احمد جلد ۳ ص۱۷۷) کہ بلاشک صفوں کا درست کرنا اتمام صلوٰۃ سے ہے اور اسی قسم کے الفاظ مسند طیالسی ص۲۶۶ وغیرہ میں مروی ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ صفوں کی درستگی کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اس کا خاص لحاظ فرمایا کرتے تھے لیکن تسویہ صفوف آخر رکن صلوٰۃ بھی تو نہیں ہے کہ اس کے بغیر مطلقاً نماز ہی صحیح نہ ہو اسی طرح ایک روایت میں یوں ارشاد ہوا ہے۔ لا تتم صلوٰۃ احدکم حتیٰ یسبغ الوضوٗ (دارقطنی جلد ۱ ص۳۵) تم میں کسی کی نماز مکمل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ وضو کی تکمیل نہ کرے ظاہر ہے کہ اسباغ وضو میں تین تین بار دھونا اور اطالہ وغیرہ کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ نماز کے لیے ضروری نہیں ہے، ایک دفعہ وضوء کرنا کافی ہے اور دو مرتبہ کامل وضو ہے اور تین مرتبہ کا اکمل جیسا کہ حضرات محدثین کرامؒ نے باب الوضوء مرۃ مرۃ۔ باب الوضوء مرتین مرتین اور باب الوضوء ثلاثا ثلاثا قائم کر کے اور ان کے تحت مرفوع قولی اور فعلی حدیثیں درج کر کے یہ بات واضح کر دی ہے، اس حدیث میں بھی غیر رکن پر لا تتم کے الفاظ اطلاق کیے گئے ہیں ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ من تمام الصلوٰۃ، الصلوٰۃ فی النعلین (مجمع الزوائد جلد ۱ ص۱۶۳) کہ نماز کا اتمام اور اس کی تکمیل یہ ہے کہ جوتوں میں نماز پڑھی جائے اگر من تمام الصلوٰۃ یا غیر تمام وغیرہ الفاظ رکنیت کو چاہتے ہیں تو جوتوں میں نماز پڑھنا بھی رکن ہونا چاہیے، اور حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں غیر تمام تفسیر لقولہ علیہ السلام وھذا اللفظ لا یقتضی الرکنیۃ (فتاویٰ ص۲۹) کہ غیر تمام کا جملہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشاد (خداج) کی تفسیر ہے لیکن یہ لفظ رکنیت کو نہیں چاہتا، امام ابن دقیق العیدؒ ایک مقام پر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تمام الشئ امر زائد علی وجود حقیقتہ (احکام الاحکام جلد ۱ ص۱۹۵) کہ اصل شے کی حقیقت سے تمام کا مفہوم زائد ہے، اس کو یوں سمجھیے کہ لنگڑا اپاہج اور اندھا وغیرہ بھی تو

آخر انسان ہے ان نقائص کی وجہ سے اس کی انسانیت کا انکار تو ہرگز نہیں ہو سکتا، ہاں البتہ اگر یہ اعضاء بھی صحیح ہوتے تو وہ کامل اور مکمل انسان کہلاتا۔ آپ ملاحظہ کر چکے کہ لفظ خداج کی طرح غیر تمام کا جملہ بھی ڈکنیت کو نہیں چاہتا اور اس پر فریق ثانی کے استدلال کی عمارت قائم تھی۔

۴۔ قراۃ فی النفس کے معنی عربی قواعد کے لحاظ سے زبان کے ساتھ آہستہ پڑھنے کے علاوہ اپنے دل ہی دل میں تدبر اور غور کرنے اور منفرد اور اکیلے ہو کر پڑھنے کے بھی آتے ہیں اور جب تک یہ دو معنی اور بھی موجود ہیں تو فریق ثانی کا قطعی اور حتمی طور پر یہ دعویٰ کیسے مسموع ہو سکتا ہے کہ قراءت فی النفس سے آہستہ زبان کے ساتھ پڑھنا ہی مراد ہے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوہریرہؓ کے اس موقوف اثر اور فتوے کا مطلب یہ ہو کہ اے سائل جب تم امام کے پیچھے اقتدار کر چکے ہو تو اپنے دل ہی دل میں سورۃ فاتحہ کا تدبر اور غور کیا کرو اقرأ بہا فی نفسك اور زبان کو حرکت تک نہ دینا۔ اس روایت کا یہی مطلب حافظ المغرب امام ابن عبد البرؒ نے بیان کیا ہے اور اس کا بھی قوی احتمال ہے اور یا یہ معنیٰ ہو کہ اے سائل تم نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا سوال کیا ہے لیکن اقرأ بہا فی نفسك جب تم اکیلے اور منفرد ہوا کرو تو اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھا کرو گو اس اعتبار سے اسلوب حکیم کے پیش نظر حضرت ابوہریرہؓ نے سائل کو یہ بتایا کہ جب تم منفرد اور اکیلے ہوتے ہو تو اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھا کرو۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے اس کا بھی قوی احتمال ہے اور اگر اس کو آپ معنیٰ اور مطلب کہنے پر آمادہ نہیں تو صحیح احادیث کے ساتھ تطبیق دینے کی ایک جائز تاویل ہی کر لیجئے، امام نوویؒ حضرت ابوہریرہؓ ہی کے ایک موقوف اثر کے بارے میں جو ایک مرفوع حدیث کے مخالف ہے، لکھتے ہیں، متاول او مردود (شرح مسلم جلد ۲ ص۲۶۵) اس کی کوئی مناسب تاویل کر لی جائے گی یا اس کو رد کر دیا جائے گا پہلے تو اس اثر میں علاءؒ بن عبد الرحمٰنؒ موجود ہے جس کا حال آپ سن چکے ہیں پھر یہ ابوہریرہؓ پر موقوف ہے اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی مرفوع روایت کے مقابلہ میں قابل التفات نہیں ہے اور اس کا ایک صحیح محمل بیان کر کے صحیح روایات کے ساتھ منطبق کرنا یہ تو انتہائی خوش عقیدتی اور حسن ظنی ہے قراۃ فی النفس تدبر کے معنیٰ میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یؤم القوم اقرأهم لکتاب اللہ (مسلم جلد ا ص۲۳۶ ابوداؤد ج ۱ ص۹۳ ترمذی ج ۱ ص۳۲)

قوم کا امام وہی ہو جو بڑا عالم کتاب اللہ ہو۔ امام نوویؒ اقرأ کا معنی افقہ بھی نقل کرتے ہیں اصل عبارت یوں ہے واجابوا عن الحدیث بان الاقرأ من الصحابۃ کان ھوالافقہ اھ (نووی ص۲۳۶) اور انہوں نے حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں جو اقرأ ہوتا تھا وہی افقہ ہوتا تھا یعنی جو شخص قرآن کریم کا سب سے بڑا عالم اور اس کے معانی پر غور اور فکر و تدبر کرنے والا ہو تو وہی شخص قوم کا امام ہونا چاہیئے اور اگر علم قرأت اور تجوید پر بھی اس کی گہری نگاہ ہو تو نورٌ علی نور، اور صاحب تاج العروس اس کا معنی کرتے ہیں اقرأ اصحابہ واتقن للقرآن واحفظ کروہ شخص امام ہو جو دوسروں سے زیادہ معیاری عبور اور تدبر کرنے والا اور الفاظ و معانی کا حافظ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اذا قرأتہا فی نفسك لم یکتبا ما (نہایہ جلد ۴ ص۲۹) جب تم دل میں پڑھتے ہو تو وہ دونوں فرشتے اس کو نہیں لکھتے، دل میں پڑھنے کا مطلب جس کو کراماً کاتبین بھی نہ لکھیں غور کر لے اور تدبر کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تمہارا وضو ٹوٹ چکا ہے تو محض اس وسوسہ کی بناء پر نماز نہ چھوڑ دینا بلکہ یہ کہہ دیا کرو کَذَبْتَ اے شیطان تم جھوٹ بک رہے ہو مگر یہ کہنا فی نفسہٖ ہو امام ابن حبانؒ نے اپنے صحیح میں فی نفسہٖ کی زیادت روایت کی ہے (بلوغ المرامؒ) سوچیے کہ بحالت نماز دل میں شیطان لعین کو یہ کہنا کہ تم جھوٹ بکتے ہو میرا وضو نہیں ٹوٹا بغیر تدبر اور غور کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ مشہور تابعیؒ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اذا طلّق فی نفسہٖ فلیس بشیئٍ (بخاری جلد ۲ ص۷۹۴) جب کوئی شخص اپنے دل میں طلاق دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے طلق فی النفس کا مطلب بغیر تدبر اور غور کے اور کیا ہو سکتا ہے زبان سے طلاق کا لفظ کہنے سے گو منحرو پن سے کیوں نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے حضرت عمرؓ نے ایک مشورہ کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا وکنت زوّرت مقالۃ (بخاری جلد ۲ ص۱۰۱۰) میں نے اپنے دل میں ایک مقالہ تیار کیا تھا، ظاہر ہے کہ قلبی مقالہ تدبر اور غور کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ حضرات ائمہ متکلمین نے کلام لفظی اور کلام نفسی پر روشنی ڈالی ہے اور اس پر متفق ہیں کہ کلام نفسی پر بھی کلام کا اطلاق صحیح ہے بلکہ حقیقت شناسی سے کام لیا جائے تو اصل کلام ہی دل کا کلام ہے۔

ان الکلام لفی الفؤاد وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

بے شک کلام تو درحقیقت دل ہی کا کلام ہے، زبان تو صرف اس کلام کو ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

ان تمام اقتباسات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ دل کے اندر غور اور تدبر و فکر کرنے پر بھی قرأت، قول، مقالہ اور کلام وغیرہ کا اطلاق جائز اور صحیح ہے اور اس کا انکار کرنا باطل ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے امام بیہقیؒ کے حوالہ سے جو یہ لکھا ہے کہ دل میں تدبر کرنے پر بالاجماع قرأت کا اطلاق نہیں ہوتا (محصلہ ص۵۷) تو یہ قابل قبول نہیں اس لیے کہ ہم حضرت ابن عباسؓ اور امام ابن عبد البرؒ وغیرہ کے حوالہ سے عرض کر چکے ہیں کہ دل کے تدبر پر بھی قرأت کا اطلاق ہوتا ہے محض بے دلیل خوش کن لفظ اجماع سے کچھ نہیں بنتا۔ فریق ثانی ہی ازراہ کرم یہ فرمائے کہ ایک شخص کسی کتاب یا اخبار وغیرہ کو دل ہی دل میں پڑھتا ہے اور زبان کو حرکت تک نہیں دیتا کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ اس نے کتاب اور اخبار کی قرأۃ کی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً اثبات ہی میں ہونا چاہیئے تو اس غور اور تدبر پر قرأۃ فی النفس کا اطلاق کیسے صحیح ہوا؟ رہا حضرت امام بیہقیؒ، امام نوویؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ کا یہ اعتراض کہ اگر دل میں تدبر اور غور کرنے پر قرأت کا اطلاق صحیح ہے تو جنبی وغیرہ جب دل میں قرآن کریم پر تدبر کرتا ہے تو وہ گنہگار کیوں نہیں ہوتا حالانکہ زبان کے ساتھ پڑھنا اس کے لیے جائز نہیں ہے (کتاب القرأۃ ص۱۷، نووی جلد ۱ ص۱۷۰، تحقیق الکلام جلد ۲ ص۴۲) تو یہ ایک سطحی قسم کا سوال اور مغالطہ ہے، کیونکہ جنبی کے لیے تلفظ اور زبان سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے تکلم اور تلفظ شرط ہے یہ نہیں کہ دل میں طلاق کے تدبر پر طلاق فی النفس کا اطلاق ہی صحیح نہیں ہے؟ بہر حال یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، کہ دل کے اندر غور اور تدبر کرنے پر قرأت، مقالہ اور قول کا اطلاق صحیح ہے آخر حضرات مفسرین کرامؒ کے ایک معتدبہ گروہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد کو کہ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّکَانًا۔ اپنے جی میں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا بلکہ تم بدتر ہو درجہ میں یہی مطلب تو بیان کیا ہے کہ انہوں نے یہ بات اپنے دل میں کہی اور سیاق و سباق سے یہی تفسیر قرین قیاس معلوم ہوتی ہے گو دوسری تفسیر کا بھی احتمال ہے، جب یہ ثابت ہو گیا کہ

دل میں غور و فکر اور تدبر بھی قرأت فی النفس کا اطلاق صحیح ہے تو اس احتمال کی موجودگی میں فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا، قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں ومع الاحتمال یسقط الاستدلال (نیل الاوطار جلد ا ص۱۹۰) احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال ساقط الاعتبار ہے یعنی ایسا احتمال جو ناشئ عن دلیل ہو محض احتمال سے استدلال پر کوئی زد نہیں پڑتی (غیث الغمام ص۲۶) اور یہاں احتمال ناشئ عن دلیل ہی ہے کما لا یخفیٰ۔ یہاں تک جو بحث ہوئی وہ اس امر کی تھی کہ اس حدیث کا مطلب حافظ ابن عبدالبرؒ وغیرہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اقرأبہا فی نفسك کا معنیٰ ہے دل میں اس پر غور و فکر اور تدبر کرنا ہے، اور قواعد شرعیہ سے اس کا ثبوت موجود ہے جو عرض کر دیا گیا ہے اب آپ اقرأبہا فی نفسك کا دوسرا معنیٰ بھی سن لیں کہ فی نفس کے معنیٰ اکیلے اور منفرد کے بھی آتے ہیں چند نظائر اور نقول عرض ہیں غور کریں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ آپ جب ان (خاص قسم کے) لوگوں کو وعظ کریں تو قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا (پ۵، نساء) آپ ان میں سے ہر ایک ایک اور اکیلے اکیلے کو انتہائی بلیغ بات کہدیجئے اس آیت میں فی نفس کا معنیٰ امام عربیت علامہ زمخشریؒ نے تفسیر کشاف جلد ۲ ص۳۷۸ میں اور امام رازیؒ نے تفسیر کبیر جلد ۳ ص۲۷۰) میں اور اسی طرح دوسرے بعض مفسّرین نے جن میں قاضی بیضاویؒ اور صاحبؒ روح المعانی وغیرہ شامل ہیں یہی معنیٰ کئے ہیں اور اسی طرح کا معنیٰ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے (دیکھئے فتح الملہم جلد ۲ ص۲۸ وغیرہ) ایک حدیث قدسی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہ فی ملاءٍ خیر منھم الحدیث (بخاری جلد ۲ ص۱۱۰۱ مسلم جلد ۲ ص۳۴۳، مسند احمد جلد ۳ ص۱۳۸)	میرا کوئی بندہ جب مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس جماعت سے بہتر جماعت میں اس کو یاد کرتا ہوں۔

اس حدیث میں فی نفسہٖ تنہا اور اکیلے کے معنیٰ میں ہے کیونکہ اس کا تقابل فی ملاءٍ جماعت سے کیا گیا ہے اور کنز العمال جلد ا ص۱۰۱ میں فی نفسہٖ کے بجائے خالیا

(اکیلا اور منفرد) کا لفظ آیا ہے جو صراحت سے اس مفہوم کو ادا کرتا ہے اور قاموس میں فی نفس کے معنیٰ اکیلے کے بیان کئے گئے ہیں (فصل الخطاب ص۲۲) اور فن نحو کی کتابوں میں اسم فعل اور حرف کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے کون طالب علم ناواقف ہو سکتا ہے؟ اسم وہ کلمہ ہے جو فی نفسہٖ اپنے معنیٰ پر دلالت کرے اور ضم ضمیمہ کا محتاج نہ ہو فعل وہ کلمہ ہے جو فی نفسہٖ اپنا معنیٰ دے اور ضم ضمیمہ کا مفتقر نہ ہو لیکن ماضی وحال اور استقبال میں سے کوئی زمانہ اس میں پایا جائے اور حرف وہ کلمہ ہے جو فی نفسہٖ اپنا معنیٰ ادا نہ کر سکے بلکہ اسم اور فعل سے مل کر اپنا مفہوم ادا کرے، ان مواقع میں فی نفسہٖ کا معنیٰ اکیلا اور منفرد ہی ہے کہ اسم و فعل اکیلے اور تنہا اپنا معنیٰ دیتے ہیں مگر حرف اکیلا معنیٰ نہیں ادا کرتا عرف عام میں بھی فی نفسہٖ کا معنیٰ اکیلے اور منفرد کے آتے ہیں کیا لوگ یہ نہیں کہا کرتے فلاں شخص فی نفسہٖ بڑا شریف (یا بُرا) ہے یعنی اگر اس کو اس کے رفقاء جماعت، سوسائٹی اور گرد و پیش کے ماحول سے الگ کر کے اکیلا دیکھا جائے تو بڑا شریف (یا بُرا) ہے جب قرآن کریم، صحیح حدیث ائمہ لغت و تفسیر اور علم نحو بلکہ عرف عام سے یہ ثابت ہے کہ فی نفس کے معنیٰ اکیلے اور منفرد کے بھی آتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہؓ کے اس موقوف اثر کا یہ معنیٰ کیوں نہ ہو جائے کہ اقرأ بہا فی نفسک جب تم اکیلے اور منفرد ہوا کرو تو اس وقت سورۂ فاتحہ پڑھا کرو، تاکہ نہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح و مرفوع حدیثوں سے اس کا تعارض پیدا ہو اور نہ مخالفت لازم آئے، شاید ایسے ہی موقع کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی، آخر حضرت ابو ہریرہؓ نے ابوالسائبؒ کا بازو (فغمز ذراعی) بلاوجہ تھوڑا ہی دبایا تھا جواب کوئی مخصوص ہی ہوگا ؎

اور ہوں گے جو سہیں اُن کی جفائیں بے محل
ہم کسی کا غمزۂ بے جا اٹھا سکتے نہیں

قارئین کرام! حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کا پس منظر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم لفظ خداج کی مناسبت سے وہ جملہ روایتیں جو ہماری نظر سے گذری ہیں یہیں ہی نقل کر کے ان پر روایتی اور درایتی کلام کرتے جائیں اور پھر حدیث عبادہؓ کا ذکر کریں۔

احادیث خداج اور مخدجہ کی بحث

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بفاتحۃ الکتاب وشیٔ فہی خداج (کتاب القرأۃ ص۲۱)

جس نماز میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور نہ پڑھا جائے تو وہ نماز خداج اور ناقص ہوگی۔

جواب:۔ اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لئے کہ اس کی سند میں جبارۃ بن المغلسؒ راوی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ مضطرب الحدیث تھا امام ابن معینؒ اس کو کذاب کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص۱۷۹) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں بعض جعلی اور موضوع بھی ہیں، ابوزرعہؒ نے ان سے روایت ترک کردی تھی، ابن سعدؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں، ابوداؤدؒ نے اس سے ترک روایت کا یہ عذر پیش کیا ہے کہ وہ صاحب مناکیر تھا محدث بزارؒ اس کو کثیر الخطأ کہتے ہیں ابن حبانؒ کا بیان ہے کہ وہ اسانید میں ہیرپھیر کردیا کرتا تھا اور اس کی حدیث سے احتجاج صحیح نہیں ہے، دارقطنیؒ اس کو متروک کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۵۸) دوسرا راوی اس سند کا شبیب بن شیبہؒ ہے امام یحییٰؒ اس کو لیس بثقۃ اور امام نسائیؒ و دارقطنیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں، امام ابوحاتمؒ اور ابوزرعہؒ اس کو لیس بالقوی اور ابوداؤدؒ اس کو لیس بشیٔ کہتے ہیں (میزان جلد ۱ ص۴۴۲) وثانیاً اس میں خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے اور لفظ کل کی بحث عنقریب آرہی ہے وثالثاً اس میں وشیٔ کی زیادت بھی موجود ہے مگر فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے ورابعاً بسند صحیح وحسن حضرت عائشہؓ سے ایک روایت پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأۃ سورۂ فاتحہ کی قائل نہ تھیں، اگر یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو ہرگز اس کے خلاف نہ کرتیں، حضرت عائشہؓ سے ایک روایت مرفوعاً ان الفاظ سے مروی ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج فہی خداج (مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۱ وکتاب القرأۃ ص۳۱) ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے ناقص ہے، لیکن اس کی سند میں عبداللہؒ بن لہیعہؒ ہے، امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن مہدیؒ اور یحییٰؒ بن سعیدؒ اور وکیعؒ نے ان سے روایت بالکل ترک کردی تھی ابواحمد حاکمؒ ان کو ذاہب الحدیث کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کی روایت کو

واجب الترک کہتے ہیں۔ اور ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے، ابوزرعہؒ کا بیان ہے کہ وہ صاحب ضبط نہ تھے، امام نسائیؒ ان کو لیس بثقہ کہتے ہیں، ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ ان کی روایت حجت نہیں ہو سکتی، ابن قتیبہؒ ان کی تضعیف کرتے ہیں علامہ خطیبؒ کہتے ہیں کہ وہ تساہل کی وجہ سے کثرت مناکیر کا شکار ہوگئے تھے، ابن معینؒ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۷۶ ۲۷۹ محصلہ) امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے جلد ۱ ص ۲) حضرت عائشہؓ کی ایک مرفوع روایت ان الفاظ سے مروی ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام الکتاب فھی خداج (ابن ماجہ ص ۶۰ و کتاب القرأۃ ص ۳۱) ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ ناقص ہوگی۔

لیکن اس کی سند میں محمد بن اسحاقؒ ہے جس کا ذکر عنقریب کیا جائے گا نیز وہ عنعنہ بھی کرتا ہے اور جزء القرأۃ (ص ۷) میں بھی حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً یوں مروی ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا فھی خداج اور اس کی سند میں بھی محمد ابن اسحاقؒ ہے اور متن میں فاتحہ کی تعیین نہیں ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فھی خداج غیر تمام (کتاب القرأۃ ص ۳۳ و توجیہ النظر ص ۲۴۲) جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص اور نامکمل ہوگی، لیکن اس روایت میں ایک راوی محمدؒ بن حمیر ہے اگرچہ جمہور محدثین کرامؒ اس کی توثیق کرتے ہیں لیکن امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے فسویؒ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا علامہ ذہبیؒ انکو صاحب غرائب اور افراد کہتے ہیں (میزان ص ۴۵) حافظ ابن حجرؒ بھی امام یعقوبؒ بن سفیان الفسویؒ سے یہی قول نقل کرتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۱۳۵ ج ۹) دوسرا راوی اس سند کا عبداللہ بن عمر العمریؒ ہے، امام یحییٰؒ ان سے روایت نہیں لیتے تھے، امام نسائیؒ انکو لیس بالقوی کہتے ہیں۔

ابن مدینیؒ ان کو ضعیف کہتے ہیں، ابن حبانؒ کا بیان ہے کہ وہ کثرت خطاء کی وجہ سے قابل ترک تھے (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۵۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (تقریب ص ۲۰۸) تیسرا راوی اس کڑی کا اسمٰعیل بن عیاشؒ ہے، امام مسلمؒ لکھتے ہیں کہ ان کی کوئی روایت قابل حجت نہیں ہے معروف راویوں سے ہو یا مجہول سے (جلد ۱ ص ۱۸) لیکن محدث دحیمؒ وغیرہ نے یہ

فیصلہ درج کیا ہے کہ اسمعیلؒ مذکور کی ہر وہ روایت جو اہل مدینہ سے ہو ضعیف اور کمزور ہوتی ہے (میزان جلد ۱ صـ۱۱۲ و تھذیب التھذیب جلد ۱ صـ۳۲۴) اور یہ روایت بھی عبداللہ بن عمر مدنی سے ہے۔ دوسری سند میں اگرچہ عبدالرحیم بن سلیمانؒ، اسمعیلؒ مذکور کا متابع ہے اور وہ خود ثقہ ہے مگر اس کی سند کمزور ہے لہذا اس کی متابعت کالعدم ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے مرفوعاً روایت ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداجۃ فھی خداجۃ (مجمع الزوائد جلد ۲ صـ۱۱۱) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے لیکن اس کی سند میں سعید بن سلیمان النشیطی ہے، امام ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامت کے خواہاں ہیں وہ قوی نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد صـ۱۱۱/۲) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ اس میں کلام اور نظر ہے، ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ میں اس سے روایت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں دار قطنیؒ کہتے ہیں کہ محدثینؒ اس میں کلام کرتے ہیں۔ (تھذیب التھذیب جلد ۴ صـ۴۵/۴۴) حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ سے مرفوعاً ایک روایت یوں مروی ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فھی خداج (ابن ماجہ صـ۶۱) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص، ناقص ہے لیکن اس کی سند یوں ہے عن عمروؒ بن شعیبؒ عن ابیہ عن جدہؓ اور جلد اول بحث سکتات امام میں اس پر سیر حاصل بحث گذر چکی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ سے مرفوعاً ایک روایت اس طرح مروی ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فھی خداج (کتاب القراۃ صـ۳۲) جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے لیکن اس کی سند میں ایک راوی عبدالوہابؒ بن عطاءؒ ہے، امام ساجیؒ اور ابو حاتمؒ کہتے ہیں لیس بالقوی عندھم محدثین کے نزدیک یہ قوی نہیں ہے، امام نسائیؒ ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں امام احمدؒ ان کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں، امام بزارؒ کہتے ہیں لیس بالقوی، امام ابن حبانؒ ان کی ایک روایت کو موضوع اور جعلی بتاتے ہیں (تھذیب التھذیب جلد ۶ صـ۴۵۱/۴۵۲) دوسرا راوی اس سند کا محمد بن اسحاقؒ ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور تیسرا راوی (بلکہ کڑی) عمروؒ بن شعیبؒ عن ابیہ عن جدہؓ ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے ان کی ایک روایت مرفوعاً یوں ہے

کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج (کتاب القرأۃ ص۶۹) اس کی سند میں عمروؒ بن شعیبؒ الخ کے علاوہ ابو الصلت ھروی ہے، امام ساجیؒ، نسائیؒ، ابو زرعہؒ، ابو حاتمؒ اس کو ضعیف لکھتے ہیں مسلمہؒ اور ابن طاہرؒ اس کو کذاب کہتے ہیں، دارقطنیؒ اور عقیلیؒ اس کو رافضی خبیث کہتے ہیں (تہذیب جلد ۶ ص۳۲۰) حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ کی ایک مرفوع روایت یوں ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فھی مخدجۃ مخدجۃ مخدجۃ (کتاب القرأۃ ص۳۲) جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی وہ ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے لیکن اس میں عمروؒ بن شعیبؒ عن ابیہؒ عن جدہؒ واقع ہے اور علاوہ بریں اس سند کا ایک راوی عامر احولؒ ہے امام احمدؒ ان کو لیس بالقوی اور ضعیف الحدیث کہتے ہیں امام نسائیؒ کا بیان ہے کہ وہ قوی نہ تھے، محدث حمیدؒ بن اسودؒ اس کو کمزور اور ضعیف کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص۶ و تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۶۶) امام ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے (توجیہ النظر ص۲۷۵) مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ منکر وہ حدیث ہے جس میں ضعیف اور کمزور راوی متفرد ہو (تحفۃ الاحوذی ج۲ ص۶) پس یہ جرح مبہم نہیں بلکہ مفسر ہے مؤلف "خیر الکلام" کا اس کو مبہم کہہ کر ٹال دینا غیر مقبول ہے ان کی ایک روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے کہ سورۂ فاتحہ سکتات امام میں پڑھنی چاہیئے ورنہ نماز خداج غیر تمام ہوگی (کتاب القرأۃ ص۵۴، ۵۵) اس میں بھی عمروؒ بن شعیبؒ واقع ہے اور دوسرا راوی محمدؒ بن عبد اللہؒ بن عبیدؒ بن عمیرؒ ہے سکتات امام کی بحث دیکھیئے۔ اس پر باحوالہ جرح وہاں نقل کر دی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے الرکعتین اللتین لا یقرأ فیھما خداج فقال رجل یا رسول اللہ ارأیت ان لم یکن معی الا ام القرآن قال ھی حسبک ھی السبع المثانی (کتاب القرأۃ ص۸) وہ دو رکعتیں جن میں قرأت نہ کی جائے وہ ناقص ہوں گی ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ فرمایئے کہ اگر مجھے صرف سورۂ فاتحہ ہی یاد ہو؟ آپ نے فرمایا تجھے یہی کافی ہے کیونکہ یہ سبع مثانی ہے اس کی سند میں ابراہیمؒ بن فضلؒ ہے امام نسائیؒ کہتے ہیں وہ متروک ہے (ضعفاء ص۳۶) علامہ ذہبیؒ امام ابن معینؒ امام احمدؒ ابو زرعہؒ اور دیگر محدثینؒ اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں، ترمذیؒ کہتے ہیں اور یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث

سے ابواحمد الحاکمؒ کا بیان ہے کہ وہ قوی نہیں ابن حبانؒ ان کو کثیر الخطأ کہتے ہیں، ازدیؒ اور دارقطنیؒ اس کو متروک کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۱۵) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں متروک۔ (تقریب صفحہ ۲) علاوہ ازیں حسبک صرف کفایت پر دال ہے مگر فریق ثانی اس کی رکنیت اور وجوب کا مدعی ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی ایک موقوف روایت یوں ہے اقرؤا اذا سکتوا و اسکتوا اذا قرأوا فان الصلوٰۃ الخدجیۃ التی لا قراءۃ فیہا (کتاب القرأۃ صفحہ ۶۶) تم قرأت کیا کرو جب امام خاموش ہوں اور جب وہ پڑھیں تو تم خاموش رہو کیونکہ جس نماز میں قرأت نہ ہو وہ ناقص ہے، اس روایت میں باوجود موقوف ہونے کے سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے علاوہ بریں اس میں اسحاق بن عبداللہؒ بن ابی فروہؒ ہے امام علی بن المدینیؒ اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں، ابن عمارؒ اس کو ضعیف اور ذاہب الحدیث کہتے ہیں ابوزرعہؒ، ابوحاتمؒ نسائیؒ، دارقطنیؒ اور برقانیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں۔ ابن خزیمہؒ کہتے ہیں اس کی حدیث سے احتجاج صحیح نہیں ہے خلیلیؒ کا بیان ہے کہ وہ محدثین کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف ہے، امام مالکؒ اور شافعیؒ نے اس کو متروک قرار دیا ہے بزارؒ، ابن جارودؒ، عقیلیؒ، دولابیؒ، ابوالعربؒ، ساجیؒ ابوحاتمؒ، ابن حبانؒ اور ابن شاہینؒ سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۲۴۱ و ۲۴۲)

حضرت ابوامامہؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں من لم یقرأ خلف الامام فصلاتہ خداج۔ (کتاب القرأۃ صفحہ ۵۳ و تحقیق الکلام جلد ا صفحہ ۹۵) جس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی تو اس کی نماز ناقص ہوگی اس کی سند میں سلیمانؒ بن سلمہ حمصیؒ ہے امام ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے ابن جنیدؒ کا بیان ہے کہ وہ جھوٹا ہے نسائیؒ اس کو لیس بشئی کہتے ہیں ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ اس کی بے شمار حدیثیں منکر ہیں خطیبؒ کہتے ہیں کہ مشہور بالضعف یعنی بد بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا (میزان جلد ا صفحہ ۴۱۶ ولسان جلد ۳ صفحہ ۹۳) علاوہ بریں اس میں سورۂ فاتحہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔

ایک دیہاتی گنوار (رجل من اہل بادیۃ) اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قیدی تھا کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا فاتحۃ الکتاب

فھی خداج لم تقبل (کتاب القرأۃ ص۳۵ و تحقیق الکلام جلد ۱ ص۹۵) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو تو وہ ناقص ہوگی اور قابلِ قبول نہ ہوگی۔ مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۲ میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس میں خداج کا لفظ نہیں ہے اس روایت میں یہ دیہاتی گنوار خود کون اور کیسا تھا؟ اور اس کا باپ کون تھا اور کیسا تھا؟ فن رجال اس سے خاموش ہے علامہ ہیثمیؒ لکھتے ہیں فیہ رجل لم یسمّ اس میں مجہول راوی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قیدی اکثر کافر ہوتے تھے نہ معلوم یہ قیدی کس حالت میں تھا؟ اور کون تھا؟

حضرت مہرانؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا من لم یقرأ بام الکتاب خلف الامام فصلاتہ خداج (کتاب القرأۃ و مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۱) کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہوگی، اس روایت کی سند میں عبدالرحمٰنؒ بن سوارؒ وغیرہ مجہول راوی موجود ہیں جن کا کتب رجال سے کوئی پتہ نہیں چلتا علامہ ہیثمیؒ لکھتے ہیں فی اسنادہ جماعۃ لا اعرفھم (مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۱) کہ اس کی سند میں مجہول راویوں کا ایک گروہ ہے جن کا مجھے علم نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج الا ان یکون وراء الامام (دارقطنی جلد ۱ ص۱۲۴) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوگی ہاں مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے ہو، امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں یحییٰؒ بن سلامؒ ہے جو ضعیف ہے، اور یہ حدیث موقوف ہے (جلد ۱ ص۱۲۴) علاوہ بریں اس روایت میں الا ان یکون وراء الامام کی استثناء بھی ہے جو فریق ثانی کو سراسر مخالفت پڑتی ہے خداج کی بعض روایات پر جلد اول کی بحث سکتات امام میں کلام کیا جا چکا ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قارئین کرام! یہ ہیں خداج کی وہ ضعیف، کمزور، معلل، منکر، متروک اور لیست مجہولہ حدیثیں جن کے بل بوتے پر فریق ثانی نے تمام دنیا کے علماء احناف کو کھلا انعامی چیلنج کیا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃِ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے،

بیکار ہے اور باطل ہے (بلفظہٖ) اور ازراہِ انصاف اور دیانت اس پر غور نہ کیا کہ جو جماعت اور فریق قرآن کریم، صحیح احادیث، صحیح آثار حضرات صحابہؓ اور اکثر سلف وخلف (اور جہری نمازوں میں تو بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ قرآن، حدیث اور اجماع کا مخالف اور منکر ہے) کے خلاف چلتا ہے کہیں انہیں کی نماز میں خرابی نہ ہوتی ہو، دُنیا کو چیلنج دینے سے قبل ٹھنڈے دل سے سوچنے کا پہلو یہ تھا سہ

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھنے تو سہی　　　ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

تصویر کا دُوسرا رُخ

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ خداج مخدجۃ اور فخدجۃ کی روایات کا روایتی پہلو کیا ہے؟ اور ان کی اسانید کیسی ہیں؟ اور ان کے راویوں کا کیا پایہ اور درجہ ہے؟

حضرات! اصل روایت یوں نہیں ہے جس طرح ان کمزور اور ضعیف راویوں نے نقل کی ہے اور استثناء ہضم کر گئے ہیں، اصل حدیث کے الفاظ یوں ہیں (اس مضمون کی بیسیوں سے زائد حدیثیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر سردست ہم صرف چار روایتیں عرض کرتے ہیں)

پہلی روایت:۔ کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج الا صلوٰۃ خلف امام (کتاب القرأۃ ص۳۵) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہو گی مگر ہاں جو امام کے پیچھے پڑھی جائے، اس روایت کا ایک ایک راوی ثقہ ہے جیسا کہ جلد اول باب دوم میں عرض ہو چکا ہے اور الا صلوٰۃ خلف امام کی زیادت کو بیان کرنے والے خالد بن عبد اللہ الطحانؒ ہیں جو بالاتفاق ثقہ، ثبت، حافظ اور الامام تھے، دوسری روایت یوں ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج الا وراء الامام (کتاب القرأۃ ص۱۱) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہو گی مگر ہاں وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اس کی سند بھی صحیح ہے اور اس زیادت کو عبد اللہ بن محمود سعدیؒ نقل کرتے ہیں جو ثقہ اور حافظ تھے جس کی پوری تفصیل پہلی جلد میں نقل کی جا چکی ہے۔ تیسری روایت یوں ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فلا صلوٰۃ لہ الا وراء الامام (کتاب القرأۃ ص۱۳۶) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہو گی مگر امام کے پیچھے اس روایت میں اس زیادت کو علیؒ بن کیسان نے بیان کیا ہے اور

یہ باقی روایتوں کی تائید میں پیش کی جا رہی ہے ۔ چوتھی روایت حضرت جابرؓ کے حوالہ سے ابھی نقل کی جا چکی ہے جس میں اِلَّا وراء الامام کی استثنا موجود ہے ۔ یہ روایت کتاب القراۃ صلا اور دار قطنی جلد ا ص۱۲۴ میں ہے ۔ دار قطنیؒ کہتے ہیں کہ یحیٰی بن سلامؒ ضعیف ہے اور بیہقیؒ کہتے ہیں کہ اس میں یحیٰی بن سلام کا وہم ہے ۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہم اور خطا سے کوئی راوی نہیں بچ سکتا اگر یحیٰیؒ بن سلامؒ کو بھی کبھی وہم اور خطا سے دوچار ہونا پڑا ہے تو اس میں تعجب کی بات کون سی ہے ؟ لیکن ذرا اس راوی کا خلاف والے راویوں سے تقابل تو کر دیکھیں ؟ ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ ان کی حدیث لکھی جا سکتی ہے ، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابوزرعہؒ اُن کی لا بأس بہ لکھتے ہوئے توثیق کرتے ہیں ، ابوحاتمؒ ان کو شیخ اور صدوق کہتے ہیں ابوالعربؒ کہتے ہیں کہ وہ مفسرؒ اور کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ (لسان المیزان جلد ۲ ص۲۶۱) حفاظ حدیث میں اور اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندوں میں تھے اگر فریق ثانی کے نزدیک محض اس وجہ سے کہ یہ اِلَّا ان یکون وراء الامام کی استثنار نقل کرتے ہیں ضعیف ہیں تو یہ نہایت ہی تعجب اور حیرت و افسوس کی بات ہے ، بلکہ ہم فریق ثانی سے معاملہ فہم اور اصحاب علم اور طبقات رواۃ اور رجال پر عمیق اور گہری نگاہ رکھنے والے حضرات کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ وہ جن جن راویوں نے اِلَّا وراء الامام یا اِلَّا خلف الامام وغیرہ کی زیادت نقل کی ہے ، اُن کا اُن راویوں سے موازنہ اور تقابل کر دیکھیں جو اس استثنار کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر بیٹھے ہیں مگر افسوس ہے کہ پھر بھی ان کی حدیثیں قابل اعتبار ہیں اور یہ زیادت نقل کرنے والے باوجود ثقہ ، حافظ اور ثبت ہونے کے قابل ملامت ہیں فوا اسفا ۔

لفظ کُل کی تحقیق

بعض روایات میں (کُلّ صلوٰۃ الخ) لفظ کُل آیا ہے اور بہت سی روایات میں مقتدی کا یا خلف الامام کا ذکر نہیں ہے اور فریق ثانی کی طرف سے لفظ کُل کے عموم کو لے کر ان سے استدلال کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے ، بایں طور کہ گو ان روایتوں میں صراحت کے ساتھ مقتدی پہ سورۃ فاتحہ کی قرأت نہیں سمجھی جاتی لیکن لفظ کُل عام ہے جس سے ہر نماز مراد ہو گی ، مقتدی کی نماز ہو یا منفرد کی اگرچہ اصولی طور پہ ہمارے ذمہ اس کی تحقیق ضروری نہیں ہے کیونکہ

سند کے لحاظ سے ایسی کوئی روایت صحیح نہیں ہے جس میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہو حرف
من کی بحث آپ پڑھ چکے ہیں اور لفظ خداج وغیرہ کے ساتھ جو روایتیں مروی ہیں وہ کمزور اور ضعیف
ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اور سند کے لحاظ سے خداج وغیرہ کی جو جو روایتیں زیادہ صحیح ہیں ان میں
ثقات حفاظ اور ائمہ سے الا ان یکون وراء الامام اور الا وراء الامام کی زیادت بھی مروی ہے
جب اس زیادت اور استثناء کے بغیر خداج اور کل کے الفاظ سے پیش کی گئی کوئی روایت
صحیح نہیں ہے تو اصولی طور پر معنوی اور درایتی کلام کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے مگر ہم صرف
تکمیل کتاب اور افادۂ طلبہ کے لیے چند اقتباسات درج کرتے ہیں جن سے یہ بتلانا مقصود ہے
کہ گو لفظ کل اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے عام ہے لیکن استعمال میں کل اور بعض کے لیے اور عموم
و خصوص کے لیے برابر آ رہا ہے اور اگر وہ عموم و استغراق حقیقی کے لیے آتا ہے تو موقع اور محل
اور داخلی و خارجی قرینہ کا محتاج ہوتا ہے اور اگر کہیں اضافی استغراق اور بعضیت کے لیے مستعمل
ہوتا ہے تب بھی قرینہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا چند اقتباسات ہدیہ کیے جاتے ہیں بغور ملاحظہ کریں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص موقع پر ارشاد فرماتا ہے۔ ثُمَّ
اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا (پ ۳ ۳۰) کہ ان کو فتہ چڑیوں کی ایک ایک جزو ہر پہاڑ
پر رکھ دیں۔ ظاہر امر ہے کہ علیٰ کل جبل سے روئے زمین کے چھوٹے بڑے اور قریب و بعید کے
سب پہاڑ مراد نہیں ہیں اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمالیہ اور نانگا پربت وغیرہ کی چوٹیوں پر
کوفتہ چڑیوں کی بوٹیاں بلکہ قیمہ رکھنے کا مکلف ٹھہرایا گیا تھا اس موقع پر بھی کل جبل سے بعض
مراد ہیں جو بالکل قریب ہوں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے کفر و شرک اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرنے والی قوموں
پر بطور تنبیہ بعض آفاقی اور انفسی تکلیفیں مسلط کیں تاکہ وہ اپنی حرکات سے باز آ جائیں جب انہوں
نے اثر پذیری کا ثبوت نہ دیا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (پ، انعام۔۵) تو ہم
نے ان پر ہر قسم کے دروازے کھول دیے قطعی بات ہے کہ بعض نعمتوں کے دروازے ان پر
کھولے گئے ہوں گے نہ یہ کہ نبوت اور رسالت اور مقبولیت و رضا وغیرہ کے دروازے
بھی ان پر کھول دیے گئے تھے۔

۳- اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ اور وادیٔ غیر ذی زرع کی مقبولیت کا ذکر یوں ارشاد فرماتا ہے
یُجْبٰٓی اِلَیْہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیْءٍ (پ۲۰ رکوع۹) ہر قسم کے میوے وہاں پہنچائے جاتے ہیں،
آج کل کے اس دور ترقی میں بھی جب کہ مختلف طرق سے میوے خشک کر لیے جاتے ہیں اور
سیر و سیاحت و نقل و حرکت کے اسباب فراوانی سے موجود ہیں، سال کے بارہ مہینے مکہ مکرمہ میں
جا کر دیکھ لیجئے کیا ہر قسم کے میوے وہاں پہنچتے ہیں، بلکہ بعض میووں کے نام تک سے اہل مکہ واقف
نہ ہوں گے یہی کہا جائے گا کہ اس بے آب و گیاہ زمین میں ان کی روزی کا یہ سامان کیا گیا کہ بعض میوے
بعض اکناف سے پہنچائے جاتے ہیں۔

۴- حضرت ہود علیہ السلام کی مجرم قوم پہ اللہ تعالیٰ نے بادِ صرصر اور تیز و تند ہوا کے جھونکے
بھیجے تُدَمِّرُ کُلَّ شَیْءٍ (پ۲۶، احقاف ۳) جو ہر چیز کو ہلاک کر گئے، اور یہ بالکل عیاں ہے
کہ زمین و آسمان وغیرہ کے علاوہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بھی تباہ نہ ہوئے تھے۔

۵- تورات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (پ۹، اعراف۱۷)
کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے، یہ بات آشکارا ہے کہ نہ تو واقعۃً تورات میں ہر چیز کی تفصیل
موجود تھی کہ زمین کا ایک ایک ذرہ اس میں درج ہوتا اور نہ تو علوم و معارف کے لحاظ سے وہ سب
احکام اس میں درج تھے جو قرآن کریم میں موجود ہیں ورنہ قرآن کریم کی تورات پہ فوقیت اور
مزیت کیا ہو گی۔

۶- اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ تَفْصِیْلُ لِّکُلِّ
شَیْءٍ اور تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کہ قرآن کریم ہر چیز کی تفصیل اور ہر چیز کا واضح بیان ہے
یہ بالکل ٹھیک ہے کہ قرآن کریم میں عقائد و اعمال اخلاق و معاملات وغیرہ کے اصول اور قوانین
وضاحت اور صراحت کے ساتھ درج ہیں لیکن نماز کی جملہ رکعات، زکوٰۃ کا نصاب، حج، طواف
اور سعی وغیرہ وغیرہ کی تفصیل اور بیان قرآن میں نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی شرح اور اس کی تفسیر
حدیث شریف میں درج ہے اور صحیح حدیث بھی ویسے ہی منزل من اللہ ہے جیسے قرآن کریم۔

۷- حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انعامات کو پیش نظر رکھ کر تحدیث بالنعمۃ کے
طور پہ فرماتے ہیں وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (پ۱۹، نمل ۲) اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے۔ یہ

صحیح ہے کہ نبوت و رسالت، خلافت و سلطنت اور دیگر جو ساز و سامان ان کی شان کے لائق تھا وہ اُن کو عطا کیا گیا تھا لیکن بے شمار اشیاء سے کے علاوہ نہ تو ان کو قرآن کریم عطا ہوا تھا اور نہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت شان اور ختم نبوت اور نہ آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ ان کو عطا ہوئے تھے؟

۸۔ ذوالقرنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اٰتَیْنٰہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا (پ۱۶، کہف) ہم نے اس کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔ یہ واشگاف بات ہے کہ وہی سامان ان کو ملا ہوگا جو ان کے حال اور شان کے مناسب ہوگا نہ یہ کہ آج کل زمانہ سائنس کے آلات، واسلحہ اور ہلاکت خیز اٹیم بم اور ہائیڈروجن بم وغیرہ بھی ان کو ملے تھے۔

۹۔ ملکۂ سبا (بلقیس) کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (پ۱۹ سورۂ نمل، ۲) کہ ہر چیز اس کو عطا کر دی گئی تھی۔ اس کو بہت کچھ ملا ہوگا مگر نبوت و رسالت اور ملک سلیمان علیہ السلام تو ہرگز نہیں ملا تھا۔ بلکہ علامہ ذہبیؒ تو لکھتے ہیں کہ کیا بلقیس کو مخصوص مردانہ عضو اور داڑھی بھی مل گئی تھی؟ (تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۴) قرآن کریم کے ان اقتباسات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ کُل ہمیشہ اور ہر مقام پر کُلی ہی کے معنیٰ میں نہیں آتا بلکہ عموم اضافی اور بعض کے لیے بھی آتا ہے ممکن ہے کسی کوتاہ فہم کو یہ وہم پیدا ہو جائے کہ آخر میں پیش کردہ مقامات میں لفظ کُل پہ حرف مِنْ داخل ہے جو بعض کے لیے آتا ہے لہٰذا بعضیت تو حرف مِنْ سے ثابت ہوتی نہ کہ لفظ کل سے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ لفظ کُل کو ہمیشہ اور ہر مقام میں عموم کے لیے نص قطعی سمجھتے ہیں ان کو حرف مِنْ کا بہانہ بھی مفید نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں مِنْ کُلِّ شَیْءٍ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ ہر چیز سے کچھ اور بعض ان کو عطاء ہوا ہو۔ کیا یہ صحیح ہوگا کہ دنیا میں جتنے بھی مرد گذرے ہیں یا موجود ہیں ہر ایک کی ڈاڑھی اور ہر ایک کی مونچھوں سے بلقیس کو کچھ حصہ عطا ہوا تھا؟ اور کیا یہ صحیح ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سورۂ فاتحہ میں سے اور سورۂ بقرہ میں سے وعلیٰ ہٰذا القیاس قرآن کریم کی جملہ سورتوں میں سے کچھ کچھ ملا تھا؟ کون اس جھمیلے میں پڑے، بہت سی چیزیں گننے کی بھی نہیں ہیں سمجھدار خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہر ہر چیز سے کچھ اور بعض ملنے کا مفہوم کہاں تک صحیح ہے اور اس سے کیا کچھ مراد نہیں لی جا سکتی؟ اب آپ دو تین حدیثیں بھی ملاحظہ کر لیں۔

۱۔ اس مضمون کی ایک روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ ایسی سخت اور زیادہ بارش ہوئی کہ حضرت تُکَلَّ شَیْءٍ (بخاری جلد ۱ ص۱۳۷ وغیرہ) اُس نے ہر چیز کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا کافی نقصان ہوا ہوگا لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذات گرامی اور حضرات صحابہ کرامؓ و دیگر انسان و جاندار بلکہ مدینہ طیبہ کے مکانات اور مسجد نبوی وغیرہ اس تباہی اور بربادی سے یقیناً محفوظ رہے تھے۔

۲۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ کا بیان ہے کہ ایک موقع پر ہم ایک قوم کے مہمان بنے مگر ان لوگوں نے ہماری ضیافت وغیرہ کی مطلقاً پرواہ نہ کی، خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ان میں سے ایک بڑے سردار کو کوئی زہریلی چیز ڈس گئی، انہوں نے اس پر جھاڑ پھونک کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ فسعوا لہ بکل شیء (بخاری ج ۱ ص۳۰۴) وہ مجبور ہو کر ہمارے پاس آئے کہ تم میں کوئی جھاڑ پھونک (دم) کرنے والا ہے ہم نے کہا ہے چنانچہ ان سے کچھ بکریاں لیکر (جو تیس ۳۰ تھیں بخاری ج ۲ ص۸۵۴) بات طے ہوئی اس پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونکی گئی تو باذن اللہ تعالیٰ وہ بالکل تندرست ہو گیا (ملخصاً) ان صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ (چھاپہ مار دستہ) کی صورت میں ایک فوجی مہم پر بھیجا تھا جس میں تیس ۳۰ سوار تھے (دارقطنی ج ۲ ص۳۱۵) ان لوگوں نے اپنے سردار کو بچانے کے لیے ہر امکانی کوشش کی ہوگی لیکن سورۃ فاتحہ نہ ان کے پاس تھی اور نہ انہوں نے پڑھی کیونکہ اِن کا ہر فرد کافر و مشرک تھے اور کل شیءؓ کا ایک فرد سورۃ فاتحہ بھی ہے۔

۳۔ ایک حدیث اس مضمون کی آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کان یصومہ کلہ (ترمذی جلد ۱ ص۹۲ وغیرہ) یعنی سارے ماہ شعبان کے روزے رکھتے تھے، امام ترمذیؒ نقل کرتے ہیں کہ دوسری احادیث کے پیش نظر حضرت امام عبداللہؒ ابن مبارکؒ نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ لفظ کُل سے مراد یہاں اکثر ہے یعنی آپ نے سارے ماہ شعبان کے روزے نہیں رکھے بلکہ اکثر ماہ کے روزے رکھے ہیں۔ اس قسم کی حدیثیں اگر نقل کی جائیں تو یقیناً آپ اکتا جائیں گے ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں۔

وکلمۃ کل وھی تحتمل الخصوص نحو کلمۃ من اھ (اصول سرخسی جلد ۱ ص۱۵۸) کہ کُل کا لفظ حرف مَنْ کی طرح خصوص کا احتمال رکھتا ہے علامہ محمد طاہرؒ اور علامہ زبیدیؒ لکھتے ہیں کہ۔

قد یستعمل کل الموضوع للاحاطۃ بمعنی البعض (مجمع البحار جلد ۳ ص۲۲۷ وتاج العروس جلد ۸ ص۱۰۰) لفظ کل جو احاطہ اور شمول کے لیے موضوع ہے کبھی کبھی بعض کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے

اور مشہور لغوی علامہ فیروز آبادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد جاء بمعنی بعض ضد ۔ لفظ کل کبھی بعض کے معنیٰ میں آتا ہے جو اضداد میں سے ہے ۔

(القاموس جلد ۴ ص۴۵)

اور علامہ زبیدیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

وقد جاء استعماله بمعنی بعض ۔ کل کا استعمال کبھی بعض پر بھی ہوتا ہے اور یہ اضداد میں سے ہے۔

(تاج العروس جلد ۸ ص۱۰۱)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ لفظ کُلّ اگرچہ وضع تو احاطہ اور شمول کے لیے ہے مگر اس کا استعمال کُلّ اور بعض دونوں ضدوں پر ہوتا رہتا ہے اور مشہور مفسر علامہ خازنؒ لکھتے ہیں کہ

لفظة کُلّ لا تقتضی الشمول والاحاطة ۔ لفظ کُلّ شمول اور احاطہ کو نہیں چاہتا۔

(تفسیر خازن جلد ۱ ص۲۸۶)

اور مُلّا جیونؒ لکھتے ہیں کہ

وکلمة کُلّ یحتمل الخصوص (نور الانوار ص۸۱) کہ کلمہ کُلّ خصوص کا احتمال رکھتا ہے ۔

اور فریق ثانی کو بھی اس کا اقرار ہے کہ لفظ کل اکثر کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے ومثلہ قول القائل

ان الشواء علیہ طری ۔ کل ذالك یفعل الوصی

(پرچہ اہلحدیث یکم ذوقعدہ س۱۳۴۷ھ)

اور مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں۔ والمراد بالکل اکثر وھو مجاز قلیل الاستعمال (تحفة الاحوذی جلد ۲ ص۵۱) کہ لفظ کل سے مُراد (یہاں) اکثر ہے اور لفظ کل کا اکثر کے معنیٰ میں استعمال مجازی ہے اور کم استعمال ہوتا ہے اتنی بات تو مبارکپوری صاحب کو بھی مسلّم ہے کہ لفظ کل سے کسی موقع اور محل پر مجازاً اکثر کا معنیٰ بھی مراد لی جا سکتی ہے اور عموم کے معنیٰ میں یہ نص قطعی نہیں ہے لیکن اس کا اقرار کرتے ہوئے بھی ساتھ قلیل الاستعمال کا پیوند جوڑتے ہیں۔ ہم نے چند مواقع قرآن کریم اور حدیث شریف سے صرف بطور نمونہ عرض کئے ہیں۔ اور اگر اس کے باوجود بھی یہ قلیل الاستعمال اور شاذ ہے تو شاید مبارکپوری صاحبؒ اور ان کے اتباع کا قلیل الاستعمال اور کثیر الاستعمال الفاظ کے لیے قاعدہ اور اصطلاح ہی جدا ہوگی۔

ع رکھ لیا ہے نام اس کا آسماں تحریر میں

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ان مثالوں میں یہ لفظ مجازی طور پر بعض کے لیے مستعمل ہے نہ یہ کہ اس کے اصلی اور حقیقی معنی ہی بدوں قرینہ یہ ہیں (محصلہ ص۲۰۳)

الجواب :- ہم نے بھی تو یہی کہا ہے کہ لفظ کل اصل میں شمول اور احاطہ کے لیے ہے مگر استعمال کے لحاظ سے عموم و خصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور خصوص کی مثالیں یہ ہیں اس لیے کلمۂ کل یہاں خصوص کے لیے ہے جہاں یہ صفت ہو جیسے کلہم جو الملائکۃ کی صفت ہے تو وہاں عموم کے لیے ہے وہاں تخصیص کا احتمال بند ہے لہذا نور الانوار کا حوالہ مؤلف مذکور کو مفید نہیں ہے اور زیر بحث حدیث میں لفظ کل صفت نہیں ہے اس لیے خصوص کے لیے ہے۔

تیسری روایت :- جلد اوّل بحث سکتات امام میں فریق ثانی کی بعض روایات پر کلام ہو چکا ہے اور بحث خداج میں متعدد حدیثیں نقل کر کے ان پر مبسوط جرح عرض کی جا چکی ہے گو کہنے کو اس روایت کا درجہ تیسرا ہے مگر حقیقت میں اس کا نمبر پندرہ سولہ سے کم نہ ہو گا ہم نے محض سہولت کی بنا پر نمبر شماری کا یہ سلسلہ اختیار کیا ہے، محمدؒ بن اسحاقؒ مکحولؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ محمودؓ بن ربیعؓ سے اور وہ حضرت عبادۃؓ بن الصامتؓ سے وہ فرماتے ہیں۔

کنا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فی صلوٰۃ الفجر فقرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فثقلت علیہ القراۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم ھذّا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا۔ (ابو داؤد جلد ا ص۱۱۹)

کہ صبح کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ قراءت کر رہے تھے آپ پر قراءت ثقیل ہو گئی، جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور کچھ بھی نہ پڑھو۔

یہ روایت اسی پیش کردہ سند کے ساتھ ترمذی جلد ا ص۴۱، دار قطنی ص۱۲۰، مستدرک جلد ا ص۲۳۸، جزء القراءۃ ص۱۴، کتاب القراءۃ ص۳۶، معجم صغیر ص۱۳۳ للطبرانیؒ اور سنن الکبریٰ

جلد ۲ صـ ۱۶۴ وغیرہ میں موجود ہے اور نسائی جلد ۱ صـ ۱۰۶ کی سند یوں ہے عن نافع بن محمود بن ربیعة عن عبادة بن الصامت الخ اور ابوداؤد جلد ۱ صـ ۱۱۹ کی ایک سند یوں ہے عن مکحول عن نافع بن محمود بن ربیع الخ اور دارقطنی جلد ۱ صـ ۱۲۱ وسنن الکبریٰ جلد ۲ صـ ۱۶۴ وصـ ۱۶۵/۲ میں بھی یوں ہی سند موجود ہے۔ اس حدیث کی سند کے مرکزی روات یہی ہیں جن کا ذکر ہوا ہے کسی سند میں سب اکٹھے آجاتے ہیں اور کسی میں ان کی اکثریت اور کسی سند میں ان میں سے کوئی نہ کوئی آجاتا ہے۔

جواب :۔ فریق ثانی کا اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اور چونکہ یہ روایت ان کے دعوے کے لیے صریح دلیل ہے کیونکہ اس میں خلف الامام اور سورۂ فاتحہ کی خاص قید موجود ہے اور شاید اسی صریح روایت کے سہارے پر انہوں نے تمام دنیا کے احناف کو کھلا چیلنج کیا ہے اور غالباً ان کا یہ دعوے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے (بلفظہ) اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں پر مبنی ہے اس لیے ہمیں اس پر قدرے تفصیل سے کلام کرنے کی اجازت دے دیجئے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائے ہم نے جو باتیں اس حدیث کے سلسلہ میں عرض کرنی ہیں وہ یہ ہوں گی۔

۱۔ محمد بن اسحاق پر کلام۔ (۲) مکحول کا معیاری ثقہ نہ ہونا اور نیز اس کا مدلس ہونا اور یہ کہ نہ تو ان سے کسی صحیح سند سے تحدیث ثابت ہے اور نہ کوئی ثقہ متابع موجود ہے جس کی سند بھی صحیح ہو (۳) نافع بن محمود مجہول ہے (۴) روایت میں اضطراب موجود ہے (۵) یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں ہے (۶) الا بام القرآن کی استثنا ضعیف ہے (۷) لفظ خلف الامام مدرج ہے (۸) بنا بر صحت خلف الامام کا معنی کیا ہے؟ آسانی اور سہولت کے لیے ہم ان آٹھ شقوں کو جواب تصور کرتے ہیں۔ لہذا آٹھ جواب آپ ملاحظہ فرمالیں۔

پہلا جواب :۔ محمد بن اسحاق کو گو تاریخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے لیکن محدثین اور ارباب جرح و تعدیل کا تقریباً پچانوے فیصدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایت حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں ان کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے ان کی روایت کا وجود اور عدم بالکل برابر ہے۔ تصریحات ملاحظہ کریں۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے (ضعفاء صغیر صہ۵۲) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (کتاب العلل جلد ا صہ۴۳۳) ابن نمیرؒ یہ کہنے کے بعد بھی کہ جب وہ معروف راویوں سے روایت کرے تو حسن الحدیث اور صدوق ہے یہ بھی تصریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مجہول روات سے باطل روایات نقل کرتا ہے (بغدادی جلد ا صہ۲۲۷) دار قطنیؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ (ایضاً جلد ا صہ۲۳۴) سلیمان تیمیؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے ہشامؒ بن عروہؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے امام جرح وتعدیل یحییٰ قطانؒ کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان جلد ۳ صہ۲۱) وہیبؒ بن خالدؒ اس کو کاذب اور جھوٹا کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ صہ۴۵) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں ایک دجال تھا (میزان جلد ۳ صہ۲۱ وتہذیب التہذیب جلد ۹ صہ۴۱) نیز امام امام مالکؒ نے اس کو کذاب کہا ہے (بغدادی جلد ا صہ۲۳۲) جریرؒ بن عبد الحمیدؒ کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحاقؒ سے احادیث کی سماعت کریں گے (تہذیب التہذیب جلد ۹ صہ۴۲) ابو زرعہؒ کا بیان ہے کہ بھلا ابن اسحاقؒ کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے؟ وہ تو محض ہیچ تھا (توجیہ النظر صہ۲۸۰) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین اور

۱؎ تقریب النواوی میں ہے واذا قالوا متروک الحدیث او واھیہ او کذاب فھو ساقط لا یکتب حدیثہ (صہ۲۳۳) کہ جب محدثین کسی راوی کے بارے میں متروک الحدیث یا واہی الحدیث یا کذاب کہتے ہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اس کی روایت لکھی بھی نہیں جا سکتی اور اس کی شرح تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ ولا یعتبر بہ ولا یستشہد (صہ۲۳۳) ایسے راوی کی حدیث کو اعتبار و متابعت اور شاہد کے لیے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن افسوس ہے کہ فریق مخالف نہ صرف یہ کہ اس سے استدلال کرتا ہے بلکہ اس کے بل بوتے پہ مسلمانوں کی اکثریت کی نماز کو باطل اور کالعدم قرار دینے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ ترجمان الحدیث ماہ ستمبر ۲، ۱۹ء از صہ۲۱ تا صہ۴۳ وغیرہ میں محمد بن اسحاقؒ کی توثیق پہ ادھر ادھر کے چند حوالے نقل کر کے خاصا زور صرف کیا ہے لیکن ائمہ جرح و تعدیل کی اس کڑی جرح کا کہ محمد بن اسحاقؒ کذاب ہے کوئی جواب نہیں دے سکے اور نہ اس کا جواب دے سکتے ہیں کہ احکام وسنن میں ان کی روایت حجت نہیں ہے باقی جن حضرات نے ان کو صدوق اور حسن الحدیث وغیرہ کہا ہے تو وہ تاریخ اور مغازی وغیرہ سے متعلق ہے نہ کہ بنیادی احکام اور سنن وغیرہ سے۔

حفاظ حدیث ابن اسحاقؒ کے تفردات سے گریز کرتے ہیں (سنن الکبریٰ بحوالہ الجوہر النقی جلد ۱ صفحہ ۱۵۵) علامہ ماردینیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ میں محدثینؒ کے نزدیک مشہور کلام ہے (الجوہر النقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۵) عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام احمدؒ بن حنبلؒ لم یکن یحتج بہ فی السنن (بغدادی جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ و تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۴) سنن اور احکام میں وہ ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے حنبلؒ بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ امام احمدؒ بن حنبلؒ نے فرمایا ابن اسحاق لیس بحجۃ (بغدادی جلد ۱ صفحہ ۲۳۰ و تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۳) ابن اسحاقؒ حجت نہیں ہے۔ ایوبؒ بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے دریافت کیا ابن اسحاقؒ جب کسی حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی؟ قال لا واللہ (بغدادی جلد ۱ صفحہ ۲۳۰) فرمایا بخدا ہرگز نہیں۔ ابن ابی خیثمہؒ کا بیان ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو لیس بذاک، ضعیف اور لیس بالقوی کہا میمونیؒ کا بیان ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے (بغدادی جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ و تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۴) علیؒ بن المدینیؒ کا بیان ہے لم یضعفہ عندی الا روایتہ عن اھل الکتاب (تہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۵) میرے نزدیک ابن اسحاقؒ کو صرف اس بات نے ضعیف کردیا ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایتیں لے لے کر بیان کرتا ہے۔ مشہور اور قدیم مورخ علامہ ابوالفرج محمدؒ بن اسحاقؒ بن ندیمؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) اپنی کتاب الفہرست میں محمد بن اسحاقؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

مطعون علیہ غیر مرضی الطریقۃ الی ان قال وکان یحمل عن الیھود والنصاریٰ ویسمیھم فی کتبہ اھل العلم الاول و اصحاب الحدیث یضعفونہ ویتھمونہ اھ (الفہرست لابن الندیم صفحہ ۱۴۲ طبع مصر)

اس پر طعن کیا گیا ہے اور اس کا طریقہ ناپسندیدہ تھا (پھر آگے فرمایا کیونکہ) وہ یہود اور نصاریٰ سے روایات لیتا تھا اور اپنی کتابوں میں ان کو پہلے علم والے کہا کرتا تھا اور اہل حدیث اس کو ضعیف کہتے ہیں اور اس کو متہم قرار دیتے ہیں۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ بعض محدثینؒ نے ان کے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے (کتاب العلل جلد ۲ صفحہ ۲۳۷) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں ایک محمدؒ بن اسحاقؒ بھی ہے (مقدمہ نووی صفحہ ۱۶) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ

کی روایت درجۂ صحت سے گری ہوئی ہے اور حلال وحرام میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے
(تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۳) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ابن اسحاقؒ احکام کی روایات میں حجت نہیں ہے۔
خصوصاً جب کہ منفرد ہو اور جب کوئی ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتا ہو تو ابن اسحاقؒ کی روایت
قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی (درایہ صفحہ ۱۹۳) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے ابن اسحاق کی روایت
کو منکر کہا ہے اور اس کو ضعیف بتایا ہے (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۴۳) علامہ منذریؒ اور حافظ سخاویؒ لکھتے
ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا مغازی میں ابن اسحاقؒ کی روایات تو لکھی جا سکتی ہیں لیکن جب حلال وحرام
کا مسئلہ ہو تو اس میں ایسے ایسے راوی (یعنی ثقہ اور ثبت) درکار ہیں (الترغیب والترھیب جلد ۴
صفحہ ۲۱ و فتح المغیث صفحہ ۱۲) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ لیس بحجة لا سیما اذا عنعن
(نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۲۲۴) ابن اسحاقؒ کی روایت حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ وہ عنعنہ
سے روایت کرتا ہو نواب صدیق حسن خان صاحبؒ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ در سندش نیز
ہماں محمد اسحاقؒ است و محمد بن اسحاق حجت نیست (دلیل الطالب صفحہ ۲۳۹) حضرت مولانا شیخ الہند محمود
الحسن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) نے (ایضاح الادلة صفحہ ۴۵) میں ابن اسحاقؒ پر سیر حاصل کلام کیا ہے
اور ان تمام رکیک اور ضعیف تاویلوں کے دندان شکن جوابات دیے ہیں جو اس کو ثقہ قرار دینے کے
لیے اختیار کی گئی ہیں طلبہ ضرور اس کا مطالعہ کریں۔ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ شاید ہی جرح کا کوئی
ادنیٰ سے اعلیٰ تک ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثینؒ اور ارباب جرح و تعدیل نے محمد بن اسحاقؒ کے بارے
میں نہ کہا ہو معتمد محمد بن اسحاقؒ فریق ثانی کے نزدیک ثقہ ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ
ضعیف ہیں (ردہ بدالاہلة صفحہ ۲۳۵) فواسفا۔ حافظ ابن حجرؒ نے نہایت ضعیف اور رکیک
تاویلیں کرنے کی بے جا سعی کی ہے تا کہ ابن اسحاقؒ کو قابل اعتبار بنانے کی کوشش کامیاب ہو
سکے مثلاً یہ کہ سلیمان تیمیؒ ائمہ جرح و تعدیل میں نہ تھے اور امام مالکؒ نے اپنے الفاظ سے رجوع کر
لیا تھا وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب کوشش بیکار اور کالعدم ہے۔ اگر بالفرض سلیمان تیمیؒ ائمہ جرح و تعدیل
میں نہ تھے تو کیا ہشامؒ بن عروہؒ، امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن القطانؒ، وہیبؒ بن خالدؒ، امام احمدؒ
بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ علی بن المدینیؒ جریر بن عبدالحمیدؒ، امام نسائیؒ خطیبؒ، ابن نمیرؒ، دارقطنیؒ
ابو زرعہؒ اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ بھی ائمہ جرح و تعدیل میں نہیں ہیں؟ اور کیا ان سب نے ان

جرحی الزامات سے رجوع کر لیا ہے؟ باقی امام مالکؒ کا رجوع کرنا بھی محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے خطیبؒ لکھتے ہیں اما کلام مالکؒ فی ابن اسحاقؒ فمشہور غیر خاف علی احد من اہل العلم بالحدیث (بغدادی جلد ۱ ص ۲۲۴) امام مالکؒ نے ابن اسحاقؒ میں کلام کیا ہے وہ کسی بھی ایسے شخص سے مخفی نہیں ہے جس کو فن حدیث کا علم حاصل ہے۔ امام ابن الجوزی الحنبلیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) اپنی کتاب الموضوعات میں لکھتے ہیں کہ۔

اما محمد بن اسحاق فمجروح شهد بكذبه مالك وسليمان التيمي ووهيب بن خالد وهشام بن عروة ويحيى بن سعيد وقال ابن المديني يحدث عن المجهولين باحاديث باطلة (نصب الرایہ جلد ۲ ص ۱۵)

بہر حال محمدؒ بن اسحاقؒ مجروح ہے اس کے جھوٹا ہونے کی امام مالکؒ سلیمان تیمیؒ، وہیبؒ بن خالدؒ ہشامؒ بن عروہؒ اور یحییٰؒ بن سعید القطانؒ نے گواہی دی ہے، اور امام ابن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مجہول راویوں سے باطل حدیثیں بیان کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس شدید قسم کی مفسر جرح سے رجوع کا ثبوت امام ابن جوزیؒ کے علم میں نہیں ہے اور امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ:

وكان مالكؒ بن انسؒ لا يرضاه ويحيى بن سعيد القطان لا يروي عنه ويحيى بن معين يقول ليس هو بحجة واحمد بن حنبل يقول يكتب عنه هذا الاحاديث اعني المغازي فاذا جاء الحلال والحرام اردنا قوما هكذا يريد اقوى منه فاذا كان لا يحتج به في الحلال والحرام فاولى ان لا يحتج به في صفات الله سبحانه وتعالى وانما نقموا عليه في روايته عن اهل الكتاب ثم عن ضعفاء الناس وتدليس اساميهم فاذا روى عن ثقة وبيّن

امام مالکؒ اس کو (برائے روایت) پسند نہیں کرتے تھے اور یحییٰؒ بن سعید القطانؒ اس سے روایت نہیں لیتے تھے اور ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ حجت نہیں اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مغازی کی حدیثیں تو لکھی جا سکتی ہیں لیکن حلال وحرام کی روایتوں میں ہم قوی راویوں کو تلاش کریں گے پس جب حلال وحرام میں ابن اسحاقؒ کی روایت حجت نہیں تو صفات اللہ تعالیٰ میں بطریق اولیٰ اس کی روایت حجت نہیں ہو سکتی اور محدثینؒ نے اس پر جو عیب لگایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتا ہے اور ضعیف قسم کے لوگوں سے بھی روایت

سماعه، منه فجماعة من الائمة لم یروا به بأسا اھ
(کتاب الاسماء والصفات ص۲۹)

کرتا ہے اوران کے ناموں میں تدلیس سے کام لیتا ہے پس جب وہ ثقہ سے روایت کرے اور سماع کی تصریح بھی کرے تو ائمہ کی ایک جماعت اس میں مضائقہ نہیں سمجھتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمدؒ نے ابن اسحاقؒ کو جو حسن الحدیث کہا ہے تو مغازی وغیرہ کی حدیثوں سے متعلق کہا ہے نہ کہ احکام اور حلال وحرام کی حدیثوں کے بارے میں اور علامہ ذہبیؒ نے سفیانؒ بن حسینؒ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے کہ لا یحتج به کمحمد بن اسحاق یعنی محمد بن اسحاق کی طرح اس سے بھی احتجاج درست نہیں ہے اور کتاب العلو میں اس کو صاحب مناکیر وغرائب بتایا ہے ائمہ جرح وتعدیل نے ان میں جو کلام کیا ہے وہ فن روایت کے رُو سے ہے اور محض دیانۃً ہے اس کو حالت عنصر پر حمل کرنا جیسا کہ مولف خیر الکلام نے ص۱۹۵ میں کیا ہے صرف رام کہانی ہے اور ص۱۹۹ و ص۲۰۰ میں بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد ا ص۲۵۳ وغیرہ رجوع کے لیے جو قصہ نقل کیا ہے اس سے ان کا صراحۃً رجوع ہرگز ثابت نہیں ہوتا محض کشید ہے ہاں بعد کے محدثینؒ نے اپنے ظن اور تخمینہ سے رجوع پر حمل کیا ہے۔ مگر یہ ان کی اپنی صوابدید ہے مولف خیر الکلام کا ص۲۱۱ میں امام مالکؒ اور یحییٰؒ بن سعیدؒ کی جرح کو مفسر قرار دینا اور باقی حضرات کی جرح کو مبہم کہہ کر گلو خلاصی کرنا محض تسکین قلب کا سامان ہے غرضیکہ ان تمام حضرات کی جرح مفسر کڑی اور شدید ہے اور کسی کا تاریخی طور پر صراحت کے ساتھ رجوع ثابت نہیں ہے مولف خیر الکلام کا ص۲۱۰ میں یہ لکھنا کہ محمدؒ بن اسحاقؒ پر ایک الزام اہل کتاب سے روایت لینا بھی ہے حالانکہ اہل کتاب سے روایات لینا کوئی جرم نہیں تو اُن کی بے خبری اور غفلت کی واضح دلیل ہے کہ وہ مطلقاً اہل کتاب کی روایت کو جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تو یہ لکھتے ہیں کہ:۔

اقول الروایة عن اهل الکتاب تجوز فیما سبیله سبیل الاعتبار وحیث یکون الامن عن الاختلاط فی شرائع الدین ولا تجوز فیما سوی ذالك۔
(حجة الله البالغة جلد ا ص۱۷۱)

میں کہتا ہوں کہ اہل کتاب سے روایت ایسے معاملات میں جہاں عبرت مقصود ہو اور جہاں دین کے احکام میں اختلاط واقع نہ ہوتا ہو درست ہے، اور اس کے علاوہ ان سے روایت جائز نہیں ہے۔

اور اسی لیے امام المدینیؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتا ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب کے حوالہ سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے مؤلف خیر الکلام نے جن بعض ائمہؒ کی بسلسلہ ابن اسحاقؒ توثیق نقل کی ہے تو وہ مسلّم ہے مگر وہ صرف تاریخ اور مغازی وغیرہ کے بارے میں نہ کہ صفات اللہ، حلال و حرام، احکام اور سنن کے بارے میں اور مغازی میں وہ ثقہ بھی ہیں اور امام بھی اس میں نزاع نہیں ہے اور بلاشک حافظ ابن ہمامؒ اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے محمدؒ بن اسحاقؒ کی توثیق کی ہے مگر ائمہ جرح و تعدیل کی کڑی اور سنگین جرح کے مقابلہ میں ان کی توثیق مسلّم نہیں ہے۔ فریق ثانی کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔ اور ضعیف کہنا غزالیؒ کا اور رویانیؒ کا اور دیوسیؒ کا اور صاحب ہدایہؒ کا اور شیخ ابن الہمامؒ کا اور بعضے مالکیوں کا حدیث کو ضعیف نہیں کر دیتا کیونکہ یہ لوگ مقلدین ہیں ائمہ جرح و تعدیل میں سے نہیں ہیں الیٰ ان قال اب رہا ضعیف کہنا ابن عبد البرؒ کا اور ابو داؤدؒ کا اور علیؒ بن المدینیؒ کا، سو البتہ جرح ان کا پایہ اعتبار میں ہے لیکن اگر با بیان سبب اور با دلیل ہو تو معتبر ہے ورنہ بے بیان سبب ان کا جرح بھی مقبول نہیں ہونے کا الخ (معیار الحق ص۲۴۲) اور مولانا محمد عبد اللہ صاحب روپڑیؒ (المتوفی ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں کہ جرح تعدیل تاریخ کی قسم سے ہے اور تاریخ اسی وقت کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے پچھلے لوگ نقال ہوتے ہیں اس لیے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح تعدیل کا اعتبار نہیں اس کے لیے مقدمہ ابن الصلاحؒ کا مطالعہ مفید رہے گا۔ انشاء اللہ (مودودیت اور احادیث نبویہ ص۶۰) رہا محمدؒ بن اسحاقؒ کا مدلس ہونا تو یہ سب کے نزدیک مسلّم ہے چنانچہ علامہ ہیثمیؒ، حافظ ابن حجرؒ، قاضی شوکانیؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ کو اس کا صاف اقرار ہے۔ دیکھئے مجمع الزوائد جلد ا ص۱۵ و تقریب ص۳۱۳، نیل الاوطار جلد ۴ ص۴۳، دلیل الطالب ص۲۳۹، تعلیق المغنی جلد ا ص۱۲۰، ابکار المنن ص۴۵ و تحفۃ الاحوذی جلد ا ص۲۹۱)

اعتراض:۔ مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاقؒ ثقہ ہے اور دلائل یہ ہیں (۱) امام بخاریؒ اس کو ثقہ کہتے ہیں (۲) امام شعبہؒ اس کو امیر المحدثین کہتے ہیں (۳) ابن مدینیؒ اور احمدؒ بن حنبلؒ وغیرہ اس کو ثقہ کہتے ہیں (۴) اگر یہ ثقہ نہیں تو احناف اذانؒ، قطع صَرَقہ اور تعجیل افطار میں ابن اسحاقؒ کی روایتوں سے احتجاج کیوں کرتے ہیں (تحقیق الکلام جلد ا ص۹۱ محصلہ)

جواب: مبارکپوری صاحبؒ کے یہ جملہ اعذار بارد ہونے کے سبب مطلقاً قابل التفات نہیں ہیں ہر شق کا جواب سنئے (۱) ایسے کذاب اور دجال راوی کے بارے میں امام بخاریؒ وغیرہ کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟ خصوصاً جب کہ امام بخاریؒ نے ابن اسحاقؒ کا زمانہ نہیں پایا اور ہشامؒ بن عروہؒ امام مالکؒ اور یحییٰ القطانؒ وغیرہ اس کا زمانہ پانے والے انتہائی سنگین الزام اس پر عائد کرتے ہیں اور یہ بڑے محتاط اور عارف باسباب الجرح بھی ہیں۔ علاوہ بریں اگر واقعی محمدؒ بن اسحاقؒ ثقہ ہے تو حضرت امام بخاریؒ نے باوجود اشد ضرورت کے صحیح بخاری میں اس سے احتجاج کیوں نہیں کیا؟ ؎

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

یہ حضرت امام بخاریؒ وغیرہ کی ذاتی رائے ہے حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے چنانچہ نواب صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں جمہور اہل اسلام کے نزدیک ایسی حدیث سے جو حسن ہو احتجاج صحیح ہے لیکن امام بخاریؒ حدیث حسن سے احتجاج کے قائل نہیں ہیں آگے نواب صاحب لکھتے ہیں ولحق ما قالہ الجمھور (دلیل الطالب ص۸۸۲) حق بات صرف وہی ہے جو جمہور نے کہی ہے قاضی شوکانیؒ نے بھی امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ کا یہ مسلک نقل کر کے آگے لکھا ہے والحق ما قالہ الجمھور (نیل الاوطار جلد ۱ ص۲۲) کہ حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے (۲) امام شعبہؒ کی بات اگر محمدؒ بن اسحاقؒ کے بارے میں حجت ہے تو جابر جعفی وجوب قراۃ خلف الامام ہی کی ایک روایت کا راوی ہے مگر ہم نے اس سے احتجاج نہیں کیا اس کے بارے میں کیوں حجت نہیں ہے؟ امام شعبہؒ ان کو بھی ثقہ کہتے ہیں (کتاب القراۃ ص۵۱، میزان جلد ۱ ص۱۷۶، تہذیب جلد ۲ ص۴۷، توجیہ النظر ص۲۹۱ وغیرہ) علاوہ بریں مبارکپوری صاحب کے نزدیک امیر المحدثین ہونے سے توثیق کیسے لازم آتی ہے؟ مبارکپوری صاحبؒ تو لکھتے ہیں کہ علامہ تاج الدین سبکیؒ نے ابوطاہر فقیہؒ کو گو شیخ، ادیب، عارف اور امام المحدثین والفقہاء لکھا ہے۔ قلت لا دلالۃ فی ھذا علی کونہ ثقۃ قابلا للاحتجاج (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص۳) لیکن میں کہتا ہوں کہ امام المحدثین والفقہاء ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ وہ ثقہ اور قابل احتجاج بھی تھے، محقق نیمویؒ نے ابوعبداللہ فنجویہ دینوریؒ کو کبار محدثین میں لکھا ہے مبارکپوری صاحبؒ ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فان مجرد کونہ من کبار المحدثین لا یستلزم ۔۔۔ ان کے صرف کبار محدثین میں ہونے سے یہ کیسے لازم

کوند ثقۃ (انتہٰی بلفظہٖ تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص۵۰) آیا کہ وہ ثقہ بھی تھے؟

مبارک پوری صاحبؒ ہی ازراہ بزرگی وانصاف فرمائیں کہ جن کے بارے میں جرح کا ایک لفظ بھی موجود نہ ہو اور علامہ تاج الدین سبکیؒ وغیرہ جیسے امام اور ثقہ عالم ان کو امام المحدثین اور کبار المحدثین لکھیں مگر معہذا ان کی ثقاہت ثابت نہ ہو سکے اور محمد بن اسحاقؒ کو ائمہ جرح و تعدیل کذاب اور دجال تک کہتے ہوں تو اس کے (بقول امام شعبہؒ) امیر المحدثین ہونے سے اس کی ثقاہت کیسے ثابت ہو سکتی ہے! ؎

ٹھوکریں مت کھائیے چلئے سنبھل کر دیکھ کر — چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

(۳) امام ابن مدینیؒ اور امام احمدؒ بن حنبلؒ وغیرہ کو مطلقاً ابن اسحاقؒ کے موثقین میں شامل کرنا انتہائی غفلت اور طبقات رواۃ سے بے خبری پر مبنی ہے باحوالہ ان کے اقوال نقل کئے جا چکے ہیں کہ یہ بھی ابن اسحاقؒ کو مجروح اور ضعیف قرار دیتے ہیں لہٰذا ان کا ذکر مطلقاً معدلین میں جہالت پر مبنی ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر جرح و تعدیل کا تعارض ہو اور جارح امر خفی پر مطلع ہو چکا ہو جس کی اطلاع معدل کو نہیں تو جرح تعدیل پر مقدم ہے اور یہی محققین اور جمہور کا مختار ہے (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲) اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ فانہم متفقون علی انہ لا یحتج بالضعیف فی الاحکام (ایضاً) یعنی محدثین کرامؒ اس بات پر متفق ہیں کہ ضعیف راوی سے احکام میں احتجاج و استدلال کرنا درست نہیں ہے اور ابن اسحاقؒ پر جرح مفسر اور با بیان سبب ہے اور یہ روایت احکام شرعیہ میں سے ایک حکم سے متعلق ہے اور بھی تو فریق ثانی احناف کی نماز کو بیکار باطل اور کالعدم قرار دے کر اعاذ اللہ تعالیٰ ان کو فی السقر پہنچانے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے اور چیلنج دیتا ہے ان دریں حالات ابن اسحاقؒ کی روایت کی کیا وقعت ہے؟

(۴) علماء احناف نے اذان، قطع سرقہ اور تعجیل افطار وغیرہ کے بارے میں اگر محمدؒ بن اسحاقؒ سے استدلال کیا ہے تو کیا صرف استدلال ہی کیا ہے یا فریق ثانی کو مباہلہ اور مفسدین عمل ہونے کا چیلنج بھی کیا ہے؟ اور کیا محمدؒ بن اسحاقؒ کی روایات کو لے کر تمام روئے زمین کے غیر مقلدوں پر اشتہاری رعب بھی قائم کرنے کی کوشش کی ہے؟ اور کیا یہ کہا ہے کہ فریق ثانی کا فلاں فلاں عمل ناقص اور بیکار باطل اور کالعدم ہے؟ اگر محمد بن اسحاقؒ جیسے ضعیف اور کمزور راوی کی روایت کو احناف نے دلیل بنا کر ایسا کیا ہے تو خطا کی ہے اور کیا احناف نے محمدؒ بن اسحاقؒ کی روایت کو نص قرآنی اور

صحیح احادیث کے خلاف حجت سمجھا ہے؟ اگر احناف نے اس کی روایت کو کسی موقع پر بطور حجت بھی پیش کیا ہو تو یقین جانئے کہ تمام روئے زمین کے غیر مقلدین کو للکارا اور کھلا چیلنج بھی ہرگز نہ کیا ہوگا اور نہ حلفیہ طور پر ان کو بے عمل کہا ہوگا؟ انصاف شرط ہے باقی جو حدیثیں مبارکپوری صاحب نے ہماری دلیلیں تصور کر لی ہیں ان کی کوتاہ فہمی ہے ہم سے پوچھئے کہ ان مسائل میں ہمارے پاس کون سی حدیثیں موجود ہیں پھر آپ کو کچھ کہنے کا حق ہے۔ ؎

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی　　زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے

مسئلۂ اذان:- علماء احناف کی یہ تحقیق ہے کہ اذان بھی دوہرے کلمات پر مشتمل ہے اور اقامت بھی بالفاظ دیگر اذان میں ترجیع نہیں اور اقامت و تکبیر میں ایتار نہیں ہے بطور نمونہ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی حدیث:- امام ابو عوانہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے عمرؒ بن شبہؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبد الصمدؒ بن عبد الوارثؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے شعبہؒ نے بیان کیا وہ مغیرہؒ سے اور وہ شعبیؒ سے اور وہ حضرت عبد اللہؓ بن زید انصاری سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

سمعت اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان اذانہ واقامتہ مثنیٰ مثنیٰ	میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اذان سنی آپ کی اذان اور آپ کی اقامت دوہرے دوہرے کلمات پر مشتمل تھی۔
(ابوعوانہ جلد ۱ ص۳۳۱)	

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اذان اور تکبیر سے آپ کے مؤذن اور مکبر کی اذان واقامت مراد ہے کیونکہ آپ نے خود کبھی اذان نہیں کہی حضرت عبد اللہؓ بن زید انصاری جلیل القدر صحابی ہیں امام شعبہؒ، مغیرہؒ بن مقسمؒ اور شعبیؒ کا ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے کہ وہ سب ثقہ ثبت اور حجت تھے، عمرؒ بن شبہؒ کو امام دارقطنیؒ، خطیبؒ، مرزبانیؒ، اور مسلمہ ثقہ کہتے ہیں محمدؒ بن سہلؒ اور ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص۴۶۰) عبد الصمدؒ بن عبد الوارثؒ کو ابن نمیرؒ اور ابن قانعؒ ثقہ کہتے ہیں، ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور حاکمؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، ابن مدینیؒ کہتے ہیں کہ شعبہؒ کی روایت میں وہ ثبت تھے ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۶ ص۳۲۷) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ثبت فی شعبۃ۔

(تقریب صفہ ۲۴۰) یہ روایت بھی امام شعبہؒ ہی سے ہے۔

دوسری حدیث : عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے معمرؒ نے بیان کیا وہ حمادؒ سے اور وہ ابراہیمؒ سے اور وہ اسودؒ بن یزیدؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن تھے، کان یثنی الاذان ویثنی الاقامۃ (طحاوی صفہ ۸۰ وزیلعی جلد ۱ صفہ ۲۶۹) وہ اذان اور اقامت دوہری دوہری کہا کرتے تھے اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور پہلے مختلف مقامات میں ان کے تراجم نقل کئے جا چکے ہیں البتہ امام ابن جوزیؒ وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اسودؒ بن یزیدؒ کی حضرت بلالؓ سے سماعت ثابت نہیں ہے لیکن ان کا یہ اعتراض غلط ہے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ اسودؒ بن یزیدؒ کی حضرت معاذؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت بلالؓ سے سماعت ثابت ہے (تذکرہ جلد ۱ صفہ ۴۸)۔

تیسری حدیث : حضرت عبداللہؓ بن زید کی روایت میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مؤذن نے فاذن مثنیٰ واقام مثنیٰ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفہ ۱۳۶ طحاوی جلد ۱ صفہ ۸۰ سنن الکبریٰ جلد ۱ صفہ ۴۲۰ محلی جلد ۳ صفہ ۱۵۸) اذان بھی دوہری دوہری کہی اور اقامت بھی دوہری دوہری کہی علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں ھذا اسناد فی غایۃ الصحۃ (جلد ۳ صفہ ۱۵۸) کہ یہ سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

چوتھی حدیث : عبدالرحمٰنؒ بن ابی لیلیٰؒ عبداللہؓ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے فاذن مثنیٰ مثنیٰ ثم قعد ثم اقام مثنیٰ مثنیٰ (سنن الکبریٰ جلد ۱ صفہ ۴۲۰) مؤذن نے دوہری دوہری اذان کہی پھر بیٹھ گیا پھر اٹھ کر دوہرے دوہرے کلمات سے اقامت اور تکبیر کہی اس کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں، امام بیہقیؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عبدالرحمٰنؒ بن ابی لیلیٰؒ کی ملاقات عبداللہؓ بن زید سے نہیں ہوئی مگر یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ خطیب بغدادیؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰنؒ بن ابی لیلیٰؒ ثقہ تابعی تھے اور ۱۷ھ میں ان کی ولادت ہوئی ہے۔ (بغدادی جلد ۱۰ صفہ ۲۰۰) اور عبداللہؓ بن زید کی وفات جمہور کے نزدیک ۳۲ھ میں ہوئی ہے۔ (تہذیب جلد ۵ صفہ ۲۲۴) پندرہ سال کے اس عرصہ میں امکان لقا یقینی ہے (الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی جلد ۱ صفہ ۴۲۰) اور جمہور کے نزدیک اتصال سند کے لیے امکان لقا ہی شرط ہے، دیکھئے صحیح مسلم شریف

کا مقدمہ۔ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کیونکہ صحت حدیث کے لیے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے عدم ثبوت سے نفی لازم نہیں آتی بلفظہ ص۲۲۳)

پانچویں حدیث:۔ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جس اذان (اور اقامت) کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجرا فرمایا الاذان مثنیٰ مثنیٰ والاقامۃ مثنیٰ مثنیٰ۔ اس اذان اور اقامت کے الفاظ دوہرے دوہرے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں اسنادہ صحیح (درایہ ص۶۷) کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

چھٹی حدیث:۔ حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اذن بلالؓ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مثنیٰ مثنیٰ واقام مثل ذلک (مجمع الزوائد جلد ا ص۳۳۰ ورواتہ ثقات) حضرت بلالؓ نے جو اذان کہی اس کے کلمات دوہرے دوہرے تھے اور اقامت بھی اسی طرح تھی۔

ساتویں حدیث:۔ حضرت بلالؓ مؤذن جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذان اور اقامت کے الفاظ مرتین مرتین دوہرے دوہرے ہوتے تھے (الجوہر النقی جلد ا ص۲۲۵) اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جلد اوّل میں ان کے تراجم نقل ہو چکے ہیں، یہ تمام روایات صحیح ہیں اور ان میں کسی کی سند میں محمدؒ بن اسحاقؒ موجود نہیں ہے مگر مبارکپوری صاحبؒ سوء فہم کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ احناف کا استدلال ابوداؤد وغیرہ کی اس روایت سے ہے جس کی سند میں محمد بن اسحاقؒ ہے، باقی اس باب کی مختلف روایات کی تطبیق اور ترجیح کا یہ مقام نہیں ہے۔

نصاب سرقہ کا مسئلہ:۔ تمام اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ چور کا ہاتھ نص قرآنی کے تحت قطع کیا جائے گا لیکن کتنی مالیت کی چوری ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ۲۰ مذاہب نقل کیے ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ قطع ید کا ادنیٰ نصاب دس درہم ہے (ہاتھ کی قیمت جب کہ وہ امین تھا بہت کافی تھی مگر جب اس نے خیانت کا ارتکاب کیا تو کوڑی کے مول ہو گیا لما کانت امینۃ کانت ثمینۃ فلما خانت ھانت)

آج اس دور تہذیب و تمدن میں جب کسی اعلیٰ حاکم کے خلاف ناکام ارادہ قتل کی سزا سزائے موت ہو سکتی ہے تو بالفعل خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے اور قانون شکن کا ہاتھ کیوں نہیں کاٹا جا سکتا اگر

علماء احناف نے محمدؒ بن اسحاقؒ کی روایت سے اس باب میں استدلال کیا ہے تو فریقِ ثانی کو کب مباہلہ کا چیلنج کیا ہے؟ یا کب ان کے عمل کو باطل اور کالعدم قرار دیا ہے؟ یا کب تمام دنیا کے باشندوں کو للکار کر ان پر اشتہاری رعب قائم کیا ہے؟ باوجود اس کے کہ بالاتفاق میدان جہاد اور قحط سالی وغیرہ کے موقع پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ ہم پھر بھی یہ پیش کش کرتے ہیں کہ فریقِ ثانی ربع دینار کے نصاب کو ہی حکومتِ وقت سے اجرا کرے ہم ان کے ساتھ ہیں آخر باطل اور غیر معصوم قانون کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہی پر تو عمل ہوگا۔ لیکن مبارکپوری صاحبؒ نے اس مقام پر بھی ٹھوکر کھائی ہے۔ احناف کا استدلال اس روایت سے ہے ملاحظہ کیجئے۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمدؒ بن بشارؒ نے بیان کیا وہ عبدالرحمٰنؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیانؒ نے بیان کیا وہ منصورؒ سے وہ مجاہدؒ سے اور وہ حضرت ایمنؓ سے روایت کرتے ہیں قال لم تکن تقطع الید علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا فی ثمن المجن وقیمتہ دینار (نسائی جلد ۲ ص ۲۲۵) وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور ڈھال کی قیمت ایک دینار ہوتی تھی، حضرت ایمنؓ صحابی ہیں اور بقیہ جملہ رواۃ محمدؒ بن بشارؒ، عبدالرحمٰنؒ بن مہدیؒ، امام سفیانؒ، منصورؒ اور مجاہدؒ کے تراجم جلد اوّل میں اپنے اپنے موقع پر عرض کئے گئے ہیں کہ تمام ثقہ ثبت اور حجت تھے، امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہارونؒ بن عبداللہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسودؒ بن عامرؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسنؒ بن حیؒ نے بیان کیا وہ منصورؒ سے اور وہ حکمؒ سے اور وہ عطاءؒ اور مجاہدؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت ایمنؓ سے وہ فرماتے ہیں۔

یقطع السارق فی ثمن المجن وکان ثمن المجن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینارا او عشرۃ دراہم (نسائی جلد ۲ ص ۲۲۵)

کہ چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت اور مالیت کے مسروقہ مال میں کاٹا جائے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ڈھال کی قیمت ایک دینار یا دس درہم ہوتی تھی

لہ دیکھئے ابوداؤد ص ۲۴۹ ج ۲ دارمی ص ۳۰۱ اعلام الموقعین ص ۴ ج ۳ اور العتبۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص ۶۴ وغیرہ

ہارونؒ بن عبداللہؒ (ثقہ تھے ص۳۷۶) امام نسائیؒ فرماتے ہیں وہ ثقہ تھے ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ص۹/۱۱) اور حکمؒ بن عتیبہؒ بھی ثقہ اور ثبت تھے (تذکرہ ص۱۱۱/۱) اور باقی سب روات ثقہ اور ثبت ہیں اور جلد اوّل میں حسنؒ بن صالحؒ بن حیؒ وغیرہ کے تراجم نقل کئے جا چکے ہیں۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمودؒ بن غیلانؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے معاویہؒ (ابن ہشامؒ) نے بیان کیا وہ سفیانؒ (ثوری) سے اور وہ منصورؒ (بن معتمرؒ) سے اور وہ مجاہدؒ سے اور وہ عطاءؒ سے اور وہ حضرت ایمنؓ سے روایت کرتے ہیں۔ قال لم یقطع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم السارق الا فی ثمن المجن وثمن المجن یومئذ دینار (نسائی ص۲۲۵/۲۹) وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلّم نے ڈھال کی قیمت سے کم چوری کے مال میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا اور ڈھال کی قیمت اس زمانہ میں ایک دینار تھی محمودؒ بن غیلانؒ کو امام نسائیؒ اور مسلمہؒ ثقہ کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب جلد ۱۰ ص۶۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص۳۳۴) معاویہؒ بن ہشامؒ کو ابوحاتمؒ اور ساجیؒ صدوق کہتے ہیں ابوداؤدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبانؒ اور ابن شاہینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابن سعدؒ ان کو صدوق اور کثیر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب ص۲۱۸/۱۰) کسی نے ان کے متعلق یہ کہا تھا کہ وہ متروک ہیں علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔ قلت ھذا خطاء منک ما ترکہ احد (میزان جلد ۳ ص۱۸۱) میں کہتا ہوں اے قائل تیرا یہ قول سراسر خطا ہے ان کو کسی نے ترک نہیں کیا عطاؒ بن ابی رباحؒ ثقہ فقیہ اور فاضل تھے (تقریب ص۲۶۴) بقیہ روات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے یہ ہیں وہ صحیح احادیث جن سے علماء احناف نے ادنٰی نصاب سرقہ کے بارے میں (جس میں چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے) استدلال کیا ہے اور ان میں سے کوئی سند ایسی نہیں جس میں محمدؒ بن اسحاقؒ ہو۔ اور یہ روایت دارقطنی جلد ۲ ص۳۶۹ سنن الکبرٰی جلد ۸ ص۲۵۷ مستدرک جلد ۴ ص۳۷۹ اور طحاوی جلد ۲ ص۹۳ وغیرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ امام نسائیؒ اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ ایمنؓ صحابی نہیں ہیں لہٰذا ان کی روایت مرسل ہو گی لیکن یہ اعتراض بے کار ہے اوّلاً اگر مرسل بھی ہو تب بھی جمہور محدثینؒ کے نزدیک حجت ہے اس پر جلد اول میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے وثانیاً محمدؒ بن اسحاقؒ (فریق ثانی کے امیر المحدثینؒ) اور علامہ ابن سعدؒ، حافظ ابوالقاسم بغویؒ، محدث ابونعیمؒ

حافظ ابن مندہؒ حافظ ابن قانعؒ اور امام ابن عبد البرؒ وغیرہ سب ان کو صحابی کہتے ہیں (زیلعی جلد ۲ صفحہ ۲۵)
علامہ ذہبیؒ بھی ان کا شمار صحابہؓ میں کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی حاضنہ (جس نے آپؐ کی بچپن میں پرورش کی تھی) حضرت اُم ایمنؓ کے صاحبزادے تھے (تجرید
اسماء الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۴۳) ابن اسحاقؒ کا یہ بیان ہے کہ غزوہ حنین میں ان کی شہادت ہو
چکی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد عرصہ
تک زندہ رہے ہیں (الجوہر النقی جلد ۸ صفحہ ۲۵۸ علی السنن) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ عطاءؒ کی ایمنؓ
سے روایت اگر مدلس نہ ہو تو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے بعد عرصہ تک زندہ رہے ہیں (البدایہ جلد ۵ صفحہ ۳۱۳) الحاصل حضرات محدثین کرامؒ کے قواعد کے
لحاظ سے اس روایت کے صحیح اور حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے ہاں البتہ نہ ماننے والے کے
منوانے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے امام طبرانیؒ (اپنے معجم وسط میں) محمدؒ بن نوحؒ بن حربؒ
سے اور وہ خالدؒ بن مہرانؒ سے اور وہ ابو مطیعؒ سے اور وہ قاسمؒ بن عبد الرحمٰنؒ سے اور وہ اپنے والد
عبد الرحمٰنؒ سے اور وہ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا قطع الا فی عشرۃ دراھم (نصب الرایہ صفحہ ۳۵۹/۲)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دس درہم سے کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔

امام طبرانیؒ وغیرہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کو بیان کرنے میں ابو مطیعؒ متفرد ہے
اور وہ کمزور تھا لیکن مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ امام محمدؒ بن الحسنؒ (جو بقول امام دارقطنیؒ
ثقات اور حفاظ میں تھے) اس روایت کے بیان کرنے میں ابو مطیعؒ کے متابع ہیں (تعلیق المغنی صفحہ ۳۶۹/۲)
یہ روایت امام دارقطنیؒ (۳۶۹/۲) وغیرہ نے بھی بیان کی ہے، بہرحال احناف کا مسلک اس میں بھی قوی ہے۔

تعجیل افطار کا مسئلہ:۔ تعجیل افطار جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے احناف کا اس مسئلہ میں کسی سے
کوئی اختلاف نہیں ہے اور جمہور حضرت سہلؓ بن سعد کی مرفوع اور صحیح روایت پیش کرتے ہیں۔

قال لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶۳ ومسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵۰)
کہ امت اس وقت تک بھلائی سے موصوف رہے گی جب تک روزہ افطار کرنے میں جلدی کرے
گی، نہ اس روایت میں ابن اسحاقؒ ہے اور نہ اس کی صحت میں کلام ہو سکتا ہے کیونکہ یہ متفق علیہ

حدیث ہے۔ مبارکپوری صاحبؒ نے بلاوجہ ابن اسحاقؒ کی روایت کی آڑ لی ہے۔

محمدؒ بن اسحاقؒ کی تحدیث اور متابعت

حضرات محدثین کرامؒ کا یہ قاعدہ اور اصول ہے اگر ثقہ راوی ہو اور اس پر صرف تدلیس کا الزام عائد کیا گیا ہو تو اس کی تحدیث سے یا کسی اور ثقہ راوی کی متابعت سے یہ الزام رفع ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی راوی میں معمولی ضعف اور کمزوری ہو اور کوئی ثقہ یا قریب بہ ثقہ راوی اس کی متابعت کرے تو اس کی روایت تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے۔ فریق ثانی نے محمدؒ بن اسحاقؒ سے متعلق اس قاعدہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے مگر بالکل بے سود ہے چنانچہ مولانا شمس الحق صاحبؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ محمدؒ بن اسحاقؒ نے تحدیث کی ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۱ و سنن الکبری جلد ۲ ص ۱۶۴ و مسند احمد جلد ۵ ص ۳۲۲) لہذا اس کی روایت قابل قبول ہو سکتی ہے (تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۰ و تحقیق الکلام ص ۵۸ ج ۱) اگر محمدؒ بن اسحاقؒ ثقہ ہوتا اور اس پر صرف تدلیس کا الزام ہوتا تو پھر یہ بات صحیح تھی کہ اس کی تحدیث سے تدلیس کا شبہ جاتا رہتا مگر وہ تو پرلے درجہ کا ضعیف کمزور اور متروک ہے لہذا وہ تحدیث بھی کرتا ہے اس کی روایت کو کون سنتا ہے؟ وعلیٰ ھذا القیاس اگر اس میں معمولی کمزوری اور ضعف ہوتا اور اس کا کوئی ثقہ متابع موجود ہوتا اور اس کی سند بھی صحیح ہوتی تو الگ بات تھی مگر آپ سن چکے ہیں کہ ائمہ جرح و تعدیل نے جرح کے انتہائی اور سنگین الفاظ (کذاب و دجال وغیرہ) اس کے حق میں استعمال کئے ہیں اور ان ائمہؒ کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ ابن اسحاقؒ کی روایات حلال و حرام احکام و سنن میں تو مطلقاً قابل قبول ہی نہیں ہیں اس لیے اس کی متابعت کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا معہذا آپ ان روایات پر اور ان کے سند کے روات پر سرسری نگاہ ڈال لیجئے تاکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ محمدؒ بن اسحاقؒ کے متابع اور جن سندات سے متابعت ثابت کی جاتی ہے ان میں کیسے کیسے شیر خفتہ ہیں؟ ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

متابعت کی پہلی روایت

امام بیہقیؒ اپنی سند سے بطریق عبید اللہؒ بن سعیدؒ بن کثیرؒ بن عفیرؒ روایت کرتے ہیں اور وہ ابراہیمؒ

بن ابی یحیٰیؒ سے اور وہ یزیدؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ سے اور وہ مکحولؒ سے الخ روایت کرتے ہیں (کتاب القرأۃ ص۳۲)
حدیث کا مضمون وہی ہے جو پہلے گذر چکا ہے اس سند میں یزیدؒ بن یزیدؒ محمدؒ بن اسحاقؒ کا متابع ہے اگرچہ
بعض محدثینؒ اس میں کلام کرتے ہیں لیکن زیادہ تر اس کی توثیق کے قائل ہیں۔ اس میں عبید اللہؒ
بن سعیدؒ بن کثیرؒ بھی ہیں جن میں امام ابنِ حبانؒ اور محدث ابنِ عدیؒ کلام کرتے ہیں۔ (لسان
ج ۲ ص۱۶۷ و ج ۴ ص۱۰۴) اور دوسرا راوی اس میں ابراہیم بن ابی یحیٰی ہے۔
علامہ ذہبیؒ ان کو احد الضعفاء کہتے ہیں یحییٰؒ ابن سعیدؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام مالکؒ سے سوال
کیا کیا وہ حدیث میں ثقہ ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ حدیث میں تو کیا ثقہ ہوتا دین میں بھی قابلِ اعتبار
نہ تھا، قطانؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ محدثینؒ نے اس سے روایت ترک کر دی
ہے اور وہ ایسی بے بنیاد روایتیں کیا کرتا تھا جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ امام
ابن مبارکؒ اور دیگر محدثین نے اس سے روایت ترک کر دی تھی۔ ابن معینؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب
اور رافضی تھا۔ علیؒ بن مدینیؒ کہتے ہیں وہ کذاب تھا۔ امام نسائیؒ اور دارقطنیؒ اس کو متروک کہتے ہیں
(میزان الاعتدال جلد ۱ ص۲۷) اس سند سے فریق ثانی محمدؒ بن اسحاقؒ کی متابعت ثابت کرتا ہے، افسوس
اور تعجب ہے۔

دوسری روایت:۔ اسی مضمون کی ایک روایت امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے نقل کی ہے اور
اس میں زبیدیؒ کو محمد بن اسحاقؒ کا متابع بتلایا ہے (دارقطنی ج ۱ ص۱۲۱ و کتاب القراۃ ص۴۵) لیکن
سند کی مدار بقیہؒ پر ہے، امام عبد اللہؒ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ بقیہؒ بن ولیدؒ صدوق تو تھا مگر ہر کہ و مہ
سے روایت کر لیا کرتا تھا، ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ احکام میں اس کی کوئی روایت نہیں قبول کی جا
سکتی ہاں فضائل کا باب الگ ہے ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے ابو
مسہر غسانیؒ کہتے ہیں کہ بقیہؒ کی حدیثیں صحیح نہیں ہوتیں ان سے بہر حال اجتناب کرنا چاہیئے امام
بیہقیؒ کہتے ہیں کہ تمام محدثینؒ کا اتفاق ہے کہ بقیہؒ حجت نہیں ہے عبد الحقؒ کہتے ہیں کہ اس سے
احتجاج صحیح نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص۱۵۴ و تہذیب التہذیب جلد ۱ ص۴۷۴) نواب صاحبؒ
لکھتے ہیں کہ در وے جماعتے سخن کردہ (بدور الاھلہ ص۲۶۹) امام دارقطنیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ
متابعت کی اس روایت کی دار و مدار سالمؒ بن نوحؒ پر ہے جو کمزور ہے پھر اس کی متابعت کا کیا اعتبار

ہے ؟ (جلد ا ص۱۲۵) اور مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ بے شک حسنؒ بن عمارہؒ نے ابوحنیفہؒ کی متابعت کی ہے لیکن اس کی متابعت کالعدم ہے کیونکہ یہ متروک ہیں (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص۱۳۱) فریق ثانی کے نزدیک حضرت امام ابوحنیفہؒ کی متابعت میں تو حسنؒ بن عمارہؒ کی روایت کالعدم ہے مگر افسوس ہے کہ محمدؒ بن اسحاقؒ ایسے کذاب و دجال کی متابعت ایسے راویوں کی سند سے جو محدثین کے نزدیک قابل احتجاج ہی نہیں ہیں بالکل صحیح ہے فوا اسفا علاوہ بریں امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ اس کو مرسل کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک بلکہ جمہور محدثین کے نزدیک مرسل حجت ہے جس کی بحث جلد اوّل میں گذر چکی ہے لیکن فریق ثانی کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ مرسل سے حجت درست نہیں ہے (جزء القراۃ ص۱) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں وھو ضعیف من حیث انہ مرسل (کتاب القراۃ ص۱۳۱) نواب صاحبؒ لکھتے ہیں و مرسل از قسم ضعیف است (دلیل الطالب ص۲۹۳) دوسری جگہ لکھتے ہیں و مرسل حجت نیست (رد ورالاحلہ ص۹) اور مبارکپوریؒ صاحب لکھتے ہیں۔ والمرسل وان کان حجۃ عند الحنفیۃ لکن المحقق انہ لیس بحجۃ (تحفۃ الاحوذی جلد ا ص۳۶۵) احناف مرسل کو حجت کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ مرسل حجت نہیں ہے۔ پھر یہ روایت ان کے نزدیک کیسے صحیح اور قابل حجت ہو سکتی ہے ؟ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ محقق مذہب محدثین کے ہاں یہی ہے کہ مرسل حجت نہیں ہوتی الخ (ص۴۷۸)

تیسری روایت :۔ مبارکپوری صاحبؒ کتاب القراۃ ص۶۰ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ملک شام کے ثقہ راوی محمدؒ بن اسحاقؒ کے متابع ہیں (تحقیق الکلام جلد ا ص۹۵ و ابکار المنن ص۱۲۸) لیکن اس سند میں ایک راوی محمدؒ بن ابی السریؒ ہے اعلاء السنن جلد ۴ ص۹۶ میں اس کا نام محمدؒ بن متوکلؒ نقل کیا گیا ہے اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی چند حدیثیں ہیں جو منکر خیال کی جاتی ہیں۔ (میزان جلد ۳ ص۱۲۸) ابوحاتمؒ الکو لین الحدیث کہتے ہیں ابن عدیؒ ان کو کثیر الغلط کہتے ہیں اور مسلمہؒ بن قاسمؒ ان کی توثیق کرتے ہوئے بھی ان کو کثیر الوھم کہتے ہیں ابن وضاحؒ ان کو کثیر الحفظ اور کثیر الغلط کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۴۲۵) دوسرا راوی اس سند کا علاء بن الحارثؒ ہے امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ متغیر ہو چکا تھا امام بخاریؒ اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص۲۱۰) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ جس راوی کو امام بخاریؒ منکر الحدیث کہتے ہوں

اس سے احتجاج جائز نہیں ہے حوالہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے تیسرا راوی اس سند کا احمدؒ بن عمیرؒ بن جوصا سے ہے علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی چند حدیثیں غریب ہیں، دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں حمزہ کنانیؒ نے اس سے بالکل روایت ترک کر دی تھی (میزان جلد ۱ صفحہ ۵۹) محدث زبیرؒ بن عبدالواحدؒ اس کو ضعیف سمجھتے تھے (لسان جلد ۱ صفحہ ۲۴۰) مؤلف خیر الکلام نے صفحہ ۲۱۶ میں اس کا یہ ناکام جواب دیا ہے کہ یہ جرحیں مبہم ہیں پھر آگے ان رواۃ کے بارے بعض توصیفی کلمات نقل کئے ہیں الجواب اصول حدیث میں اس امر کی صراحت ہے کہ کثیر الغلط، کثیر الوہم ہونا جرح مفسر ہے۔ اور ایسے راوی کی حدیث مردود روایتوں میں شامل ہے اور امام بخاریؒ کا منکر الحدیث کہنا تو اپنی جگہ مستقل شدید جرح ہے۔

چوتھی روایت:۔ امام دارقطنیؒ، حاکمؒ اور بیہقیؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں سعیدؒ بن عبدالعزیز تنوخیؒ کو محمدؒ بن اسحاقؒ کا متابع کیا گیا ہے۔ (دارقطنیؒ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱، مستدرک جلد ۱ صفحہ ۲۳۸، سنن الکبریٰ صفحہ ۱۶۵ جلد ۲) لیکن اس سند کی مدار ولیدؒ بن مسلمؒ پر ہے، امام احمدؒ اس کو کثیر الخطأ کہتے ہیں امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ابوالسفرؒ سے روایتیں لیا کرتا تھا اور ابوالسفرؒ کذاب تھا ابومسہرؒ کہتے ہیں کہ وہ امام اوزاعیؒ کی روایتیں کذابین سے لیا کرتا تھا۔ دارقطنیؒ کا بیان ہے کہ وہ ضعیف اور کمزور راویوں کے نام ساقط کر دیتا تھا اور اوزاعیؒ وغیرہ کے نام ساتھ جوڑ دیتا تھا ابوداودؒ کہتے ہیں کہ دس حدیثیں اس نے ایسی بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسکی مسموع وغیر مسموع تمام روایتیں خلط ملط ہو چکی تھیں اور بہت سی روایتیں اس کی منکر ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۵۴/۱۵۵) مؤلف خیر الکلام نے یہ کہا کہ امام زہریؒ اور ابن جریجؒ کی روایت میں اس پر جرح ہے اور یہاں سعیدؒ سے روایت کر رہا ہے اور بعض ائمہؒ نے اس کی توثیق اور توصیف کی ہے (محصلہ صفحہ ۲۱۸، ۲۱۹) الجواب:۔ امام احمدؒ وغیرہ نے تصریح فرما دی ہے کہ اسکی روایتیں خلط ملط ہو چکی تھیں مسموع وغیر مسموع میں کوئی تمیز نہیں تو پھر حدثنا اور سعیدؒ وغیرہ کی آڑ لینا بالکل بے سود ہے۔

پانچویں روایت: دارقطنی صفحہ ۱۲۱/ج۱، بیہقی صفحہ ۱۶۴/ج۲ اور تلخیص الجیر صفحہ ۸۵ وغیرہ میں زیدؒ بن واقدؒ کو محمدؒ بن اسحقؒ کا متابع بنایا ہے لیکن اس کی ایک سند میں الہیثمؒ بن حمیدؒ وغیرہ بعض محدثین کے نزدیک متکلم فیہ راوی ہیں علاوہ بریں اس میں عن مکحولؒ عن نافعؒ... الخ ہے اور ان دونوں کے

عنقریب کلام آرہا ہے اور دوسری سند میں محمدؒ بن مبارک ہے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں احادیثہ تستنکر (بحوالۂ تہذیب جلد ۹ صـ۴۲۴) کہ اس سے منکر روایتیں بھی مروی ہیں اور ایک تیسری سند میں یحییٰؒ بن عبداللہؒ بن الضحاکؒ ہے (یہ دونوں سندیں دارقطنی جلد ۱ صـ۱۲۵ میں موجود ہیں) امام ابو حاتمؒ اسے کو ساقط الاحتجاج کہتے ہیں، ابن عدیؒ کہتے ہیں اثر الضعف علی حدیثہ بیّنٌ۔ ضعف اور کمزوری کا نشان اس کی حدیث پر بالکل آشکارا ہے محدث خلیلیؒ بھی ان پر محدثین کا طعن نقل کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صـ۲۴۲) مؤلف خیر الکلام نے لکھا ہے کہ اس کی جرح مسلّم ہے مگر متابعت میں کوئی حرج نہیں (صـ۲۲۱) یہ ہے فریق ثانی کے وکیل اعظم اور محدث جلیل کا استدلال؛ سبحان اللہ تعالیٰ ثقہ راویوں کی حدیث تو ان کے نزدیک مسلّم نہیں جیسا کہ جلد اوّل میں مفصل عرض کیا گیا ہے اور ضعیف حجت ہیں، رہا امام دارقطنیؒ کا اس سند کو حسن کہنا اور رواۃ کی توثیق کرنا تو لا حاصل ہے، امام دارقطنیؒ کا قاعدہ ہی جدا ہے جو آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

قارئین کرام! آپ نے ائمہ جرح و تعدیل کی زبانی محمدؒ بن اسحاقؒ کا رتبہ اور درجہ بھی ملاحظہ کر لیا کہ وہ اس کو کذاب اور دجال وغیرہ کہتے ہیں اور جو راوی اس کی متابعت میں پیش کئے گئے ہیں اور جو جو سندیں اس کی متابعات کی ہیں ان میں بھی کذاب، متروک، منکر الحدیث لا یجوز بہ الاحتجاج۔ ساقط الاعتبار، ضعیف، کمزور اور غیر معتبر راوی ہیں جن کی کوئی روایت فی نفسہٖ معتبر نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ نص قرآنی اور صحیح اور مرفوع احادیث کے مقابلہ میں قبول کی جاسکے حاشا وکلا ثم حاشا وکلا۔

دوسرا جواب:۔ اس روایت میں ایک راوی مکحولؒ بھی ہیں یہ معیاری ثقہ بھی نہ تھے نیز مدلس بھی ہیں امام حاکمؒ لکھتے ہیں:۔ ان عامۃ حدیث مکحول عن الصحابۃ حوالۃ (معرفت علوم الحدیث صـ۱۱۱) کہ مکحولؒ کی حضرات صحابہؓ کرام سے اکثر حدیثیں صرف تدلیس و ارسال کے حوالہ نظر ہیں، علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ مکحولؒ حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت عبادہؓ بن الصامت، حضرت عائشہؓ اور دیگر کبار سے بکثرت ارسال اور تدلیس کرتے تھے (تذکرہ جلد ۱ صـ۱۰۱) علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے مکحولؒ کی تضعیف کی ہے اور وہ صاحب تدلیس بھی تھے (میزان جلد ۳ صـ۱۹۸) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ مکحولؒ نے دیگر حضرات صحابہ کرامؓ

سے عموماً اور حضرت عبادہؓ سے خصوصاً کوئی حدیث نہیں سُنی وہ محض تدلیس سے کام لیتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صہ ۲۹۲) امام ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ لیس بالمتین چنداں قابلِ اعتبار نہ تھے اور باوجود اس کے مدلس بھی تھے (قانون الموضوعات صہ ۲۹۸) مبارکپوری صاحبؒ بھی ان کو مدلس لکھتے ہیں (ابکار المنن صہ ۱۷۷) اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں دس اقسام الضعیف المدلس (دلیل الطالب صہ ۸۸۲) کہ مدلّس روایت ضعیف روایتوں میں شمار ہوتی ہے اور مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں وعنعنۃ المدلس غیر مقبولۃ (ابکار المنن صہ ۲۲۵) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں (بلفظہٖ تحقیق الکلام جلد ۲ صہ ۲۲۵) یہ بھی مت بھولیے کہ کسی قابلِ اعتبار سند سے مکحولؒ کی محمودؓ بن ربیع سے سماعت اور تحدیث ثابت نہیں ہے۔ (بغیۃ الالمعی جلد ۲ صہ ۱۲)

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ مکحولؒ کبار صحابہؓ سے ارسال کرتے تھے اور یہاں محمودؓ بن ربیع صغار صحابہؓ میں ہیں اور تدلیس سے اصطلاحی مراد نہیں اور امکانِ لقار کے بعد معاملہ رفع ہوجاتا ہے (محصلہ صہ ۲۲۲/۲۲۳) الجواب:۔ بھلا ان لایعنی باتوں کو کون تسلیم کرتا ہے، امام حاکمؒ کبار کی کوئی قید نہیں لگاتے مطلق حضرات صحابہؓ کا ذکر کرتے ہیں اور مکحولؒ اصطلاحی مدلّس ہیں اسی کتاب المدلسین میں اسکا ذکر ہے جس میں قتادہؒ کا ذکر ہے اور تیسرے درجہ کا مدلس لکھا ہے امکانِ لقار کافی ہوتا ہے مگر مدلس کے لیے یہ قاعدہ ہرگز نہیں ہے اور مؤلف مذکور نے ان کی جو توثیق نقل کی ہے وہ بے سود ہے ہم نے معیاری ثقہ کا لفظ بولا ہے فریق ثانی کے لیے نہایت ہی شرم کی بات ہے کہ وہ قتادہؒ وغیرہ ثقہ حافظ اور ثبت راویوں کی تدلیس کو تو قبول نہیں کرتا مگر ضعیف کمزور اور لیس بالمتین کی تدلیس سے قطع نظر کرجاتا ہے، فریق ثانی نے مکحولؒ کی تدلیس کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ کہا ہے یا ان کی متابعت میں جو روایتیں اور راوی اور جو سندیں پیش کی ہیں اجمالاً ان کا ذکر بھی سُن لیجیے۔ امام بیہقیؒ نے احمدؒ بن عمیرؒ بن جوصاءؒ کے طریق سے موسیٰؒ بن سہل رملیؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ مکحولؒ کی محمودؓ بن ربیع سے سماعت ثابت ہے۔ (کتاب القرأۃ صہ ۴۴) اور ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہوسکتا ہے کہ مکحولؒ کی محمودؓ بن ربیع سے سماعت ہوئی تھی (ایضاً صہ ۴۶) لیکن یہ تمام باتیں بے بنیاد ہیں کیونکہ پہلے نقل کیا جاچکا ہے کہ احمدؒ بن عمیرؒ بن جوصاءؒ کمزور اور

ضعیف ہے، اس کی سند کیونکر قابلِ حجت ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ مکحولؒ، حرام بن حکیمؒ اور رجاءؒ بن حیوۃؒ میں سے کسی نے محمودؒ بن ربیع سے سماع کا ذکر نہیں کیا (جزء القراۃ صـ۲۴) مکحولؒ کی متابعت میں پہلی روایت:

مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ عبداللہؓ بن عمروؓ بن الحارثؓ (جن کی روایت دار قطنی جلد ۱ صـ۱۲۱، مستدرک جلد ۱ صـ۲۳۹ اور کتاب القراۃ صـ۴۱ وغیرہ میں موجود ہے) مکحولؒ کے متابع ہیں (ابکار المنن صـ۱۲۴) لیکن یہ متابعت بھی کالعدم ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی معاویہؒ بن یحییٰ ہے۔ امام بخاریؒ اس کی تضعیف کرتے ہیں (ضعفاء صغیر صـ۲۹) نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث تھا (ضعفاء صغیر نسائی صـ۵۲) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (تقریب صـ۲۵۸) دارقطنیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں (صـ۱۲۱/۱) ابن معینؒ اس کو لیس بشئ کہتے ہیں امام ابوزرعہؒ کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں معلول ہیں (میزان الاعتدال صـ۱۸۱/۳) جوزجانیؒ اس کو ذاہب الحدیث اور ابوحاتمؒ، ابوداؤدؒ اور ابوعلی نیشاپوریؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ اس کی حدیثوں میں کلام ہے، ساجیؒ اس کو ضعیف الحدیث اور بزارؒ اس کو لین الحدیث کہتے ہیں امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو ترک کر دیا تھا (تہذیب التہذیب جلد ۱ صـ۲۱۹) دوسرا راوی اس کا اسحاقؒ بن ابی فروہؒ ہے۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں، کہ محدثینؒ نے اس کو ترک کر دیا ہے (ضعفاء صـ۴) نسائیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (ضعفاء صـ۲۱) علامہ ذہبیؒ اس کو ہالک اور تباہ شدہ لکھتے ہیں (تلخیص المستدرک جلد ۱ صـ۲۳۹) حافظ ابن حجرؒ اس کو متروک لکھتے ہیں (تقریب صـ۳۰) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ تمام محدثینؒ نے اس سے احتجاج ترک کر دیا تھا (تہذیب جلد ۱ صـ۹۰) دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (جلد ۱ صـ۱۲۱) بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ وہ قابلِ احتجاج نہیں ہے (سنن الکبریٰ جلد ۶ صـ۲۲) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ ولم ار احدا مشاہ (میزان جلد ۱ صـ۹۰) مجھے معلوم نہیں کہ کسی ایک محدثؒ نے بھی اس کی حدیث قبول کی ہو اور تیسرا راوی عبداللہؓ بن عمروؓ بن الحارثؓ (جو مکحولؒ کا متابع بیان کیا جاتا ہے) خود مجہول ہے (تقریب صـ۲۰۹) یہ ہے فریقِ ثانی کا معیارِ استدلال افسوس صد افسوس۔ مؤلف خیر الکلام نے صـ۲۲۵ میں عبداللہؓ بن عمروؓ بن الحارثؓ کو مجہول تسلیم کر کے یہ جواب دیا ہے کہ مستور کی روایت کو متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں۔ مگر سند کے

باقی راویوں کو بالکل پی گئے ہیں۔

دوسری روایت:۔ مبارکپوری صاحبؒ کتاب القرأۃ ص۴۱ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں شعیبؒ بن ابی حمزہؒ کو مکحولؒ کا متابع بیان کیا ہے (ابکار المنن ص۱۲۵) بلاشک یہ متابع ثقہ اور ثبت ہیں لیکن سند میں ایک تو اسحاقؒ بن ابی فروہؒ ہے جس کا ذکرِ خیر ابھی ہو چکا ہے اور دوسرا راوی اس سند کا عمروؒ بن عثمانؒ ہے ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ محدثین اس میں کلام کرتے ہیں اور یہ منکر حدیثیں روایت کرتا ہے ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ بسا اوقات وہ حدیث میں خطاء کرتا ہے۔ امام نسائیؒ اور رازدیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص۷۷) اور ایک اور سند ہے جس میں محمدؒ بن حمیرؒ ہے جس کا تذکرہ بحث خداج میں ہو چکا ہے کہ وہ قابلِ احتجاج نہیں ہے اور ایک سند میں ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین سلمیؒ ہے یہ صوفیوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ محدثین اس میں کلام کرتے ہیں اور یہ قابلِ اعتماد نہیں ہے (میزان جلد ۳ ص۴۶)

تیسری روایت:۔ مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کنز العمال جلد ۴ ص۲۰۸ اور کتاب القرأۃ ص۴۲ میں عن الزہریؒ عن محمودؓ بن الربیع الخ کی سند میں امام زہریؒ مکحولؒ کے متابع ہیں۔ (تحقیق الکلام جلد ۱ ص۹۴) لیکن قطع نظر اس سے کہ اس کی سند کیسی ہے یہ بھی ان کو مفید نہیں ہے اولاً اس لئے کہ مبارکپوری صاحبؒ خود ایک مقام پہ لکھتے ہیں زہریؒ مدلس ہیں اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں تو ان کی حدیث کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔؟ (ابکار المنن ص۲۵) متابعت سے تدلیس کا شبہ وہاں رفع ہوتا ہے جہاں اصل روایت کے راوی ثقہ ہوں اور شبہ صرف تدلیس کا ہو اور یہاں اصل روایت ہی صحیح نہیں ہے، اس نکتہ کو مؤلف خیر الکلام بالکل ہضم کر گئے ہیں۔ وثانیاً فریق ثانی کی طرف سے جن میں خاص طور سے امام بخاری علیہ الرحمۃ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ کہا گیا ہے کہ امام زہریؒ اپنے کلام کو حدیث میں ملا دیا کرتے تھے (جزء القرأۃ ص۲۳) تو ہم الزامی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا بعید ہے کہ اس حدیث میں خلف الامام کا جملہ امام زہریؒ نے مرفوع حدیث میں ملا دیا ہو۔ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ زہریؒ کی یہ عادت نہ تھی بلکہ ایک خاص حدیث میں فعل تھا محصلہ ص۲۲۷) الجواب:۔ مگر اس میں کوئی جان نہیں کیونکہ خود مؤلف خیر الکلام اسی صفحہ میں امام بخاریؒ کی جزء القرأۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ قال ربیعۃ للزہری اذا حدثت

فبين كلامك الخ اس میں اذا شرطیہ ہے اور خود مؤلف مذکور صـ ۸۲ میں بحوالہ قاضی شوکانیؒ اسماء الشرط کو عام لکھتے ہیں پھر محض بات بنانے کے لیے یہ کہنا کہ عادت نہیں فضل ہے کیا وقعت رکھتا ہے اور مدرج کے لیے یہ دعویٰ کرنا کہ کلام مستقل ہو بالکل بے دلیل ہے کیوں کہ ادراج جیسے مستقل کلام سے ہوتا ہے غیر مستقل سے بھی ہو سکتا ہے اور فتح الباری کا جو حوالہ انہوں نے نقل کیا ہے وہ اس دعوے کے لیے غیر صریح بلکہ صرف کشید ہے ، مؤلف مذکور کو جب خود اپنی اس کشید کی کمزوری کا احساس ہوا تو یہ لکھا ہے کہ غیر مستقل پر ادراج کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے (محصلہ) وثالثاً ، اگر خلف الامام کا جملہ (جس کی وجہ سے ان کی متابعت کو مدنظر رکھا گیا ہے) امام زہریؒ کے نزدیک ثابت ہوتا تو وہ بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل ہوتے حالانکہ وہ جہری نمازوں میں سختی سے اس کا انکار کرتے ہیں اور سکتات کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے كما مرّ ورابعاً اس روایت میں خلف الامام کا جملہ محمدؒ بن یحییٰ الصفارؒ کا مدرج ہے جیسا کہ یہ تحقیقی جواب اپنے مقام پر ذکر کیا جائے گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔ الغرض دیگر حضرات محدثین کرامؒ کے طے شدہ قواعد کے لحاظ سے عموماً اور فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ اصول کے پیش نظر سند کے اعتبار سے کوئی بھی ایسی صحیح روایت موجود نہیں ہے جس کو محمدؒ بن اسحاقؒ اور مکحولؒ کی متابعت میں پیش کیا جا سکے ۔

تیسرا جواب نافعؒ بن محمودؒ کی جہالت :-

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ نافعؒ بن محمودؒ سے خلف الامام کی روایت کے علاوہ اور کوئی روایت مروی نہیں ہے ۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ حدیثہ معلل کہ اس کی حدیث معلول ہے (میزان جلد ۲ صـ ۲۲۷) امام طحاویؒ لکھتے ہیں کہ نافعؒ بن محمودؒ مجہول ہے (الجوہر النقی جلد ۲ صـ ۱۶۵) حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱ صـ ۴۱۰) شیخ الاسلام موفق الدینؒ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں لیس بمعروف (مغنی جلد ۱ صـ ۶۰۶) کہ وہ مجہول ہے ، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ مستور ہے (تقریب صـ ۳۷۱) محقق نیمویؒ اس کا مجہول ہونا نقل کرتے ہیں (تعلیق الحسن جلد ۱ صـ ۷۶) نافعؒ کے مجہول ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس امر کا ہرگز مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول اور غیر معروف راویوں سے اخذ کریں (کتاب القراۃ صـ ۱۴۷) امام خطابیؒ

فرماتے شرھا الموضوع ثم المقلوب ثم المجهول (تدریب الراوی ص۱۹۲) کہ بدترین حدیث جعلی ہے پھر مقلوب اور پھر مجہول اور فریق ثانی تو اس روایت کو لے کر تمام دنیا کو چیلنج دے کر ان کی نمازوں کو باطل ٹھہراتا ہے۔

اعتراض:۔ مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ نافعؒ بن محمودؒ ثقہ تھے اور اس کے دلائل یہ ہیں (۱) علامہ ذہبیؒ نے اپنی کتاب کاشف میں ان کو ثقہ لکھا ہے (۲) امام ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ ان کو ثقہ سمجھتے ہیں۔ امام دارقطنیؒ کی توثیق کا حوالہ مؤلف خیر الکلام نے بھی ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو ص۲۱۳) (۳) نافعؒ سے مکحولؒ اور حرامؒ بن حکیمؒ روایت کرتے ہیں لہٰذا یہ مستور نہ ہوں گے (۴) اگر مستور بھی ہوں تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مستور کی حدیث حجت ہے (شرح نخبۃ الفکر ص۷۱) (۵) ابن حبانؒ نے جو حدیثہ معلل کہا ہے وہ نسخہ ثابت نہیں ہے (۶) بلکہ یہ علامہ ذہبیؒ کا وہم ہے۔ (محصلہ تحقیق الکلام جلد ا ص۷۵ و ص۷۹ و ابکار ص۱۲۹)۔

الجواب:۔ مبارکپوری صاحبؒ کی پیش کردہ یہ جملہ شقیں مردود ہیں علی الترتیب ہر ایک کا جواب سنئیں (۱) کاشف ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی اگر علامہ ذہبیؒ نے نافعؒ کو اس میں ثقہ لکھا ہے تب بھی یہ میزان کے حوالہ حدیثہ معلل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اصول حدیث کے رُو سے ثقہ راویوں کی حدیث بھی معلل ہو سکتی ہے جس کا باحوالہ ذکر عنقریب آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ (۲) امام ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ کا توثیق رجال کے بارے میں مسلک ہی جمہور محدثینؒ سے الگ ہے جمہور تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی سے دو راویوں نے روایت کی ہو اور اس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو (حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ متفرد خود یا غیر جب کہ توثیق کا اہل ہو اور اس کی توثیق کرے تو صحیح قول پر وہ ثقہ ثابت ہو جائے گا۔ شرح نخبۃ الفکر ص۷۰) اور اسی قاعدہ سے مؤلف خیر الکلام نے ص۲۳۶ میں سہارا لیا ہے لیکن شرح شرح نخبۃ الفکر ص۷۰ میں اسی قول کے رد میں لکھا ہے کہ الصحیح الذی علیہ اکثر العلماء من اھل الحدیث وغیرھم انہ لا یقبل مطلقا اھ کہ اکثر محدثین وغیرہم کے نزدیک مطلقاً یہ توثیق غیر مقبول ہے تو وہ مجہول اور مستور ہی رہتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ

ان روی عنہ اثنان فصاعداً ولم — اگر کسی شخص سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت

یوثق فھو مجھول الحال وھو المستور اھ (شرح نخبۃ الفکر ص۲۴)

بیان کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو وہ مجہول الحال ہوتا ہے اور وہی مستور کہلاتا ہے

اور امام ابن الصلاحؒ (المتوفی ۶۴۳ھ) نے پچھلے دو راویوں کے عادل ہونے کی قید بھی لگائی ہے (شرح شرح نخبۃ الفکر ص۱۵۲ طبع مصر) لیکن امام ابن حبانؒ اور دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص سے دو راویوں نے روایت کی ہو تو وہ مجہول نہیں رہتا اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ امام دار قطنیؒ لکھتے ہیں کہ

وارتفاع اسم الجھالۃ لہ عنہ ان یروی عنہ رجلان فصاعداً فاذا کان ھذہ صفتہ ارتفع عنہ اسم الجھالۃ و صار حینئذ معروفا اھ (دار قطنی جلد۲ ص۳۶۱)

راوی سے جہالت کا اسم اس وقت اٹھتا ہے جب کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں جب ایسا ہو تو اس سے جہالت کا اسم مرتفع ہو جاتا ہے اور وہ راوی معروف ہو جاتا ہے۔

اور علامہ سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) نے ان کا مسلک یوں نقل کیا ہے کہ

من روی عنہ ثقتان فقد ارتفعت جھالتہ ثبتت عدالتہ (فتح المغیث ص۱۳۷)

جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اس سے جہالت رفع ہو جاتی ہے اور اسکی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس صورت میں راوی اگرچہ مجہول العین نہیں رہا مگر مجہول الوصف اور مجہول الحال بدستور رہے گا۔ لیکن امام دار قطنیؒ وغیرہ کے نزدیک باوجود مجہول الحال اور مستور ہونے کے وہ عادل ہو جاتا ہے اور اس کی حدیث حسن، صحیح اور جید ہو جاتی ہے اور جمہور نہ تو اس کو ثقہ اور عادل تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں چنانچہ علامہ خطیب الشافعیؒ ۴۶۳ھ لکھتے ہیں کہ:۔

قلت الا انہ لا یثبت لہ حکم العدالۃ بروایتھما عنہ وقد زعم قوم ان عدالتہ تثبت بذلک ونحن نذکر فساد قولھم بمشیۃ اللہ وتوفیقہ (الکفایۃ فی علم الروایۃ ص۸۹)

میں کہتا ہوں کہ ایسے مجہول راوی سے دو راویوں کی روایت کر لینے سے اسکی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی اور ایک قوم نے (مثلاً ابن حبانؒ اور دار قطنی وغیرہ۔ صفدر) یہ خیال کیا ہے کہ اس طرح اس کی عدالت ثابت ہو جائے گی مگر ہم ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس قول کا فساد اور بطلان ذکر کریں گے۔

اور جو مسلک امام دارقطنیؒ کا ہے سو وہی نظریہ امام ابن حبانؒ کا ہے چنانچہ اسکی تصریح موجود ہے کہ۔

وتبعهٗ ابن حبانؒ اذ العدل عندهٗ من لا یعرف فیه الجرح (شرح نخبة الفکر ملا)

ابن حبانؒ بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک بھی ثقہ وہ ہے جس پر کوئی جرح معلوم نہ ہو۔

علامہ ذہبیؒ عمارۃ بن حدید کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

انه مجهول۔ ولا تفرح بذکر ابن حبانؒ له فی الثقات فان قاعدته معروفة من الاحتجاج لمن لا یعرف (میزان جلد ۲ ص۲۲۲)

وہ مجہول ہے اور اس پر خوش مت ہو کہ ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اس لیے کہ ان کا قاعدہ ہی مشہور ہے کہ مجہول راویوں سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں۔

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ

ویحیی الکندی غیر معروف ذکره البخاریؒ وابن ابی حاتمؒ ولم یذکرا فیه جرحاً وذکره ابن حبانؒ فی الثقات کعادته فیمن لم یجرح (فتح الباری پ۲۱ ص۵۲ باب مایحل من النساء و مایحرم)

یحییٰ الکندی مجہول ہے امام بخاریؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اسکا ذکر کیا ہے لیکن اس پر انہوں نے جرح ذکر نہیں کی اور ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں لکھا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جن راویوں پر جرح نہیں ہوتی وہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔

ان تمام ٹھوس حوالوں سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جس راوی کو امام دارقطنیؒ اور امام ابن حبانؒ ثقہ اور عادل کہتے ہیں وہ جمہور کے نزدیک بدستور مجہول الحال اور مستور رہتا ہے اس لیے ان کے نافعؒ کا ثقہ کہنے میں اور جمہور کے اس کو مستور اور مجہول کہنے میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ؎

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا　　　آخر کو ہم دونوں در جاناں پہ جا ملے

یہی وجہ ہے کہ ابن حبانؒ کو متساہل گردانا گیا ہے چنانچہ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ کی طرح ابن حبانؒ بھی متساہل ہیں (فتح المغیث ص۲۴) علامہ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں کہ ابن حبانؒ تساہل میں حاکمؒ کی مانند ہیں (مقدمہ ابن الصلاح ص۹) امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ تساہل میں ایک دوسرے کا نظیر ہیں (تدریب الراوی ص۳۲) اور خود مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبانؒ متساہل ہیں (تحقیق الکلام جلد ا ص۷۷) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے مگر ابن حبانؒ کا تساہل مشہور ہے (ص۲۳۶)

اور اس سے بھی بڑھ کر امام دارقطنیؒ بسا اوقات ضعیف راویوں کو ثقہ اور ان کی حدیث کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں چنانچہ ایک سند میں عبداللہؒ بن لہیعہؒ آیا ہے جو جمہور محدثینؒ کے نزدیک ضعیف ہے اور خود امام دارقطنیؒ کو بھی اس کا اقرار ہے مگر وہ بایں ہمہ اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں ھذا اسناد حسن وابن لھیعۃ لیس بالقوی (دارقطنی ج۱ ص۱۳۲) محمد بن عبدالرحمٰنؒ بن ابی لیلیٰؒ کو ایک جگہ ثقۃ فی حفظہ شئی لکھتے ہیں (جلد۱ ص۴۶) اور دوسری جگہ ضعیف سئی الحفظ لکھتے ہیں (جلد۱ ص۸۹) عبدالرحمٰن بن ابراہیم القاصؒ کو پہلے ثقہ لکھتے ہیں اور پھر اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد ضعیف الحدیث لکھتے ہیں (جلد۱ ص۲۴۳) عبداللہؒ مثنیؒ کو ایک موقع پر ثقہ لکھتے ہیں اور دوسرے پر کہتے ہیں کہ وہ ضعیف (تہذیب التہذیب جلد۹ ص۳۸۸) اس جملہ بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ آسکتی ہے کہ امام دارقطنیؒ اپنی قائم کردہ اصطلاح پر بھی پورے مطمئن نہیں ہیں، اور روات کی ثقاہت اور جرح کے بارے میں وہ متردد رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ توجیہ کی جاسکتی ہے اور ہم اس کے منکر نہیں ہیں کہ ثقہ کسی اور وجہ سے کہا اور ضعیف کسی اور وجہ سے مگر تردد تو رہا ہی اور ہم امام دارقطنیؒ کی فن حدیث میں امامت کے منکر نہیں ہیں مؤلف خیر الکلام نے بے سود عبارتیں اُن کی امامت منوانے کے لیے نقل کی ہیں اختلاف صرف ان کی اصطلاح سے ہے اور صرف ہمیں ہی نہیں جمہور محدثین کو ہے۔ (۳) مبارکپوری صاحبؒ نے امام دارقطنیؒ وغیرہ کی اصطلاح لے کر جمہور کے گلے مڑھنے کی بے جا سعی کی ہے تفصیل سے عرض کیا جاچکا ہے کہ جمہور کے نزدیک ایسا راوی مستور ہی رہتا ہے اور اس کی حدیث مقبول نہیں ہوتی اور خود امام ابن حبانؒ باوجود متساہل ہونے کے نافعؒ کی حدیث کو معلول قرار دیتے ہیں مؤلف خیر الکلام کا یہ جواب کہ ابن حبانؒ نے معلل ہونے کی وجہ بیان نہیں کی اور وہ متشدد ہیں (ص۲۳۱) بالکل غیر تسلی بخش ہے کیونکہ اس کی وجہ شیخ الاسلام نے بحوالہ امام احمدؒ وغیرہ ائمہ حدیث بیان کر دی ہے علاوہ ازیں اگر معلل کہنے میں متشدد ہیں تو ان کو ثقہ کہنے میں متساہل بھی تو ہیں کما مرّ اور بعد کے جن حضرات نے نافعؒ کی سند کو صحیح یا حسن کہا ہے اس میں انہوں نے اعتماد دارقطنیؒ وغیرہ پر کیا ہے اور ان کی مستور کے بارے میں اصطلاح باحوالہ گذر چکی ہے جس کے رُو سے جمہور کے نزدیک مستور مستور ہی رہتا ہے اور جرح کرنے والے محتاط عارف باسباب الجرح اور غیر متعصب ہیں اس لیے قاعدہ کے

رو سے امام طحاویؒ ، حافظ ابن عبدالبرؒ ، امام ابن قدامہؒ علامہ ماردینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کی جرح مقدم ہوگی اور نافعؒ بہر کیف مجہول ہی ہوں گے ۔ مولانا میر صاحبؒ نے علامہ ابن حزمؒ کی کتاب محلی جلد ۳ صفحہ ۲۴۲ سے نافعؒ کی ثقاہت نقل کی ہے (ملاحظہ ہو گلدستہ صلا) لیکن علامہ ابن حزمؒ کا معاملہ بھی روات کی توثیق وتضعیف کے بارے میں بڑا ہی نرالا ہے ، چنانچہ وہ امام ترمذیؒ کو بھی ایک جگہ مجہول کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۸) یہی وجہ ہے کہ ناقد فن رجال حافظ ذہبیؒ سیر النبلاء میں لکھتے ہیں کہ میں ابن حزمؒ سے محبت بھی کرتا ہوں کہ وہ صحیح حدیث سے محبت کرتے ہیں اور اس کی معرفت بھی رکھتے ہیں لیکن وان کنت لا اوافقہ فی کثیر من ما یقولہ فی الرجال والعلل والمسائل البشعۃ فی الاصول والفروع واقطع بخطائہ فی غیر مسئلۃ ولکن لا اکفرہ ولا اضللہ ، وارجولہ العفو والمسامحۃ اھ رجالہ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۹) میں ان کی موافقت نہیں کرتا ان بہت سے امور کے بارے میں جو وہ روات اور علل کے کے بارے میں کہتے ہیں اور اسی طرح ان کے اصول وفروع میں بہت سے ناپسندیدہ نظریات ہیں اور میں بہت سے مسائل میں ان کو یقیناً خطا کار سمجھتا ہوں مگر پھر بھی ان کی تکفیر وتضلیل نہیں کرتا ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ان کی عفو و درگذر کا امیدوار ہوں (۴) یہ بالکل غلط ہے کہ امام ابوحنیفہؒ مستور کی روایت کو حجت سمجھتے ہیں ۔ حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ مستور کی روایت فاسق کی طرح مردود ہوگی جب تک اس کی عدالت ثابت نہ ہو جائے اس کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی ، حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک غیر ظاہر روایت یہ ہے کہ جس کو سلف نے رد نہ کیا ہو وہ مقبول ہے لیکن ظاہر روایت وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی (تحریر الاصول صفحہ ۳۱۶) امام سراج الدین ہندی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ مستور حدیث کے سلسلہ میں باتفاق علماء احناف فاسق کی طرح مردود ہے ۔ اس لیے کہ حدیث میں کافی سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے ، ہاں پانی کے مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مستور کی خبر پانی کی نجاست اور طہارت کے سلسلہ میں مقبول ہے یا مردود ؟ (حاشیہ توضیح صفحہ ۴۲) مستور کی حدیث کے بارے میں یہی مسلک صاحب حسامی صفحہ ۷۱ (علامہ حسام الدینؒ المتوفی ۶۴۴ھ) اور شاہ عبدالحقؒ محدث دہلوی (وغیرہ) بھی نقل کرتے ہیں (مقدمہ مشکوٰۃ صفحہ ۵) اور علامہ زبیدیؒ لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مجہول کی روایت مردود ہے (عقود الجواہر المنیفہ صفحہ ۶) لہٰذا امام ابوحنیفہؒ

کا مستور کی حدیث کے بارے میں صحیح مسلک وہ ہے جو علماء احناف نے پیش کیا ہے نہ کہ وہ جو حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کیونکہ مشہور ہے صاحب البیت ادریٰ بما فیہ (۵) حدیثہ معلل کا نسخہ یقیناً ثابت ہے اولاً اس لیے کہ علماء احناف کی طرف سے جب یہ سوال ہوا کہ میزان الاعتدال کے بعض نسخوں میں وہ عبارت موجود نہیں ہے جس میں ابن عدیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف کی ہے اور جس کو علامہ ذہبیؒ نے میزان میں نقل کیا ہے (علامہ ذہبیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق اپنا فیصلہ تذکرۃ الحفاظ میں درج کیا ہے جو مقدمہ میں نقل ہو چکا ہے اور اس مضمون پر ہماری مبسوط کتاب مقام ابی حنیفہؒ دیکھیں) تو مبارکپوریؒ صاحبؒ اس کا جواب یوں ارقام فرماتے ہیں۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ امام صاحب کا ترجمہ بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کے الحاقی و غیر معتبر ہونے کی دلیل نہیں کتب حدیث میں متعدد روایات اور عبارات ایسی موجود ہیں جو بعض نسخوں میں نہیں اور بعض میں ہیں مگر کوئی بھی ان عبارات کو الحاقی نہیں بتلاتا الیٰ ان قال الحاصل میزان کے بعض نسخوں میں امام صاحبؒ کے ترجمہ کا ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کے الحاقی ہونے کی دلیل نہیں (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص۱۴۲ ومثلہ فی ابکار ص۱۹۱) مبارکپوریؒ صاحبؒ ہی از راہِ انصاف فرمائیں کہ کیا یہ قاعدہ صرف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لیے ہی محدود ہے یا حدیثہ معلل کا نسخہ بھی اس سے ثابت ہو سکتا ہے؟ فرمائیے بات کیا ہے؟ ؎

وفا کا اپنی ثبوت کیا دوں یہ میری الفت کی انتہا ہے کہ جس کو وہ چاہتے ہیں ہمدم میں خیر اس کی منا رہا ہوں

وثانیاً حدیثہ معلل کا نسخہ صرف علامہ ذہبیؒ اور ابن حبانؒ ہی سے منقول نہیں بلکہ دیگر جلیل القدر محدثینؒ بھی نقل کرتے ہیں چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں وھذا الحدیث معلل عن ائمۃ الحدیث کاحمد وغیرہ من الائمۃ (فتاوٰی جلد ۲ ص۱۵۰) کہ اس حدیث کو امام احمدؒ بن حنبلؒ وغیرہ دیگر ائمہ حدیث نے معلول قرار دیا ہے۔

کیا مبارکپوریؒ صاحبؒ کے نزدیک یہ نسخہ بھی ثابت ہے یا اس کے اثبات کا بھی کوئی اور رنگ ڈھنگ ہوگا؟ (۶) وہم خطأ اور نسیان تو انسان کے خمیر میں داخل ہے ان سے وہی محفوظ رہے گا جس کو خدا تعالیٰ بچائے گا لیکن بلا دلیل علامہ ذہبیؒ جیسے ناقدین فن رجال پر وہم کا الزام سنتا کون ہے؟ حافظ ابن حجرؒ نے تو یہ کہا ہی تھا لیکن مبارکپوریؒ صاحب بھی اس کے کہنے پر مجبور ہیں۔

الذہبیؒ ہو من اہل استقراء التام فی نقد اسماء الرجال رتحقیق جلد ا ص۵ الکارص۶۰ تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص۷) علامہ ذہبیؒ وہ ہیں جن کو نقدِ اسماء الرجال میں کامل ملکہ حاصل ہے، جب علامہ ذہبیؒ کو روات اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور ان کے بعد آنے والے جملہ حضرات محدثینؒ کرامؒ ان پر اس فن میں کلی اعتماد کرتے ہیں، تو ان پر بلا وجہ یہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے؟ بہرحال اگر نافع بن محمودؒ کو بعض محدثینؒ نے ثقہ بھی کہا ہو تب بھی اس کی حدیث معلل ہو سکتی ہے چنانچہ امام حاکمؒ سیوطیؒ اور علامہ جزائریؒ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ بسا اوقات ثقہ راوی کی حدیث بھی معلل ہو سکتی ہے (معرفت علوم الحدیث ص۵۹، تدریب الراوی ص۴۸ توجیہ النظر ص۱۳۷) اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ صحت سند صحت متن کو متلزم نہیں ہے اور یہ محدثینؒ کے نزدیک معروف و مشہور ہے۔ (دلیل الطالب ص۶۱۸) مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں صحت اسناد صحت متن کو متلزم نہیں ہے (ابکار المنن ص۲۰۲ و تحفۃ الاحوذی جلد ا ص۲۲) اور حافظ عبداللہ صاحب روپڑیؒ لکھتے ہیں کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اسناد کے حسن ہونے سے حدیث اس وقت حسن ہو سکتی ہے جب حدیث میں کوئی اور عیب نہ ہو اور یہاں اور عیب موجود ہے چنانچہ صاحب ابن حجرؒ نے اس کو معلول کہا ہے۔ (ضمیمہ تنظیم اہل حدیث روپڑ ص۱۶) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ پس اگر ایک متن شاذ ہو یا اس میں کوئی علت ہو یا ارسال و انقطاع کی صورت ہو تو یہ احادیث اگرچہ اوّل درجہ کے ثقہ راویوں سے ہوں پھر بھی ضعیف ہونگی۔ (ص۱۸۴) جب مذکورہ بالا دلائل اور براہین سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نافع مذکور بدستور مستور ہیں تو نافعؒ کی حدیث کسی طرح بھی فریق ثانی کو نافع نہیں ہو سکتی بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ تعدد طرق سے جبر نقصان ہو جائے گا اور حدیث حسن لغیرہ کو پہنچ جائیگی مگر یہ بھی باطل ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حدیثے کہ در اں ضعف از روئے کذب یا ترک یا جہالت راوی آمدہ است ایں چنیں حدیث باوجود تعدد طرق در خور اخذ و عمل نیست خواہ در احکام باشد خواہ در فضائل اعمال (انتہی۔ بلفظہٖ دلیل الطالب ص۸۸۴) نواب صاحبؒ کے کلام نے جو درحقیقت کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے یہ بات بالکل آشکارا کر دی ہے کہ وہ روایات جن میں کذاب، دجال، متروک اور مجہول و مستور راوی ہوں خواہ وہ کتنے

ہی زیادہ کیوں نہ ہوں مگر باوجود تعدد طرق کے نہ تو اثبات احکام کے لیے وہ قابل التفات ہو سکتی ہیں اور نہ فضائل اعمال کے لیے وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کی طرف نگاہ بھی اٹھائی جائے۔ زندہ باد نواب صاحبؒ :۔

چوتھا جواب یہ حدیث مضطرب ہے

کیونکہ مکحول جو تیس بالمتین ہیں سند میں گڑبڑ کرتے ہیں کبھی وہ تو براہ راست حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت کرتے ہیں (دارقطنی جلد۱ ص۱۲۱ وکتاب القراۃ ص۴۴) اور کبھی نافعؒ بن محمودؓ بن ربیع کے واسطہ سے (ابوداؤد جلد۱ ص۱۱۹ وکتاب القراۃ ص۴۳) اور کبھی محمودؓ بن ربیع عن ابی نعیم عن عبادہؓ کے واسطے سے (مستدرک جلد۱ ص۲۳۸) اور کبھی نافعؒ بن محمودؓ عن محمودؓ عن عبادہؓ کے طریق سے (اصابہ جلد۱ ص۶۶) اور کبھی رجاؒ بن حیوہؒ عن محمودؓ بن ربیع عن عبادہؓ کے طریق سے (ایضاً) مؤلف خیر الکلام نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ مکحولؒ اور نافعؒ کی روایت بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں طریق سے ہو (محصلہ ص۲۳۸) الجواب :۔ ممکن تو ہے مگر کسی صحیح سند سے اس کا اثبات ضروری ہے جو نداردہ۔ اور پھر ابونعیمؒ میں بھی اختلاف ہے امام حاکمؒ کہتے ہیں کہ یہ وہبؒ بن کیسانؒ تھے (مستدرک جلد۱ ص۲۳۸) اور ابوداؤدؒ اور دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ یہ ابونعیمؒ مؤذن تھے جلد۱ ص۲۲۱ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ابونعیمؒ کے ذکر میں راوی نے غلطی کی ہے (ص۲۳۸)

الجواب :۔ بس اسی طرح کی غلطی بعض شامی راویوں نے کر ڈالی ہے کہ موقوف کو مرفوع سے خلط ملط کر دیا ہے قول اور فہم حضرت عبادہؓ کا تھا اور بنا حدیث ڈالی ہے، راقم کہتا ہے کہ ابونعیمؒ محمودؓ بن ربیع کی بھی کنیت تھی (تہذیب التہذیب جلد۱۰ ص۶۳) حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ جلد۳ ص۳۸۶ میں بقول مؤلف خیر الکلام محمودؓ کی کنیت ابومحمد بتائی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے مگر اختلاف کی نفی تو نہیں کی جس روایت کی سند میں ایسا کھلا اضطراب ہو وہ کیونکر قابل احتجاج ہو سکتی ہے ؟ ۔ (الجوہر النقی جلد۲ ص۱۶۴ وبذل المجہود جلد۲ ص۵۶ وفتح الملہم جلد۲ ص۲۶ وغیرہ) نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حدیث کا مضطرب ہونا اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث کے مجروح اور کمزور ہونے کا سبب ہے (دلیل الطالب ص۹۱۸) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ایک حدیث مضطرب بھی ہے (ایضاً ص۸۸۲) اور مولانا مبارکپوری صاحبؒ بھی دیگر

حضرات محدثین کرامؒ کی طرح اس قاعدہ اور ضابطہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث مضطرب قابلِ احتجاج نہیں ہو سکتی (دیکھئے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۔ وغیرہ)

اعتراض :۔ مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ محض اختلاف کی وجہ سے اضطراب نہیں ہوتا اضطراب کے لیے دو شرطیں ہیں اور یہاں وہ دونوں مفقود ہیں (۱) اختلاف کے وجوہ برابر ہوں (۲) اختلاف کا جمع کرنا متعذر ہو اور یہاں جمع کرنا متعذر نہیں ہے کیونکہ جب حدیث کے مسند اور مرسل ہونے کا اختلاف ہو تو حدیث مسند ہی ہوگی ؟ لہٰذا اضطراب کیسے ؟ (ابکار ص ۱۲۶ اور مؤلف خیر الکلام نے بھی یہی کچھ کہا ہے ص ۲۳۸/۲۳۹) ۔

جواب :۔ مبارکپوری صاحبؒ کا یہ ارشاد بھی صرف دفع الوقتی ہے اور یہ دونوں شقیں باطل ہیں پہلی تو اس لیے کہ طرفین کے نزدیک ان روایتوں کے وجوہ برابر ہیں، مبارکپوری صاحبؒ اور ان کی جماعت کے نزدیک تو ماشاء اللہ تعالیٰ محمدؒ بن اسحاق مکحولؒ نافعؒ اور دیگر جو راوی ان کی متابعات میں پیش کیے گئے ہیں سب ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں ورنہ وہ ان کی روایتوں سے ہرگز استدلال نہ کرتے وہ ان رواۃ میں سے کس کو راجح اور کس کو مرجوح اور کس کو ثقہ اور ضعیف کہیں گے ؟ اور ہمارے نزدیک بھی وہ ضعیف اور کمزور اور غیر معتبر ہونے میں برابر ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان میں کوئی کذاب ہے اور کوئی دجال، کوئی مجہول ہے اور کوئی متروک کوئی لیس بالمتین ہے اور کوئی ضعیف اور ہمارے نزدیک بھی کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے لہٰذا باتفاق فریقین وجوہ برابر ہیں اور حدیث یقیناً مضطرب ہے اسمیں شک نہیں مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ترجیح بعض دفعہ خارجی امور سے بھی ہوتی ہے الخ (ص ۲۴۰) مگر اس وقت جب روایتیں صحت میں برابر ہوں ضعیف روایات میں تطبیق کی کیا ضرورت ہے ؟ اور دوسری شق اس لیے مردود ہے کہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ جب حدیث کے مسند اور مرسل ہونے کا جھگڑا ہو تو حدیث مسند ہی ہوگی لیکن اس کے لیے اصولی اور بنیادی شرط یہ بھی تو ہے کہ رفع کرنے والا راوی ثقہ ہو اور اس کی سند صحیح ہو اور ان پیش کردہ روایات میں کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے اور راوی کوئی کذاب و دجال ہے اور کوئی مجہول و متروک کوئی مدلس ہے اور کوئی غیر معتبر۔ اندریں حالات ان روایت کو صحیح قرار دینا نہ صرف یہ کہ تعصب پر مبنی ہے بلکہ انصاف کا بھی خون کرنا ہے ۔

پانچواں جواب یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔

یہ روایت خلف الامام کی قید سے موقوف ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔

وضعفه ثابت لوجوهٍ وانما هو قول عبادةؓ بن الصامت (تنوع العبادات ص۸۶)

کہ یہ حدیث کئی وجوہ سے ضعیف اور معلول ہے اور یہ مرفوع بھی نہیں بلکہ حضرت عبادہؓ بن الصامت کا قول ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔

وهذا الحديث معلل عن ائمة الحديث كاحمد وغيره من الائمة وقد بسط الكلام على ضعفه في غير هذا الموضع وبيّن ان الحديث الصحيح قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلوٰة الا بام القران فهذا هو الذي اخرجاه في الصحيح ورواه الزهري عن محمود بن الربيع عن عبادةؓ اما الحديث فغلط فيه بعض الشاميين واصله ان عبادةؓ كان يوما في بيت المقدس فقال هذا فاشتبه عليهم المرفوع بالموقوف على عبادةؓ اهـ

(فتاوی جلد ۲ ص ۱۵۰)

اس حدیث کو امام احمدؒ بن حنبلؒ وغیرہ ائمہ حدیث نے معلول قرار دیا ہے اور کسی دوسرے مقام میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اسکا ضعف بیان کیا گیا ہے اور اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث جو بخاری و مسلم میں موجود ہے اور جس کو امام زہریؒ، محمودؓ بن ربیع کے طریق سے حضرت عبادہؓ سے روایت کرتے ہیں صرف یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، رہی یہ حدیث جس میں خلف الامام کی زیادت ہے۔ تو اس میں بعض شامی راویوں کی غلطی شامل ہے وہ یہ کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت نے ایک دن بیت المقدس میں یہ حدیث بیان کی اور اپنا قول خلف الامام کی قید والا بھی انہوں نے بیان کیا سو راویوں پر مرفوع حدیث اور موقوف قول مشتبہ اور خلط ملط ہو گیا۔

شیخ الاسلام کی یہ عبارت نص صریح ہے کہ کمزور ضعیف اور لیس بالمتین قسم کے راویوں نے حضرت عبادہؓ بن الصامت کے موقوف قول کو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث میں ملا دیا ہے حالانکہ مرفوع حدیث میں خلف الامام کا ذکر تک نہیں ہے۔ القصہ خلف الامام کی قید سے روایت مرفوع نہیں بلکہ یہ غلط کار راویوں کی کرم فرمائی ہے۔ اور اسی کے بل بوتے پر فریق ثانی چیلنج کرتا ہے مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلامؒ کے اس حدیث کو معلل کہنے کی وجہ ان کے خیال میں مکحولؒ کا تفرد ہے اور مرفوع و موقوف میں کوئی تعارض

نہیں مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے خود بعض حنفیہ کو اس کا اقرار ہے (محصلہ ص۲۴۰) الجواب :۔ شیخ الاسلامؒ تفرد کی وجہ سے نہیں بلکہ اس راوی کی کھلی غلطی کی وجہ سے اس حدیث کو معلل کہتے ہیں اور مرفوع کو موقوف پر وہاں پر ترجیح ہوتی ہے جہاں مرفوع کی سند بھی صحیح ہو اور یہاں بخاریؒ وغیرہ کی روایت کو وہ صحیح اور خلف الامام والی کو معلول قرار دے رہے ہیں۔

چھٹا جواب الا بام القرآن کی استثناء ضعیف ہے

جن حدیثوں میں خلف الامام اور الا بام القرآن وغیرہ کی زیادت مروی ہے اور جو نقل کی جاچکی ہیں ان کی روایتی حقیقت تو آپ کو معلوم ہو چکی ہے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے بقیہ کا حال سُن لیجئے، ایک روایت حضرت ابو قتادہؓ سے مرفوعاً مروی ہے جس میں الا بام القرآن کی استثناء مذکور ہے لیکن علامہ ہثیمیؒ لکھتے ہیں فیہ رجل لم یسم (مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۱) کہ اس میں مجہول راوی ہے۔ ایک مرفوع روایت حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ سے مروی ہے اور اس میں بھی الا بام القرآن کی زیادت مروی ہے لیکن سند میں مسلمہؒ بن علیؒ ہے جو ضعیف ہے (مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۱) امام ابن معینؒ اور دحیمؒ اس کو لیس بشیء کہتے ہیں امام بخاریؒ اور ابو زرعہؒ منکر الحدیث کہتے ہیں، ابن حبانؒ اس کو ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہتے ہیں، جوزقانیؒ، یعقوبؒ بن سفیانؒ، نسائی، دارقطنیؒ اور برقانیؒ سب اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں ابو علی نیشاپوریؒ، ابن عدیؒ اور ابن یونسؒ سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ ابو احمد حاکمؒ اس کو ذاہب الحدیث کہتے ہیں ازدیؒ ابن المنادیؒ، ساجیؒ، ابوداؤدؒ، اور حاکمؒ تمام اس کی تضعیف کرتے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ منکر اور جعلی و من گھڑت روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۴۶/۱۴۷) ایک روایت اسی مضمون کی معجم صغیر طبرانی ص۱۳۳ میں آتی ہے لیکن سند میں عبد اللہؒ بن لہیعہؒ ہے جس کا ذکر بحث خداج میں ہو چکا ہے اسی مضمون کی ایک روایت جزء القراۃ ص۱۴ کتاب القراۃ ص۴۶، ص۵۳ اور تحقیق الکلام جلد ۱ ص۹۳ میں ہے لیکن اس کی سند میں عمروؒ بن شعیبؒ الخ کے علاوہ عکرمہؒ بن عمارؒ ہے ابن حجرؒ ان کو غلط کار بتاتے ہیں (تقریب ص۲۶۸) امام احمدؒ اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص۲۰۷) ایک روایت یہ پیش کی گئی ہے کہ حضرت جہرؓ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی آپ نے فرمایا اے جہرؓ اپنے پروردگار کو سناؤ مجھے نہ سناؤ

اوّلاً تو اس روایت میں اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ کی استثنار مذکور نہیں ہے وثانیاً علامہ ہیثمیؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں عبداللہ بن جہرۃ مجہول ہے لم اجد من ذکرہ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۱) اس کا ذکر مجھے کہیں نہیں مل سکا الغرض الا بام القرآن کی استثنار کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے چنانچہ امام الجرح والتعدیل امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ الا بام القرآن کی استثنار کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے (حاشیہ نسائی جلد ۱ ص۱۰۶ و اعلاء السنن جلد ۴ ص۱۰۴) الحاصل صحیح روایت صرف وہی ہے جو بخاری اور مسلم وغیرہ میں موجود ہے جس میں نہ تو خلف الامام کا ذکر ہے اور نہ خلف الامام کے بعد الا بام القرآن کا پیوند موجود ہے، ہاں اس کے دیگر طرق میں فصاعداً ما تیسر اور مازاد کی زیادت بسند صحیح موجود ہے اور یہ ضعیف، کمزور اور لیس بالمتین قسم کے راویوں کی کارستانی ہے کہ وہ کبھی تو الا بام القرآن کا اضافہ کر دیتے ہیں اور کبھی خلف الامام کا پنچر ساتھ لگا دیتے ہیں بخلاف ثقہ، ثبت اور حجت قسم کے راویوں کے کہ وہ پوری دیانت اور صداقت کے ساتھ مرفوع روایت کو اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام الکتاب فھی خداج اِلَّا خلف امام (کما مرّ مفصلاً) کہ ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ ناقص ہوتی ہے ہاں البتہ وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

ساتواں جواب لفظ خلف امام مدرج ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ خلف الامام کا جملہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں بلکہ یہ حضرت عبادۃؓ بن الصامت کا قول ہے اور بعض غلط کار راویوں نے اس کو مرفوع حدیث میں درج کر دیا ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری (المتوفی ۱۳۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ خلف الامام کا لفظ شاذ ہے کیونکہ ثقات محدثینؒ اس کو نقل نہیں کرتے امام بیہقیؒ وغیرہ نے گو اس حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے (اور اس کے اثبات کیلئے ہاتھ پاؤں بھی مارے ہیں صفدر) مگر یہ زیادت بہر حال ضعیف ہے (بذل المجہود جلد ۲ ص۵۵) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ لفظ خلف الامام یقیناً اور قطعاً مدرج ہے اگر کوئی شخص اس کے مدرج ہونے پر قسم کھا لے تو وہ ہرگز حانث نہ ہوگا (فصل الخطاب ص۹۶) مؤلف خیر الکلام کا اس دعوائے ادراج کو صریح جھوٹ کہنا (ملاحظہ ہو ص۲۲۹) نرا تعصب ہے جو قطعاً مردود ہے شیخ الاسلامؒ کی عبارت پہلے گذر چکی ہے اور

اس پر ائمہ حدیث کے ٹھوس دلائل قائم کیے ہیں نرے احتمال سے ادراج کا دعویٰ نہیں ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ کے حوالے کہ محض احتمال سے ادراج ثابت نہیں ہو سکتا بالکل صحیح ہیں مگر یہ ادراج احتمال سے نہیں بلکہ دلائل سے ثابت ہے۔ فریق ثانی کے نزدیک زہریؒ بھی اپنا قول حدیث میں ملا دیا کرتے تھے شاید کہ خلف الامام کا لفظ انہوں نے ملا دیا ہو اور بقول شیخ الاسلامؒ شامی راویوں کی غلطی بھی کوئی مخفی بات نہیں اور کیا بعید ہے کہ یہ محمدؒ بن اسحاق کے دجل اور کذب کا ہی کرشمہ ہو اور محمدؒ بن یحییٰ الصفارؒ پر کس نے یہ پابندی عائد کی ہے کہ وہ اس زیادت کو بطور تفقہ کے استاد محترم کی طرح اس حدیث میں مدرج نہ کر سکیں؟ بہر حال کوئی بھی اس کا مرتکب ہوا ہو یہ یقینی بات ہے کہ خلف الامام کا لفظ مدرج ہے اور راقم کہتا ہے کہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ مکحولؒ کا مدرج ہے کیونکہ محدثین کی ایک جماعت ان میں کلام کرتی ہے اور وہ لیس یالمتین بھی تھے اور مکحولؒ کا شامی ہونا اظہر من الشمس ہے اور نظر بظاہر شیخ الاسلامؒ کی عبارت کا رخ بھی انہیں کی طرف ہے اور یہ قرین انصاف بھی ہے اس لیے کہ امام زہریؒ سے ثقات اور حفاظ کی ایک جماعت یہ روایت نقل کرتی ہے اور ان کی روایت میں خلف الامام کا لفظ نہیں لیکن جب مکحولؒ روایت کرتے ہیں تو اس میں خلف الامام کا پیوند بھی ساتھ ہی ملتا ہے۔

اب آپ نہایت اختصار کے ساتھ اجمالی طور پر ان راویوں کا ذکر سن لیں جو امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں مگر خلف الامام کا پنچر ساتھ نہیں ملاتے۔

(۱) امام سفیانؒ بن عیینہؒ (مسلم جلد ۱ ص۱۶۹ و ابو عوانہ جلد ۲ ص۱۲۴ و جزء القراۃ ص۷) (۲) امام یونسؒ (مسلم و ابو عوانہ جلد ۲ ص۱۲۵) (۳) امام صالحؒ (مسلم، ابو عوانہ ص۱۲۴) (۴) امام معمرؒ (مسلم جلد ۱ ص۱۶۹ و ابو عوانہ جلد ۲ ص۱۲۴) (۵) امام مالکؒ (موطا ص۲۹ و جزء القراۃ ص۳۳ و ص۵۵) (۶) امام ابن جریجؒ (کتاب القراۃ ص۹۶) (۷) امام لیثؒ بن سعدؒ (جزء القراۃ ص۲۳) (۸) امام قرۃؒ بن عبدالرحمٰنؒ (کتاب القراۃ ص۱۰) (۹) امام عقیلؒ (ایضاً) (۱۰) امام اسحاقؒ بن عبدالرحمٰن مدنیؒ (ایضاً) (۱۱) امام اوزاعیؒ (ایضاً) (۱۲) امام شعیبؒ بن ابی حمزہؒ (ایضاً) (۱۳) امام موسیٰؒ بن عقبہؒ (معجم صغیر طبرانی ص۴۲) (۱۴) امام عثمانؒ بن عمرؒ بواسطہ یونس (مسند دارمی ص۱۴۶ و کتاب القراۃ ص۱۰) وغیرہ وغیرہ

یہ تمام حدیث و فقہ کے مسلم امام ہیں امام زہریؒ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں لیکن ان میں کوئی بھی خلف الامام کا ذکر نہیں کرتا اور جب مکحولؒ اور ابن اسحاقؒ وغیرہ ضعیف کمزور اور لیس بالمتین راویوں کی

بارہی آتی ہے تو اُن کی روایت میں خلف الامام کا پیوند اور پینچر بھی ساتھ ہی ملتا ہے اگر ابن اسحاق وغیرہ
ثقہ اور ثبت ہوتے تو ان کی یہ زیادت قابل قبول ہوتی اور جمہور کا اس پر عمل ہوتا مگر ان حالات میں جن کا مفصل ذکر ہو چکا ہے
کہ وہ ضعیف اور لیس بالمتین ہیں اس زیادت کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے ؟ اور اس کو سننے کے
لیے کون آمادہ ہے ؟ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ محدث ابن خزیمہؒ کا بیان ہے کہ اگر کوئی ثقہ اور حافظ راوی
زیادت بیان کرے اور دیگر ثقات حفاظ اور متقنین نے وہ بیان نہ کی ہو تو ہم ایسی زیادت کا انکار نہیں
کرتے لیکن اگر کوئی ایسا راوی زیادت نقل کرتا ہو جو حفظ و اتقان میں ان حفاظ اور ثقات کا ہم پلہ نہ ہو
تو اس کی زیادت قبول نہیں کی جا سکتی (کتاب القرأۃ ص۹۵) خیر یہ تو عام ثقات کی زیادت کا ذکر
ہوا امام زہریؒ کی روایت میں زیادت کا ضابطہ بھی سُن لیجیے جو حضرت امام مسلمؒ نے اپنے صحیح کے مقدمہ
میں بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرات محدثین کرامؒ کا زیادت کے بارے میں مسلک یہ ہے
کہ اگر چند ثقات اور حفاظ کسی حدیث کو بیان کریں پھر ان ہی ثقات میں کوئی ثقہ زیادت نقل کرے
جو دوسروں کے پاس نہیں ہے تو یہ زیادت قابل قبول ہوگی لیکن اگر کوئی راوی امام زہریؒ جیسے
امام سے جن کے بکثرت تلامذہ موجود ہیں اور حفاظ اور متقنین بھی ہیں یا ہشام بن عروہؒ جیسے امام سے
ان کی مروی حدیث میں کوئی ایسی زیادت نقل کرے جو ان کے تمام دیگر ثقات تلامذہ بیان نہیں
کرتے اور اُن کی یہ حدیث بھی اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہو اور زیادت نقل کرنے والا ان ثقات
کے ساتھ شریک بھی نہ ہو۔ فغیر جائز قبول ھذا الضرب من الناس (مقدمہ مسلم
جلد ا ص۴) تو اس قسم کے راویوں کی زیادت ہرگز جائز نہیں ہے کہ قبول کی جائے اندریں حالات
امام زہریؒ کی حدیث میں محمد بن اسحاقؒ، مکحولؒ اور نافعؒ وغیرہ کذاب و دجال ضعیف و کمزور مجہول
و مستور مدلس اور لیس بالمتین وغیرہ کی زیادت کون قبول کرتا ہے ؟ اس پوری تشریح کے بعد
مزید کسی بحث کی ضرورت تو نہیں لیکن ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ مبارک پوری صاحب
حضرت عبادہؓ بن الصامت کی روایت (بزیادت لفظ خلف الامام) کی تصحیح اور تحسین کا یہ ثبوت
پیش کرتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے امام حاکمؒ اور دار قطنیؒ اس کی تصحیح کرتے
ہیں امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے اور اس میں کوئی طعن نہیں ہے لا مطعن فیہ
مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں اس کی سند قوی ہے اس لیے یہ حدیث صحیح اور حسن ہے

(حصلہ ابکار المنن وغیرہ صہ ۱۲۳) اگر اس سند کے راوی ثقہ ہوتے یا ان میں معمولی کلام اور جرح ہوتی یا ائمہ جرح وتعدیل میں اکثریت نے ان کی توثیق کی ہوتی اور یہ اکابر اس سند کو صحیح، حسن، جید اور قوی کہتے تو سر اور آنکھوں پر ان کی بات حجت تھی مگر اس کو کیا کیا جائے کہ کذاب و دجال قسم کے راوی اس میں موجود ہیں اور بتصریح حضرات محدثینؒ احکام و سنن میں ان کی روایت حجت ہی نہیں ہو سکتی اور اس سند کی کڑی میں مجہول و مستور اور لیس بالمتین قسم کے اور راوی بھی ساتھ شریک ہو جائیں تو اس سند میں کیا قوت باقی رہ جاتی ہے؟ خصوصاً جب کہ تصحیح اور تحسین کرنے والے متساہل بھی ہوں۔

امام ترمذیؒ کی تحسین :- علامہ ذہبیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس مقام میں امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے لیکن اچھا نہیں کیا (تہذیب التہذیب جلد ۹ صہ ۱۲۱) اسی طرح ابو غالبؒ کی حدیث کی امام ترمذیؒ نے تصحیح کی ہے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ امام نسائیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں اور ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج ہی صحیح نہیں ہے (العلو جلد ۱ صہ ۲۲۱) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ کثیر بن عبداللہؒ کی حدیث پر امام احمدؒ نے قلم پھیر دیا تھا اور یہ فرماتے تھے کہ وہ محض ہیچ ہے لیکن امام ترمذیؒ کبھی اس کی حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اور کبھی تحسین (زاد المعاد جلد ۱ صہ ۱۴۳) مولانا شمس الحق صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں امام ترمذیؒ کی تصحیح و تحسین پر کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا (تعلیق المغنی جلد ۱ صہ ۲۲۲) شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں کہ محدثینؒ امام ترمذیؒ کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے (فتح الملہم جلد ۲ صہ ۴۳۰) آثار متبوعہ میں (جو ایک غیر مقلد عالم کی تالیف ہے) لکھا ہے رہی تصحیح و تحسین تو امام ترمذیؒ اس میں متساہل ہیں (بکر الآثار مرقوم صہ) مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام ترمذیؒ کی تحسین پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ متساہل تھے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ صہ ۲۰۲ و صہ ۲۲۰ و صہ ۲۲۸ و صہ ۳۷۶ و ابکار المنن صہ ۴۱ و صہ ۲۳۶ اور یہ عبارت ابکار صہ ۲۰۲ کی ہے اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اگرچہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے لیکن ان کی تصحیح میں کلام ہے۔ (ابکار المنن صہ ۵۵) امام ترمذیؒ کی تصحیح قابل تنقید ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں الخ صہ ۲۴۲)

امام حاکمؒ کی تصحیح :- علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ مستدرک میں موضوع اور جعلی حدیثوں تک کی تصحیح کر جاتے ہیں (تذکرہ جلد ۳ صہ ۲۳۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ ساقط الاعتبار حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں (میزان جلد ۳ صہ ۸۵) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ موضوع اور جعلی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں (کتاب التوسل صہ ۱۱۱) علامہ ابن دحیہؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ

کثیر الغلط تھے ان کے قول سے گریز کرنا چاہیے (مقدمہ زیلعی ص۱۱) نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ تصحیح حاکم پیش علماء حدیث بدون شہادت دیگر ائمہ فن لیس بشئ است (دلیل الطالب ۶۱۵). مبارکپوری صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح میں کلام ہے (ابکار ص۶۲) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ کا تساہل علماء فن کے نزدیک معروف و مشہور ہے (ایضاً ۲۳۶) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اسی طرح امام حاکمؒ کی تصحیح بھی قابل تنقید ہے الخ (ص۲۴۳)

امام دار قطنیؒ کی تصحیح کا بھی چنداں اعتبار نہیں ہے۔ وہ ایک ہی راوی کو کبھی ثقہ اور کبھی ضعیف کہہ دیتے ہیں جیسا کہ پہلے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اور محمد بن اسحاقؒ کے بارے میں تو امام دار قطنیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے پھر ان کی ایسی تصحیح کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جب کہ جمہور ائمہ جرح و تعدیل دوسری طرف ہوں۔

امام خطابیؒ کا یہ فرمانا کہ اس حدیث کی سند جید ہے محل تعجب ہے۔ محمد بن اسحاقؒ پر اشد جرح موجود ہے مکحولؒ لیس بالمتین اور مدلس تھے، نافعؒ مجہول و مستور ہے، حدیث مضطرب ہے بقید خلفؓ الامام یہ حدیث موقوف ہے اور یہ زیادت مدرج ہے اتنی خرابیاں ہوتے ہوئے بھی اگر یہ حدیث جید ہے تو ان کی تصحیح و تضعیف کے بارے میں شاید اصطلاح ہی کوئی الگ اور جداگانہ ہو گی۔ ہاں البتہ امام خطابیؒ کا یہ ارشاد مبنی بر انصاف ہے کہ اس میں طعن نہیں ہے (لا مطعن فیہ) یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اس میں مطعن نہیں ہے کئی مطاعن ہیں بلکہ یہ گنجینۂ مطاعن ہے جیسا کہ آپ تفصیلاً ملاحظہ کر چکے ہیں۔

مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی صاحب لکھنویؒ اپنے وقت کے متبحر عالم اور وسیع النظر فقیہ اور محقق تھے لیکن نہ تو وہ ائمہ جرح و تعدیل میں تھے اور نہ بغیر کسی سند کے ان کا کوئی قول معتبر ہو سکتا ہے (دیکھئے مقدمہ زیلعی ص۴۹ وغیرہ) رواۃ کی جرح و تعدیل میں وہ تو صرف ہماری طرح کے ناقل ہیں۔ لہٰذا ان اکابر کا اس حدیث کو صحیح، حسن، جید اور قوی کہنا کوئی معنیٰ اور پوزیشن نہیں رکھتا اور نہ ان کے کہنے سے کذاب و دجال مجہول و مستور راوی ثقہ ہو سکتے ہیں۔

امام بیہقیؒ نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے مگر ان کی یہ تصحیح بھی قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ سند کا حال آپ دیکھ ہی چکے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ قاعدہ جلیلہ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ تعصب سے کام لیتے ہیں اور لبا اوقات ایسی روایتوں سے احتجاج کرتے ہیں کہ اگر ان کا کوئی مخالف ان سے

استدلال کرے تو اس کی تمام کمزوریاں ظاہر کئے بغیر ان کو چین نہ آئے (دیکھئے بغیۃ الالمعی جلد ۲ ص ۸) امام بیہقیؒ ایک مقام پر صلوٰۃ وتر کے عدم وجوب پر عاصمؒ بن ضمرہؒ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۸) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ عاصمؒ بن ضمرہؒ لیس بالقوی (ایضاً جلد ۲ ص ۱۹۳) اور ایک سند کے متعلق جس میں جواب تیمیؒ ہے لکھتے ہیں رواتہ کلھم ثقات کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۸) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں جواب التیمیؒ غیر قوی (جلد ۵ ص ۲۲۵) جواب تیمیؒ قوی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ (مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں، امام بیہقیؒ اگرچہ محدث مشہور ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۳۲) بلاشبہ ان اکابرین کا امت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کے علاوہ اپنے پیارے نبی کی پیاری حدیثیں بھی امت تک پہنچائیں اور ساری عمریں اس خدمت میں صرف کر دیں لیکن تحقیق و تفحص کے میدان میں جب قدم آگے بڑھایا تو بسا اوقات کسی راوی اور حدیث کے متعلق ان کو نظریہ بدلنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اپنی سابق رائے کو ترک کرنا پڑا اور کسی موقع پر مقتضائے بشریت فروعی مسائل میں تعصب سے بھی کام لیا گیا ہے لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بغیر معصوم کون ہے؟ اور تکوینی طور پر بغیر اس تنازع کے احادیث کی چھان بین بھی کہاں ہو سکتی تھی؟ باوجود اس جزوی اور فروعی اختلاف کے ہمارے لیے وہ قابل صد احترام ہیں جہاں انہوں نے سونے کی بوریاں کمائیں مٹھی خاک کی بھی ان میں ڈال دی مگر ہمارے پاس نیکیوں کا کون سا ذخیرہ ہے؟ اس لیے ہمیں اپنے گناہوں میں اضافہ کرنے کی غرض سے چن چن کر ان کی خطائیں اور لغزشیں ملانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

آٹھواں جواب:- آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ خلف الامام کی قید کے ساتھ حضرت عبادہؓ بن الصامت کی یہ روایت نہ صرف یہ کہ انتہائی درجہ کی ضعیف کمزور اور معلول ہے بلکہ یہ الفاظ ہی مدرج ہیں اور ادراج بھی لیس بالمتین قسم کے راویوں کی غلطی کا شاخسانہ ہے جو بہر حال مردود ہے اندریں حالات اس روایت کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کا ایسا مطلب اور معنی کیوں نہ کر لیا جائے جو قواعد عربی کے موافق ہو اور ایسا معنی مراد لینے سے صحیح احادیث کے ساتھ تطبیق کی صورت بھی نکل آئے اور صحیح احادیث کی مخالفت لازم نہ آئے اور یہ بات زیادہ قرین انصاف ہے کہ واذا قرا فانصتوا وغیرہ کی صحیح روایات کو اپنے مقام پر رکھا جائے

اور کمزور قسم کی روایات میں مناسب تاویل کرلی جائے نہ یہ کہ کمزور اور معلول روایتوں کو اصل قرار دیا جائے اور صحیح احادیث میں بیجا تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے۔ خلف کا معنیٰ مکانی بھی ہو سکتا ہے اور زمانی بھی خلف الامام کا ثانی معنیٰ مدنظر رکھ کر مطلب یہ ہوگا کہ جس آدمی نے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی بقیہ رکعات میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوگی اس لحاظ سے یہ روایت مسبوق کے حق میں ہوگی۔ فن حدیث سے تعلق رکھنے والے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ مختلف احادیث کی آپس میں تطبیق کے لیے بسا اوقات محض فرضی باتیں بھی اختیار کی جاتی ہیں اور یہ معنیٰ تو روزمرہ کے معمولات اور مشاہدات میں ہے کہ امام کے فارغ ہونے کے بعد وہ مقتدی جو مسبوق ہوتا ہے اپنی بقیہ رکعات میں باقاعدہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور کون نمازی ایسا ہوگا جس کے ساتھ کبھی یہ صورت نہ پیش آئی ہو۔ رہا وہ مقتدی جو اوّل سے آخر تک حقیقتاً امام کے پیچھے کھڑا ہو یا حکماً امام کے پیچھے ہو جیسے لاحق وغیرہ تو اس کا مسئلہ ہی الگ ہے اس کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی مطلقاً گنجائش نہیں جس کی پوری تفصیل جلد اوّل میں گذر چکی ہے۔

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ یہ تاویل راوئ حدیث حضرت عبادہؓ کے مسلک کے خلاف ہے اور خود حنفی مسلک میں فراغت امام کے بعد سورۂ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنے کا حکم ہے یہ تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے (محصلہ ص۲۲۶) الجواب (۱) یہ تاویل چونکہ دیگر صحیح روایات کے مطابق ہے اس لیے درست ہے روایت کے مقابلہ میں راوی کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور احناف سورۂ فاتحہ کے علاوہ مزید قرأت کے بھی فراغت کے بعد مسبوق کے لیے قائل ہیں مگر وہ مزید قرأت فصاعداً۔ ماتیسر اور مازاد وغیرہ سے ثابت ہے اور ہم نے اس کا باقاعدہ (جلد ۱ ص۱۲ طبع اوّل میں) حوالہ دیا ہے جس کو مؤلف مذکور بالکل ہضم کر گئے ہیں لہٰذا یہ بالکل مناسب تاویل ہے جیں بجیں ہونے کی ضرورت نہیں خلف الامام میں لفظ خلف مکان کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا تو فریق ثانی کے نزدیک بھی مسلّم ہے البتہ خلف زمانی محل غور ہو سکتا ہے اس کی چند مثالیں سن لیں (۱) وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ (پ۲۶۔ احقاف۔ ۳) اور بے شک بہت سے ڈرانے والے حضرت ہود علیہ السلام کے آگے اور ان کے پیچھے گذر چکے ہیں۔ یہاں مِنْ خَلْفِهِ میں خلف زمانی مراد ہے کیونکہ ڈرانے والے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کے پیچھے صف بندی کرکے کھڑے نہ تھے جیسا کہ ظاہر ہے بلکہ وہ ڈرانے والے رسول اور نبی مراد ہیں جو ان کے زمانہ کے بعد دنیا میں آئے (۲) یتامیٰ کے اموال میں بے اعتدالی کرنے والوں کو

اللہ تعالیٰ اپنا شاہی حکم سناتا ہے لو ترکوا من خلفهم ذرية ضعافا الآية (پ ۴ ، النساء ، ۱) یعنی اگر وہ لوگ اپنے پیچھے کمزور اور ضعیف اولاد چھوڑ جاتے اور خود راہی ملک بقا ہو جاتے تو ان کو اپنی اولاد کی ضرور فکر ہوتی اسی طرح دوسروں کے یتیموں کا خیال بھی کرنا چاہیئے اس مقام میں بھی من خلفهم سے خلف زمانی مراد ہے کیونکہ اولاد اپنے والدین کی وفات کے بعد دنیا میں اپنے بھلے برے دن پورے کر کے اپنی زندگی کا زمانہ گذارتی ہے نہ یہ کہ جس مقام پر والدین ہوتے ہیں وہاں ان کے پیچھے لام بندی کر کے صف آرا ہوتی ہے اسی طرح حضرات شہداء کرامؓ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بهم من خلفهم (پ ۴ - ال عمران ، ۱۷۰) اور وہ شہداء خوش وقت ہوتے ہیں ان کے بارے میں جو ان کے پیچھے ہیں اور ابھی ان سے نہیں ملے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھوٹے چھوٹے لشکروں میں جہاد کے لیے شریک نہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں لولا ان اشق علی امتی ما قعدت خلف سریة ولودوت انی اقتل فی سبیل اللہ الحدیث (بخاری جلد ۱ ص ۱ وغیرہ) اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ میرے شریک ہونے کی وجہ سے امت بھی ضرور شریک ہوگی اور مشقت میں مبتلا ہوگی تو میں کسی چھوٹے لشکر کے پیچھے بھی نہ رہتا اور میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہادت پاؤں۔ واضح امر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجاہدین کے لشکروں کو روانہ کر کے جتنا زمانہ وہ جہاد میں مشغول رہتے تھے۔ آپ مدینہ طیبہ میں وہ زمانہ گذارتے تھے نہ یہ کہ آگے مجاہد کھڑے ہوتے تھے اور پیچھے آپ کھڑے ہوتے تھے۔ یہاں بھی خلف زمانی ہے نہ کہ مکانی۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وتسبحون وتحمدون وتکبرون خلف کل صلوٰۃ الحدیث (بخاری جلد ۱ ص ۱۱۶ و ابو عوانہ جلد ۲ ص ۲۴۹) تم ہر (فرضی) نماز سے فارغ ہو کر (۳۳ مرتبہ) سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور (۳۴ بار) اللہ اکبر کہا کرو۔

اس روایت میں بھی خلف زمانی ہے کیونکہ سبحان اللہ وغیرہ کلمات نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنے کا حکم ہے یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ بحالت نماز امام کے پیچھے یہ کلمات پڑھنے کی اجازت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس کا معنی یوں کرتے ہیں ای قال عند الفراغ من الصلوٰۃ (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۶۱)

یہ کلمات نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنے چاہئیں اور نواب صاحب لکھتے ہیں :۔ مراد بخلف دریں جا دُبر صلاۃ است عقب خروج ازاں (دلیل الطالب ص۲۲۴) (۵) صراح ص۲۴۱ میں لکھا ہے خلف قرنے بعد قرنے یعنی ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ (۶) امام ابن جریر طبریؒ مَا بَيْنَهَا وَمَا خَلْفَهَا کا معنی کرتے ہیں لما قبلها وما بعدها من الامم (تفسیر ابن جریر جلد ۱ ص۲۶۵) یعنی جو قومیں زمانہ کے لحاظ سے پہلے گذر چکیں اور جو بعد کو آئیں گی و علیٰ ہذا القیاس قاضی بیضاویؒ، امام سیوطیؒ اور شاہ عبد العزیز دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) وغیرہ حضرات مفسرین کرامؒ اس آیت میں خلف سے خلف زمانی مراد لیتے ہیں یعنی بعد کو آنے والی قومیں (دیکھئے بیضاوی ص۸۱، جلالین ص۱۲ اور عزیزی جلد ۱ ص۱۹۸ وغیرہ) اور مشہور تابعی ابو العالیہ الریاحیؒ بھی خلف زمانی ہی مراد لیتے ہیں (بخاری ص۶۴۳) اسی طرح مشہور حدیث کلما هلك نبی خلفه نبی الحدیث (بخاری جلد ۱ ص۴۹۱) اور حدیث من کل خلف عدوله الحدیث (مشکوٰۃ جلد ص۳۶) وغیرہ میں خلف زمانی کا معنی ہی متعین ہے علاوہ بریں سلف و خلف کا جملہ کس سے مخفی ہے؟ یعنی جو لوگ زمانہ کے لحاظ سے پہلے ہوئے وہ سلف اور جو بعد کو آئے وہ خلف۔ نواب صاحب قاضی شوکانیؒ کو فخر خلف و بقیہ سلف لکھتے ہیں۔ (تقصار ص۸۲) اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اور اس قسم کی دیگر مثالیں دیکھ کر یہ قوی وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ خلف کا زیادہ تر استعمال خلف زمانی کے معنی میں ہوتا رہا اور ہوتا ہے اس لیے فریق ثانی کا اس حدیث میں لفظ خلف کے خلف مکانی کے معنی ہی میں متعین ہونے پر ضد اور اصرار کرنا اس ضد سے کس طرح بھی کم نہیں ہے جو وہ اس معلول حدیث کے صحیح اور قابل احتجاج ہونے پر کر رہا ہے۔

نواںؒ جواب :۔ حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ :۔

فان قیل حدیث عبادةؓ لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا صریح فی الزام الفاتحة علی المؤتم قلنا نعم ہو اصرح الروایات التی ذکرتم لکن دلالته علی ما ہو مطلوبکم غیر	اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عبادہؓ کی حدیث کہ تم ام القرآن کے سوا کچھ اور نہ پڑھو اس لیے کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی اس بات میں صریح ہے کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ لازم ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ہاں تمہاری پیش کردہ روایات میں سے یہ صریح

مسلّم اذ الاخذ دل علی الا لزام ان کان لقوله لا تفعلوا الا بام ہے لیکن تمہارے مطلوب پر اس کی دلالت مسلّم نہیں

القرآن فهو غیر تام لما تقرر فی مقرہ ان الاستثناء عن النهی لا یدل الا علی خروج المستثنی عن حیز المنهی لا علی الندامہ و رکنیتہ او وجوبہ وان کان بقولہ فانہ لا صلوٰۃ الا فهو لا یدل علی الرکنیۃ کنظائرہ من الاحادیث السابقۃ

(امام الکلام ص۲۴۳)

کیونکہ اگر لازم ہونے پر استدلال لا تفعلوا الا بام القرآن سے ہے تو یہ تام نہیں کیونکہ اپنی جگہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نہی سے استثناء صرف مستثنیٰ کے منہی کے حیز سے نکلنے پر دلالت کرتی ہے لازم اور رکن ہونے یا وجوب پر دلالت نہیں کرتی اور اگر یہ استدلال لا صلوٰۃ الا سے ہے تو بھی یہ رکنیت پر دال نہیں جیسا کہ پہلے بیان کی ہوئی اس کی نظائر سے ثابت نہیں ہے۔

یعنی فریق ثانی مقتدی پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا لازم رکن اور ضروری قرار دیتا ہے جبھی تو مقتدی کے سورۃ فاتحہ کے نہ پڑھنے کی صورت میں اس کی نماز کو وہ باطل، بیکار اور کالعدم ٹھہراتا ہے لیکن عربی اور گرامر کے لحاظ سے ان کا مطلب اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ نہی کے بعد اگر استثناء آئے تو اس سے صرف اباحت ثابت ہو سکتی ہے اور ظاہر امر ہے کہ ترک مباح کی وجہ سے کسی طرح بھی نماز کا بطلان اور فساد لازم نہیں آتا لہٰذا اس روایت سے نہ تو روایۃً فریق مخالف کا بے بنیاد دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور نہ درایۃً اور بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے بھی اس کے اس غلو کو توڑنے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے ورنہ ایک اختلافی مسئلہ کے سلسلہ میں اتنی کاوش کی ضرورت نہ تھی۔

یہ ہے خلف الامام کی حدیث کا پس منظر جس کے بل بوتے پر فریق ثانی کی طرف سے تمام روئے زمین کے علماء احناف کو کھلا اور انعامی چیلنج کیا جا رہا ہے اگر فریق ثانی گستاخی نہ سمجھے تو ایک جائز قسم کا ورد عرض کرتا ہوں وہ اس کو پڑھا کرے (اور وہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ تعالیٰ کے خالص مشرکانہ ورد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا) وہ درود شریف یہ ہے ؎

اے میرے باغ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

چوتھی روایت :۔ امام بیہقیؒ نے اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ محمد بن ابی عائشہؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

لعلکم تقرءون والامام یقرأ قالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب۔

(سنن الکبریٰ جلد ۲ ص۱۶۶)

شاید تم اس وقت قرأت کیا کرتے ہو جس وقت امام قراۃ کر رہا ہوتا ہے؟ حضرات صحابہؓ کرام نے فرمایا ہاں ہم قرأت کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم قرأت نہ کیا کرو ہاں مگر یہ کہ سورۃ فاتحہ کی قرأت کر لیا کرو۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ھذا اسناد جید کہ اس کی سند جید کھری اور عمدہ ہے

الجواب:۔ معلوم امام بیہقیؒ نے کس طرح اس سند کو جید کہہ دیا ہے کیونکہ اس کی سند میں ابراہیم بن ابی اللیثؒ ہے صالح جزرہؒ کہتے ہیں کہ بیس سال تک وہ جھوٹ کہتا رہا ہے ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور احمق تھا ساجیؒ اس کو متروک کہتے ہیں ابن معینؒ نے بعد کو اسے کذاب اور خبیث کہا ہے سب سے پہلے اس کے جھوٹ کی حقیقت ورقیؒ نے واضح کی تھی یعقوبؒ بن شیبہؒ کہتے ہیں کہ لوگوں نے پہلے اس سے روایتیں لکھی تھیں مگر بعد کو سب نے اسے ترک کر دیا تھا اس میں اتنی جرأت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جعلی اور موضوع حدیثیں بھی بیان کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے، ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں وہ ضعیف سمجھا جاتا ہے (لسان المیزان جلد ۱ ص۹۱، ۹۲) علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ ابن معینؒ نے پہلے اس کی توثیق کی تھی لیکن بعد کو جب تحقیق کر لی تو اس کی انتہائی مذمت کی حتیٰ کہ اسے کذاب اور خبیث کہا اور فرمایا خدا تعالیٰ اس کا ستیاناس کرے حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔ امام احمدؒ بن حنبلؒ اور علیؒ بن المدینیؒ پر ابتداءً اس کا معاملہ مشکل رہا لیکن بعد کو اس کا جھوٹ واضح ہو گیا اور انہوں نے اس کی روایت کو ترک کر دیا۔ (البغدادی جلد ۶ ص۱۹۱ تا ۱۹۲ ملخصاً) یہ ہے امام بیہقیؒ کی اسناد جید۔ مؤلف خیر الکلام یہ جواب دیتے ہیں کہ کثرت شواہد کی بنا پر سند کو جید کہا ہے (ص۲۴۸) الجواب:۔ اگر اصل روایت میں معمولی ضعف ہوتا تو کثرت شواہد کی بات درست تھی مگر یہاں تو کذاب، خبیث اور رافضی ہے اس کو سہارا دینے کا کیا معنیٰ ہے؟ یہ روایت جزءؒ القرأۃ ص۱۸ وکتاب القرأۃ ص۶۰، دارقطنی جلد ۱ ص۳۱۹، مسند احمد جلد ۴ ص۲۳۶ وجلد ۵ ص۶۰ جلد ۵ ص۸۱ وغیرہ میں مذکور ہے اور ان کی اسانید میں ابراہیم بن ابی اللیثؒ نہیں لیکن ان تمام میں عن[1] ابی قلابۃ عن الخ ہے۔ اور تمام کی اسانید

---

[1] مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس روایت کا مدار سفیان ثوریؒ پر ہے ان سے بہت سے ثقات روایت کرتے ہیں اور شعبہؒ سفیانؒ کے متابع ہیں اور پھر امام بیہقیؒ تصریح کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (محصلہ ص۲۴۸) الجواب:۔ مفصل گذر چکا ہے کہ امام سفیان ثوریؒ قراۃ خلف الامام کے قائل نہ تھے اگر یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو اس کے خلاف کبھی نہ کرتے
باقی حاشیہ ص۱۲۳ پر۔

ہیں رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ ابو قلابہؒ گو ثقہ تھے مگر غضب کے
مدلس تھے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں ۔ مدلس عن من لحقھم وعن من لم یلحقھم (میزان ص ۲۹ ج ۲)
ابو قلابہؒ کی جن سے ملاقات ہوئی ہے ان سے بھی اور جن سے نہیں ہوئی ان سے بھی سبھی تدلیس
کرتے ہیں اور مبارکپوریؒ صاحب کے حوالہ سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ نہ تو مدلس کا عنعنہ مقبول ہے
اور نہ اس کی کوئی روایت اتصال پر حمل کی جا سکتی ہے ۔ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ابو قلابہؒ پہلے طبقہ
کے مدلس ہیں اور محدثین نے ان کی تدلیس کو برداشت کیا ہے (محصلہ ص ۲۷) مگر مؤلف مذکور نے بالکل
غور نہیں کیا ابو قلابہؒ جب عمن لم یلحقھم سے بھی تدلیس کرتے ہیں تو پھر کسی طبقہ میں بھی ہوں
کیونکر وہ قابل برداشت ہوں گے ؟ اس صریح عبارت کو بھی دیکھیں ذرا طبقہ ہی نہ دیکھیں امام نوویؒ
حضرت امام شعبہؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ زنا تدلیس سے ہلکا گناہ ہے (الزنا اھون من التدلیس
شرح مسلم ص ۱۶ ج ۱) اور مبارکپوری صاحبؒ امام شعبہؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تدلیس حرام ہے اور مدلس
ساقط العدالت ہے (تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۱) ہاں مگر صحیحین میں مدلس ہوں یا قتادہؒ اعمشؒ اور ابو الزبیرؒ
محمد بن مسلمؒ وغیرہ کی تدلیس ہو تو وہ قطعاً مضر نہیں ہے کما مرّ مفصلاً ۔ علاوہ بریں رجل من اصحابہ
کے بارے میں خود امام بیہقیؒ وغیرہ کے نزدیک کلام ہے ۔ امام بیہقیؒ رجل من اصحاب النبی صلی
اللہ علیہ وسلم کو مرسل کہتے ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۹۰) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں : حمید بن عبد الرحمن
نے جو یہ کہا ہے لقیت رجلا صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ سے ملا ۔ اس نے صحابی کا نام نہیں بتایا اس لیے یہ روایت مرسل ہو گی ۔
(جلد ۱ ص ۱۹۰) ایک حدیث اس مضمون کی آتی ہے کہ قبیلہ بنی عبد الاشہل کی ایک عورت کہتی ہے کہ
میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا الخ امام خطابیؒ لکھتے ہیں کہ یہ
عورت مجہول ہے (معالم السنن جلد ۱ ص ۱۱۹) علامہ ابن حزمؒ رجل من اصحاب النبی
صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ مجہول ہے (محلی ص ۲۱۶ ج ۳ ، ص ۲۳۸ ج ۷)

(ص ۱۲۲ کا بقیہ حاشیہ) اور جن دیگر ثقات کا حوالہ دیا ہے ان کی اسانید درکار ہیں جو اول سے آخر تک صحیح ہوں امام شعبہؒ
کے طریق سے جو روایت امام بیہقیؒ نے نقل کر کے اس کی تصحیح کی ہے اس میں وہی خرابی ہے کیونکہ حضرت انسؓ کے
طریق کو وہ خود غیر محفوظ کہتے ہیں اور ابو قلابہؒ کی روایت مرسل ہے اور مرسل کو وہ صحیح نہیں مانتے پھر وہ کیونکر صحیح ہے ۔

اور اسی کے قریب مسک الختام جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ میں ہے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب تک صحابی کا نام نہ بتایا جائے گا روایت صحیح نہ ہو گی چنانچہ امام حاکمؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ جزائریؒ صحیح حدیث کی تعریف یوں کرتے ہیں (واللفظ للحاکم)

وصفة الحديث الصحيح ان يرويه عن النبي صلى الله عليه وسلم صحابي زائل عنه اسم الجهالة (معرفت علوم الحديث صـ ۶۲ مقدمہ مسلم صـ ۱۵ شرح نخبۃ الفکر صـ ۲۸ وتوجیہ النظر صـ ۸۱)

صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا صحابی روایت کرے جس سے جہالت کا اسم دور ہو (یعنی مجہول نہ ہو)

علامہ عراقیؒ اور محقق جزائریؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق بھی ہوتے تھے اور مرتد بھی جب تک راوی صحابی کا نام نہ بیان کرے اور اس کا صحابی ہونا معلوم ہو جائے تو اس کی روایت قابلِ قبول نہ ہو گی خواہ وہ راوی عن رجل من الصحابة کہے یا حدثني من سمع النبي صلى الله عليه وسلم کہے (التنقید والایضاح صـ ۱۲۵ وتوجیہ النظر صـ ۱۶۶/۲۳۶) امام سیوطیؒ ایک وجہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات صحابی کو تابعی اور تابعی کو صحابی سمجھ لینے کی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ امام محمدؒ بن ربیعؓ نے عبدالرحمٰن بن غنمؓ کو صحابی سمجھ لیا ہے لیکن علی الاصح (صحیح ترین قول یہ ہے کہ) یہ صحابی نہ تھے (تدریب الراوی صـ ۲۲۳) اس لیے نام کی ضرورت سمجھی گئی کہ اگر واقعی وہ صحابی ہیں تو الصحابةؓ کلهم عدول کے قاعدہ کے تحت داخل ہوں گے اور اگر وہ دوسری شق میں داخل ہیں تو اختلاط اور اشتباہ سے نجات مل جائے گی اور علامہ صیرفیؒ نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ جب تابعی ایسے ہی رجل من الصحابةؓ سے عنعنہ کرے تو وہ روایت کسی صورت میں قابلِ قبول نہ ہو گی (تدریب الراوی صـ ۱۲۹ والایضاح صـ ۵۸)

لہ اور جو حضرات اس صورت کو صحیح سمجھتے ہیں وہ شرط لگاتے ہیں چنانچہ مؤلف خیر الکلام نے بحوالہ تدریب الراوی صـ ۶۹ لکھا ہے کہ اور جہاں صحابی کا نام مذکور نہ ہو تو وہاں صحیح مذہب یہی ہے کہ اگر سند کا پہلا حصہ صحیح ہو تو حدیث صحیح ہوتی ہے الخ صـ ۲۷۵ مگر امام بیہقیؒ جس سند کو جید کہتے ہیں اس کا حال آپ دیکھ چکے ہیں اور دوسری اسانید بھی کلام سے خالی نہیں ہیں۔

بہر کیف امام بیہقیؒ وغیرہ کے قاعدہ کے رُو سے فی نفسہ یہ روایت قابل نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو لے کر تمام دنیا کو کھلا اور انعامی چیلنج کیا جائے فریق ثانی کو اس مدعٰی کے لیے صحیح روایت تلاش کرنی چاہیئے امام بیہقیؒ لکھتے ہیں ھذا اسناد صحیح لیکن ابو قلابہؒ کی تدلیس کے علاوہ بھی عن رجل من اصحاب الخ کی سند کو خود امام بیہقیؒ مرسل کہتے ہیں اور پہلے امام بیہقیؒ ہی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ مرسل ضعیف ہوتی ہے پھر ان کے ہاں اس کی سند کیسے صحیح ہوئی؟ مرسل کو حجت ماننے والے یہ چاہتے ہیں کہ امام بیہقیؒ وغیرہ اپنے قائم کردہ اصول کی پابندی کریں یہ تھوڑا فائدہ ہے علاوہ بریں الا ان یقرأ احدکم[1] کے الفاظ صرف اجازت کا پہلو ظاہر کرتے ہیں اور فریق ثانی کا دعوٰی اس سے بہت اونچا ہے وہ تو ترک قراءت سورۂ فاتحہ کی بنا پر نماز کے ناقص، بیکار، باطل بلکہ کالعدم ہونے کا قائل ہے اور خاص طور پر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا فلا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه (جزء القراءۃ ص۱۵) تم امام کے پیچھے قراءۃ نہ کیا کرو الا یہ کہ جب تم میں کوئی تنہا اور اکیلا ہو تو سورۂ فاتحہ پڑھا کرے فی نفسه کا معنی اکیلا بھی ہو سکتا ہے جس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے اور اگر انصاف سے کام لیا جائے تو سورۂ فاتحہ کی قراءت کو منفرد سے مقید کرنا چاہیئے اس لیے کہ جملہ روایات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ فرمایا تم نے میرے پیچھے قراءت کی ہے؟ جب جواب ملا کہ ہاں تو آپ نے فرمایا جبھی تو میں نے کہا کہ میرے ساتھ مخالجت، منازعت اور ہاتھا پائی ہو رہی ہے تم ایسا نہ کرو سوال یہ ہے کہ آپ نے مقتدیوں کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ فریق ثانی کے خیال کے مطابق حکم بھی دیا تو یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ جو چیز آپ کی تشویش اور منازعت کا سبب بنی اور آپ نے تحقیق حال کے لیے حضرات صحابہؓ سے دریافت بھی کیا اور ان کی اس حرکت کو ناپسند کرتے ہوئے ناراضگی کا اظہار بھی کیا اور پھر اسی چیز کا حکم بھی دے دیا؟ فریق ثانی ہی از راہ انصاف فرمائے کہ بات کیا ہے؟ اور پہلی جلد میں اس کی پوری صراحت گزر چکی ہے کہ موجب منازعت اور مخالجت نفس قراءت تھی جو سورۂ فاتحہ وغیرہ سب کو شامل ہے اور یہ قراءت بھی آہستہ کی گئی تھی مگر باوجود اس کے آپ نے

---

[1] نواب صاحب خیر الکلام میں لکھتے ہیں کہ فاتحہ رکن ہے اور ہر نمازی کو یاد ہوتی ہے باقی قرآن اصح مذہب پر نہ رکن نہ واجب (ملخصا) (ص۲۵۱) الجواب سب کے نزدیک فاتحہ رکن نہیں بلکہ بعض کے نزدیک نفس قراءت رکن ہے اور سب نمازیوں (بقیہ حاشیہ ص۱۲۶ پر)

اس کو پسند نہ کیا فریقِ ثانی کے نزدیک مطلب یہ ہوگا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے قرأت کو ناپسند بھی کیا اور پسند بھی کیا اس سے منع بھی کیا اور اس کا حکم بھی دیا قرأت سے مخالجت اور منازعت ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی اس سے نہی بھی ہے اور استثناء بھی ہے حاشا وکلا رسول اور نبی کی شان اس سے بہت اونچی ہے کہ بیک وقت وہ دو متضاد حکم دیں۔ قصہ یہ ہے کہ آپ نے نمازیوں کو مطلقاً قرأتِ قرآن کرنے سے منع کیا ہے اور تنہائی اور حالت انفراد میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اِلّا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ اور چونکہ دیگر صحیح روایات میں فصاعداً ما تیسر اور ما زاد کی زیادت بھی مروی ہے اس لیے منفرد کے لیے سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ زیادہ بھی پڑھنے کا حکم ہے اور امام کو بین بین نہیں چھوڑا گیا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص۲۳ میں کہا ہے بلکہ دیگر صحیح روایات میں امام کا فریضہ قرأت بتایا ہے اذا قرأ الحدیث اور قراۃ الامام الحدیث۔ یہی وہ مطلب اور معنی ہے جس سے منشائے خداوندی اور مراد رسول سمجھ آسکتی ہے اور قرآن کریم صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرامؓ اور جمہور سلفؒ وخلفؒ کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی اور یہی صحیح ہے ولیس وراء عبادان قریۃ ۔

ترے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرارِ دیں ساقی

ہوا علم الیقیں، عین الیقیں، حق الیقیں ساقی

پانچویں روایت: مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ کو ایک نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے اور مقتدیوں کی طرف اپنا رخ مبارک پھیرا تو ارشاد فرمایا۔

اتقرأون فی صلاتکم والامام یقرأ فسکتوا فقالہا ثلاث مرات فقال قائل او قائلون

کیا تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ حضرات صحابہؓ خاموش ہوگئے آپ نے تین مرتبہ یہی سوال کیا ایک نے یا کئی آدمیوں نے

بقیہ حاشیہ ۱۲۵ کا

کہ سورۃ اخلاص وغیرہ کوئی اور سورت بھی اکثر یاد ہوتی ہے اور ما زاد علی الفاتحہ کے وجوب کے دلائل بھی گذر چکے ہیں اس لیے فاتحہ کی تخصیص کی یہ وجہ قابل قبول نہیں ہے، منازعت اور قرأت کی فرضی تقسیم اور پھر فاتحہ کو منازعت سے مستثنیٰ کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے محض طفل تسلی ہے۔

انا لنفعل قال فلا تفعلوا ولیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ (جزأ القرأۃ ص۵۳ کتاب القرأۃ ص۴۸ سنن الکبریٰ جلد۲ ص۱۶۶ دارقطنی جلد۱ ص۱۲۹ وغیرہ)

کہا ہاں حضرت ہم قرأت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کرنا ہر ایک کو چاہیے کہ فی نفسہٖ سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرے

مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں رواتہ ثقات (مجمع الزوائد جلد۲ ص۱۱۰) اس لیے یہ روایت بالکل صحیح ہے (تحقیق الکلام جلد۱ ص۹۰ وغیرہ)

جواب :- اگر محض بلا دلیل کہنے سے روایت صحیح ہو سکتی ہے تو یہ صحیح ہوگی ورنہ اس کی صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ روایت بھی ضعیف ہے ۔ اولاً اس میں ابو قلابہؒ غضب کا مدلس ہے اور عنعنہ سے روایت کرتا ہے اور مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں ہوتا ۔ وثانیاً اس کی سند میں اضطراب ہے بعض طرق میں عن ابی قلابۃ عن انسؓ آیا ہے (جزأ القرأۃ ص۵۳ ، کتاب القرأۃ ص۴۸ دارقطنی جلد۱ ص۱۲۹) اور بعض طرق میں عن ابی قلابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے (جزأ القرأۃ ص۵۳ ، کتاب القرأۃ ص۴۹ و بیہقی جلد۲ صفحہ ۱۶۶) اور بعض طرق میں عن ابی قلابۃ عن محمدؒ بن ابی عائشہؓ عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے (دارقطنی ص۱۲۹ ، بیہقی جلد۲ ص۱۶۶ تلخیص الحبیر ص۸۶) اور بعض طرق میں عن ابی ھریرۃؓ ہے (دارقطنی جلد۱ ص۱۲۹) اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حدیث مضطرب فریق ثانی کے نزدیک بھی ضعیف ہوتی ہے اور اس میں شدید اختلاف ہے پھر یہ کیسے قابل استدلال ہو سکتی ہے؟

وثالثاً اس کے متن میں بھی اضطراب ہے بعض طرق میں یہ روایت فلا تفعلوا پر ختم ہو جاتی ہے اور اس میں جملہ استثنائیہ موجود نہیں ہے ۔ (کتاب القرأۃ ص۴۹ والجوہر النقی جلد۲ ص۱۶۷) اور بعض طرق میں یہ جملہ استثنائیہ بھی موجود ہے (کتاب القرأۃ ص۱۲۲ اور بیہقی جلد۲ ص۱۶۶ وطحاوی جلد۱ ص۱۲۹ وغیرہ) اور ایک روایت میں صرف لیقرأ بفاتحۃ الکتاب کا ذکر ہے (جزأ القرأۃ ص۵۴) امام بیہقیؒ نے یوسفؒ بن عدیؒ پر یہ الزام لگایا ہے کہ یہ جملہ نہ ذکر کرنے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے لیکن وہ تو ثقہ تھے ، ابوزرعہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں مسلمہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد۱۱ ص۴۱۸) اس لیے یہ الزام کسی اور راوی پر ہونا چاہیے کیوں نہ ہو کہ یہ الزام

عبید اللہؒ بن عمرو الرقیؒ پر عائد کر دیا جائے علامہ ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ وہ صاحب خطا تھے (تہذیب جلد ۷ ص ۴۲) حافظ ابن حجرؒ ان کو صاحب وہم کہتے ہیں (تقریب ص ۲۵۳) اور امام بیہقیؒ اسی روایت میں ان کا وہم بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی طرف اس روایت کی نسبت محفوظ نہیں ہے۔ اور اس میں عبید اللہ کا وہم ہے (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۲۹) مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ مگر کتاب القراءۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے رجوع کر چکے ہیں (ص ۲۷۵) محض بلا دلیل دعویٰ اور سینہ زوری ہے صاحب تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۰ میں اس کو نقل کرتے ہیں اور امام ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ یہ طریق محفوظ نہیں ہے بلکہ یہ (وَھْمٌ) وہم ہے (کتاب العلل جلد ۱ ص ۱۷۵) مبارکپوری صاحبؒ بحوالہ حافظ ابن حجرؒ ابن حبانؒ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ اور محمدؒ بن ابی عائشہؓ دونوں کے طریق محفوظ ہیں لیکن یہ مبارکپوری صاحبؒ کی کھلی غلطی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تو یہ لکھا ہے وزعم ابن حبان ان الطریقین محفوظان الخ (تلخیص الحبیر ص ۸۷) ابن حبانؒ کا یہ زعم ہے کہ یہ دونوں طریق محفوظ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے درحقیقت لفظ زعم بول کر ابن حبانؒ کی تردید کر دی ہے، اور امام بیہقیؒ نے بھی اس کی تردید کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ وقد قیل عن ابی قلابۃ عن انسؓ بن مالک ولیس بمحفوظ انتہٰی (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۶) اور خود مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے اگرچہ انسؓ کے طریق کو ایک جگہ غیر محفوظ قرار دیا ہے مگر کتاب القراءت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں یہ طریق بھی محفوظ ہے الخ (ص ۲۷۳) مگر کتاب القراءۃ سے ان کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہرگز ثابت نہیں ہوتا لفظ زعم اگرچہ حق و باطل دونوں کے لیے آتا ہے مگر یہاں اس کے باطل ہونے کا قرینہ موجود ہے لیس بمحفوظ وغیرہ ورابعاً فی نفسہٖ کا معنی پہلے بیان ہو چکا ہے اس روایت کو صحیح تسلیم کر کے وہ مطلب بھی مراد ہو سکتی ہے وخامساً جلد اوّل میں بسند صحیح حضرت انسؓ سے مرفوع روایت عرض کی جا چکی ہے کہ واذا قرأ فانصتوا جب امام قرأۃ کرے تو تم (تمام مقتدی اس کے پیچھے) خاموش رہو۔ رہا علامہ ہیثمیؒ کا رواتہ ثقات کہنا تو اپنے موقع پر صحیح ہے عبید اللہؒ بن عمروؒ ثقہ ہے مگر صاحب خطاء اور وہم ہے اور ابو قلابہؒ ثقہ ہے مگر غضب کا مدلس ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا خود مبارکپوری صاحبؒ جواب دے گئے ہیں چنانچہ انہیں کا خود نوشت جواب ملاحظہ ہو ایک مقام پر لکھتے ہیں واما قول الہیثمیؒ رجالہ ثقات الخ فلا یدل

علی صحة الحدیث (ابکار المنن صـ۲۲۴) علامہ ہیثمیؒ کا یہ فرمانا کہ اس سند کے جملہ راوی ثقہ ہیں۔
اس سے حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوسکتی یہ روایت بھی جمہور امت کی نمازوں کو ناقص، بیکار،
باطل اور کالعدم قرار دینے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

چھٹی روایت :۔ امام بیہقیؒ اپنی سند سے حضرت انسؓ و قتادہؒ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال — کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میرے
اتقرؤن خلفی قالوا نعم قال فلا تفعلوا — پیچھے قرأت کرتے ہو حضرات صحابہؓ نے کہا ہاں فرمایا
الا بفاتحة الکتاب (سنن الکبریٰ صـ۱۶۶) — سورۂ فاتحہ کے بغیر اور کچھ بھی نہ پڑھا کرو

جواب :۔ یہ روایت بھی احتجاج کے قابل نہیں ہے اولاً اس لیے کہ سند میں مالک بن یحییٰؒ
ہے ابن حبانؒ ان میں کلام کرتے ہیں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں نظر اور کلام ہے عقیلیؒ
اور ابن حبانؒ اس کو ضعفاء میں لکھتے ہیں اور اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں نیز ثانی الذکر کہتے ہیں کہ اس سے
احتجاج جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ثقات سے ایسی روایتیں بیان کرتا ہے جن کی کوئی بھی اصلیت
نہیں ہوتی ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (لسان المیزان جلد ۵ صـ۷) علامہ ابن
خلدونؒ لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی اصطلاح ہے کہ جب وہ کسی راوی کے بارے میں فیہ نظر کہتے
ہیں تو وہ انتہائی درجہ کا کمزور اور ضعیف ہوتا ہے (مقدمہ صـ۳۱۸) وثانیاً سلیمان تیمیؒ حُدِّثتُ کے
لفظ سے روایت کرتے ہیں اور کتاب القرأۃ صـ۹۳ میں بھی حُدِّثتُ سے یہ روایت ہے نہ معلوم
یہ بیان کرنے والا کون اور کیسا تھا؟ عادل تھا یا فاسق؟ ثقہ تھا یا ضعیف؟ امام حاکمؒ مسند حدیث کی یہ شرط
لکھتے ہیں۔ ان لا یکون فی اسنادہ أُخبِرتُ عن فلان ولا حُدِّثتُ عن فلان (معرفت علوم
الحدیث صـ۱۹) کہ اس میں اُخبِرتُ اور حُدِّثتُ عن فلان (کہ مجھ کو خبر دی گئی اور مجھ سے بیان کیا
گیا) نہ ہو۔ وثالثاً خود امام بیہقیؒ اس کو مرسل کہتے ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۲ صـ۱۶۶) اور حدیث مرسل انکے
نزدیک ضعیف ہوتی ہے کما مر امام بیہقیؒ نے اس کی کڑی یوں جوڑنے کی کوشش کی ہے عن یحییٰ بن
ابی کثیر عن عبد اللہ بن ابی قتادۃؓ الخ (الیضاً) لیکن ایک تو حسب تصریح علامہ عقیلیؒ اور ابن حبانؒ
وغیرہ یحییٰ مدلس تھے (دیکھئے تہذیب جلد ۱۱ صـ۲۶۹) اور یہاں عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے
اس روایت کا دارومدار بھی مالک بن یحییٰؒ پر ہے۔

ساتویں روایت :۔ امام بیہقیؒ نے کتاب القرأۃ ص۵۵ میں ایک باب قائم کیا ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ مقتدیوں کو ممانعت نفسِ قرأت سے نہیں بلکہ ان کو جہر سے ممانعت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن حذافہ نے نماز پڑھی اور اس میں جہر سے قرأت کی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا یا ابن حذافہؓ لا تسمعنی واسمع اللہ اے ابن حذافہؓ مجھے نہ سناؤ بلکہ خدا تعالیٰ کو سناؤ۔

جواب :۔ اس روایت سے بھی استدلال باطل ہے اولاً اس لیے کہ سند میں نعمانؒ بن راشدؒ ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث میں بکثرت وہم ہوتا ہے امام احمدؒ ان کو مضطرب الحدیث کہتے ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ یہ صاحب مناکیر بھی ہیں، امام ابن معینؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور یحییٰؒ بن سعید تمام ان کی تضعیف کرتے ہیں (میزان جلد ۳ ص۲۳۷) وثانیاً اس میں زہریؒ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور مبارکپوری صاحبؒ کہتے ہیں کہ ان کی معنعن حدیث صحیح نہیں ہے وثالثاً روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ ابن حذافہؓ آپ کے پیچھے بحالتِ اقتدار نماز پڑھتے ہوئے جہر کر رہے تھے ہو سکتا ہے کہ سنن ونوافل وغیرہ کی نماز میں انفرادی حالت میں انہوں نے ایسا کیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو قریب ہوں گے ان کی یہ اصلاح فرمائی ہو بلکہ یہی قرین قیاس ہے۔ قارئین کرام نمبر شماری کے لحاظ سے گو فریق ثانی کی طرف سے سات روایتیں پیش کی گئی ہیں لیکن جو روایتیں ان کی طرف سے پیش کی گئی ہیں اور پھر ان کے جوابات دیے گئے ہیں، غالباً چالیس سے کم نہ ہوں گی اور آپ جلد اوّل میں پیش کردہ احادیث میں رواۃ کا اور جلد ثانی میں پیش کردہ روایتوں میں راویوں کا توازن توخوب ملاحظہ کر چکے ہیں اور یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت کی بخاری ومسلم وغیرہ کی اس روایت کے علاوہ جو نمبر اوّل پر پیش کی گئی ہے اور جس میں فصاعداً، ماتیسر اور مازاد کی زیادت بھی موجود ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے خصوصاً بقید خلف الامام اور جملہ استثنائیہ کی روایت پر سیر حاصل بحث آپ ملاحظہ کر چکے ہیں عیاں راچہ بیاں اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اب ہم دوسرے باب کو ختم کر کے تیسرا باب شروع کرتے ہیں۔

تیسرا باب

آثار حضرات صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہم

مرفوع روایات کا جن کو فریق ثانی نے مقتدی کے لیے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے وجوب کے لیے اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز کے ناقص، بیکار، کالعدم اور باطل ہونے کے لیے پیش کیا تھا، روایتی اور درایتی حال تو آپ اچھی طرح معلوم کر چکے ہیں کہ بغیر معدودے چند مرفوع روایات کے (جن میں خلف الامام کا لفظ موجود نہیں ہے اور ان میں فصاعداً، ما تیسر اور ما زاد، کی زیادت یا الّا وراء الامام کی قید مذکور ہے) اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے خصوصاً وہ روایات جن میں خلف الامام کی زیادت اور الا بام القرآن کی استثناء موجود ہے وہ تو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہیں۔ ان مرفوع روایات پر کلام کرنے کے بعد مزید حاجت تو باقی نہیں رہتی کہ ہم آثار حضرات صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہم کو نقل کر کے ان کے جوابات عرض کریں خاص کر کے جب کہ فریق ثانی کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ در موقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اور تابعینؒ کے اقوال بلکہ صحابہؓ کے اقوال اختلافی امور میں حجت نہیں ہوتے خصوصاً جب کہ ایک طرف صحیح حدیث موجود ہو الخ (صـ ۳۴) مگر صرف تکمیلِ کتاب اور افادۂ طلبہ کے لیے آثار حضرات صحابہؓ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہم پر کلام نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس مسئلہ کا کوئی پہلو اور گوشہ عامۃ المسلمین کی نگاہ سے بھی اوجھل نہ رہے۔

حضرت عمرؓ کا اثر:- یزید شریکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ بن الخطاب سے سوال کیا، اقرأ خلف الامام قال نعم قال وان قرأت یا امیر المومنین قال وان قرأت (جزء القراءۃ صـ ۱۳،

طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۹ کتاب القرأۃ ص ۔) کیا میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ فرمایا ہاں سائل نے پوچھا اگرچہ آپ پڑھ رہے ہوں اے امیر المؤمنین؟ فرمایا ہاں اگرچہ میں پڑھتا رہوں اور مستدرک ص ۲۳۹/۱ دارقطنی ص ۱۲۰ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۷ وغیرہ) میں یہ بھی مذکور ہے تم سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو سائل نے دریافت کیا اگرچہ آپ جہر سے قرأت کر رہے ہوں؟ فرمایا ہاں اگرچہ میں جہر سے قرأت کیا کروں۔

جواب :۔ فریق ثانی کا اس روایت سے وجوب فاتحہ پر استدلال صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ہم نے جلد اول میں حضرت عمرؓ کا اثر ترک قرأت کا نقل کیا ہے اگر یہ اثر صحیح ہو جیسا کہ بعض ائمہؒ نے اس کو صحیح کہا ہے تو اس کا جواب وہی بہتر ہے جو مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۹۲ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۹۳ سے نقل کیا ہے اور پھر مؤلف مذکور نے یہ لکھا ہے کہ یعنی قرأت فی نفسہ منع نہیں صرف منازعت منع ہے جو شخص فاتحہ بدون منازعت پڑھ سکتا ہو پڑھے جس میں اتنی طاقت نہیں وہ نہ پڑھے اس تطبیق کی اس وقت ضرورت ہوتی جب حضرت عمرؓ سے منع کی روایت صحیح ہوتی مگر وہ روایت صحیح نہیں الخ آگے لکھا ہے کہ وہ مرسل ہے اور محقق مذہب محدثین کا یہ ہے کہ مرسل حجت نہیں (محصلہ ص ۲۹۴) مگر ہم باحوالہ محدثینؒ کا مذہب نقل کر آئے ہیں کہ مرسل صحیح ہوتی ہے لہذا التطبیق کی ضرورت پیش آئے گی اور یہ بہتر تطبیق ہے لیکن اس اثر سے فریق ثانی کو چنداں فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیکار ہے اور باطل ہے اور اس اثر سے صرف اجازت اور اختیار ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ سے اسی مضمون کا ایک اثر کتاب القرأۃ ص ۵۹ میں موجود ہے لیکن سند میں محمدؒ بن حسن ابو جعفر بربہاریؒ ہے امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ ان کا ایک بیاض صحیح اور دوسرا بالکل ردی تھا انہوں نے دونوں کو خلط ملط کر دیا تھا حتیٰ کہ صحیح اور ضعیف کی کوئی تمیز باقی نہ رہی تھی، علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ معروف واہ مشہور و معروف ضعیف ہے، علامہ برقانیؒ اور ابن سرخسیؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا (بغدادی جلد ۲ ص ۲۱، کتاب الانساب ص ۸۷، میزان جلد ۳ ص ۴۵ ولسان جلد ۵ ص ۱۳۱) کتاب القرأۃ ص ۹۱ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۷ وغیرہ میں حضرت عمرؓ کا اس مضمون سے ایک اثر آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کوئی نماز صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ اس میں سورۃ فاتحہ اور کچھ اور بھی پڑھا جائے، سائل نے کہا اگرچہ میں امام کے پیچھے کھڑا

ہوا کروں۔ فرمایا ہاں اقرأ فی نفسک مگر اسکی سند میں عبایہ ہے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ غالی شیعہ تھا۔ ابو بکر بن عیاشؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام اعمشؒ سے پوچھا آپ عبایہ سے کیوں روایت کرتے ہیں؟ فرمایا خدا کی قسم میں تو اس کی روایت کو علیٰ وجہ الاستہزا نقل کرتا ہوں میں نے اس کو کب حجت سمجھا ہے عقیلیؒ اس کو ضعفاء میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ غالی اور ملحد تھا (لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۴۷) و رابعاً اگر حضرت عمرؓ کے یہ آثار صحیح بھی تسلیم کر لیے جائیں تو پھر بھی یہ فریق ثانی کے سراسر خلاف پڑتے ہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے ان آثار میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کے کسی اور حصہ کا بھی ذکر موجود ہے چنانچہ ایک روایت میں یوں ہے فاتحۃ الکتاب وشیئاً (کتاب القرأۃ ص ۶) ایک روایت میں ہے بفاتحۃ الکتاب ومعہا (کتاب القرأۃ ص ۶ وسنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۷) اور ایک روایت میں ہے بفاتحۃ الکتاب وشیئ معہا (کتاب القرأۃ) اور ایک روایت میں ہے بفاتحۃ الکتاب ومعہا شیئ (جامع المسانید جلد ۱ ص ۳۴۶) اگر فریق ثانی حضرت عمرؓ کے اس اثر کو صحیح سمجھتا ہے تو معہا شیئ کی زیادت کو کیوں ہضم کر جاتا ہے؟ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس زیادت کو بیان کرنے والا عبایہ ہے پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ (محصلہ ص ۲۹۲) الجواب: جامع المسانید کی سند میں عبایہؒ نہیں ہے اسی طرح مؤلف مذکور کا اس روایت کو سری نمازوں پر محمول کرنا بے دلیل ہے اور معہا سے اذکار مراد لینا بھی خلاف اصل ہے کیونکہ جب بات قرأت قرآن ہو رہی ہے تو بلا قوی قرینہ کے کیوں اصل کو چھوڑا جائے بلاشک فرض اور مستحب ایک امر میں جمع ہو سکتے ہیں مگر حضرت عمرؓ ما زاد کو واجب سمجھتے ہیں کما مر۔ بہرحال ان کی طرف سے جو معقول جواب ومعہا کی زیادت کا دیا جائے گا وہی جواب ہماری طرف سے قرأت فاتحہ کا سمجھ لیں اور فتح الباری کے حوالہ سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ ما زاد علی الفاتحہ کے وجوب کے قائل تھے۔ مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ ما زاد کو حضرت عمر فرض نہیں سمجھتے ہوں گے اھ (ص ۲۹۲) مردود ہے کیونکہ باحوالہ عرض کیا گیا ہے کہ وہ ما زاد کو واجب سمجھتے ہیں، احناف کے نزدیک ثبوت اور دلالت کے لحاظ سے فرض اور واجب میں فرق ہے لیکن دوسرے حضرات ان میں فرق ملحوظ نہیں رکھتے بالمحض برائے نام فرق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خود مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کیونکہ شریعت میں واجب اور فرض میں

کوئی فرق نہیں الخ (ص ۱۴۶) یا تو فریق ثانی حضرت عمرؓ کے اثر کے پیش نظر ماذاد علی الفاتحہ کے وجوب کا بھی قائل ہو جائے اور یا یہ تحقیق قبول کرے کہ حضرت عمرؓ کا یہ اثر منفرد کے حق میں ہے جس پر سورۂ فاتحہ کے علاوہ ماذاد بھی واجب ہے اور چونکہ حضرت عمرؓ امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے حتیٰ کہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ کاش جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈالا جائے جیسا کہ پہلی جلد میں گذر چکا ہے تو اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ یہ بعض راویوں کی غلطی ہے اور یہ اثر منفرد کے حق میں ہے نہ کہ مقتدیوں کے حق میں۔

حضرت علیؓ کا اثر: سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۸۔ مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۹، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲، طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۳، کتاب القرأۃ ص ۶۲ اور جزء القرأۃ ص ۱۳ وغیرہ میں روایت ہے (واللفظ للاٰخر)

عن علیؓ بن ابی طالب انہ کان یأمر ویحب ان یقرأ خلف الامام فی الظہر والعصر بفاتحۃ الکتاب وسورۃ سورۃ وفی الاخیرین بفاتحۃ الکتاب۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتے اور اس کا حکم دیا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ امام دارقطنیؒ، امام بیہقیؒ اور علامہ ذہبیؒ اس اثر کو صحیح کہتے ہیں (محصلہ ص ۲۹۸، ۲۹۹)

جواب:۔ یہ روایت بھی قابل استدلال اور فریق ثانی کو مفید نہیں ہو سکتی اولاً: اس لیے کہ سند میں سفیانؒ بن حسینؒ ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں وہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے، یحییٰ بن القطانؒ اور ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ثقہ نہ تھے ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث میں بکثرت خطا ہوتی ہے یہی بات ان سے متعلق یعقوبؒ بن شیبہؒ نے بھی کہی ہے۔ ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں ضعیف ہے، ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ امام زہریؒ سے الٹ پلٹ روایتیں بیان کرتا ہے ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ زہریؒ کی حدیث میں قابل احتجاج نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص ۳۹۴) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں ضعیف ہے (تقریب ص ۱۵۱) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ضعیف ہے (نیل الاوطار ص ۱۹ ج ۲) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ تمام محدثینؒ کا اتفاق ہے کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ضعیف ہے

اس کی جو روایت زہریؒ کے طریق سے ہوگی وہ محض ہیچ ہے (فتاویٰ جلد ۱ ص ۲۱۵) اور یہ روایت بھی
زہریؒ ہی کے طریق سے ہے اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ زہریؒ میں اس کے ضعف کی یہ وجہ ہے
کہ زہریؒ کا صحیفہ اس پر خلط ملط ہوگیا تھا الخ (ص ۲۹۹) کچھ بھی ہو اس کا ضعف ان کو مسلّم ہے۔ مبارکپوری
صاحبؒ نے یہ کہا ہے کہ اس روایت کو امام شعبہؒ نے روایت کیا ہے اور محدثینؒ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے
کہ شعبہؒ ثقہ مشائخ سے ہی روایت کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت بھی صحیح ہوگی لیکن یہ ان کا وہم ہے اور آخر
میں خود مبارکپوری صاحبؒ کو اس کا احساس بھی ہوگیا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ امام شعبہؒ سے
روایت کرتے ہیں کہ جب میں تم سے اعمشؒ ابو اسحاقؒ اور قتادہؒ کے طریق سے روایت بیان کروں تو
اگرچہ وہ عنعنہ سے ہو تب بھی اس کو سماع پر محمول کرنا حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ عمدہ قاعدہ ہے کہ
جب امام شعبہؒ کی روایت ان تینوں سے مروی ہو تو تدلیس مضر نہ ہوگی اگرچہ وہ روایت معنعن ہی کیوں نہ
نہ ہو (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۷) معلوم ہوا کہ امام شعبہؒ کا یہ ارشاد ان تینوں کی تدلیس سے متعلق ہے نہ کہ
جملہ رواۃ کی توثیق سے متعلق امام دارقطنیؒ نے معمرؒ کی طریق سے بھی روایت نقل کی ہے اور اس کو
صحیح کہا ہے اور مؤلف خیر الکلام نے اس کو متابع کہا ہے مگر اس میں بھی مدار زہریؒ پر ہے اور وہ عنعنہ
سے روایت کرتے ہیں، فریق ثانی کے نزدیک یہ قاعدہ مسلّم ہے چنانچہ مبارکپوری صاحبؒ ان کی معنعن
حدیث کو اس لیے رد کرتے ہیں کہ وہ مدلس تھے اور یہاں بھی وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں وثانیاً اگر یہ
اثر صحیح ہے تو اس سے صرف ظہر اور عصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا ثبوت ہوگا اور یہ
دونوں سری نمازیں ہیں حالانکہ فریق ثانی تمام نمازوں میں اس کا مدعی ہے وثالثاً اس اثر میں سورۂ
فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی حکم موجود ہے مگر فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے۔ مبارکپوری صاحبؒ
نے سفیانؒ بن حسینؒ کا ایک متابع اسحاق بن راشدؒ (جس کی روایت جزء القراءۃ ص ۲ وغیرہ میں ہے)
بیان کیا ہے (ابکار المنن ص ۱۴۲) لیکن محدث ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ اسحاقؒ بن راشدؒ سے احتجاج درست
نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص ۸۹) امام نسائیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۲۳۰) ابن معینؒ
کہتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ضعیف ہے (ایضاً) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ زہریؒ سے جو
جو یہ روایت کرتا ہے اس میں وہم ہوتا ہے (تقریب ص ۲۸) اور یہ روایت بھی زہریؒ ہی سے ہے
مبارکپوری صاحبؒ نے امام معمرؒ کو بھی ان کا متابع بیان کیا ہے (ان کی روایت دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲ میں

سے اور دارقطنیؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں) لیکن اس میں بھی زہری عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور مدار انہیں پر ہے اور مبارکپوری صاحبؒ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ وہ ان کی معنعن حدیث کو صحیح اور حسن سمجھنے پر آمادہ نہیں ہیں سنن الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں بھی یہ روایت معنعن ہے علاوہ ازیں اس روایت میں بھی ظہر اور عصر کی نماز کا ذکر ہے اور سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی ذکر ہے حالانکہ فریق ثانی فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا قائل نہیں ہے اس لیے اس اثر سے صرف سورۃ فاتحہ کی اجازت پر اور خصوصاً جملہ نمازوں میں اس کے ضروری ہونے پر استدلال ہرگز صحیح نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کا ایک اثر کتاب القرأۃ صفحہ ۱۳ اور سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۶۸ وغیرہ میں بھی (ان سے یہ اثر حکمؒ اور حمادؒ کے طریق سے) مروی ہے لیکن خود امام بیہقیؒ اس کو مرسل کہتے ہیں (ص ۱۶۹ ج ۲) امام طحاویؒ بھی اس کو منقطع کہتے ہیں (احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۳۳) اور فریق ثانی مرسل کو ضعیف سمجھتا ہے اور یہ تو لغوی مرسل (یعنی منقطع) ہے ان کا ایک اثر کتاب القرأۃ صفحہ ۵۸ اور صفحہ ۶۲ میں بھی مذکور ہے لیکن ایک سند میں محمدؒ بن مغیرہؒ بن عبدالرحمٰنؒ مجہول ہے۔ دوسرا راوی اس سند کا حسینؒ بن محمد مروزیؒ ہے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تقریب صفحہ ۹۴) تیسرا راوی اس سند کا معقلؒ بن عبید اللہؒ ہے حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ وہ صدوق یخطئ تھا (تقریب ص ۳۵۹) اور دوسری سند میں ابو علی بن ابراہیمؒ اور احمدؒ بن مہدیؒ وغیرہ راوی ہیں کتب رجال سے ان کا پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کیسے تھے؟ مبارکپوری صاحبؒ نے کتاب القرأۃ صفحہ ۳۲ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا یہ فتویٰ بھی نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ وھذا اسناد من اصح الاسانید فی الدنیا (تحقیق الکلام جلد ۲ صفحہ ۱۶) یہ دنیا کی تمام سندوں سے صحیح ہے۔

الجواب:۔ اگرچہ اس کے اور بھی سند اور متن کے لحاظ سے کئی جوابات دیے جا سکتے ہیں مگر ہم صرف وہی جواب عرض کرتے ہیں جو خود مبارکپوری صاحبؒ کے قلم سے نکلا ہے۔ اس روایت میں زہریؒ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور مبارکپوری صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ فی اسنادہ الزہری وھو مدلس ورواہ عن سالم بالعنعنۃ فکیف یکون اسنادہ صحیحا (ابکار المنن صفحہ ۵۶) اس کی سند میں زہریؒ ہیں جو مدلس تھے اور سالمؒ سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ تو اس کی اسناد کیسے صحیح ہو سکتی ہیں؟ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ فی سندہ الزہریؒ وروی

عن طلحۃ بن عبد اللہ بالعنعنۃ فکیف یکون اسنادہ صحیحا (ص ۲۵) اس کی سند میں زہریؒ ہیں جو مدلس تھے اور وہ طلحہؓ سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں پھر کیونکر اس کی سند صحیح ہو سکتی ہے ؟ مبارکپوری صاحبؒ ہی ازراہِ کرم وانصاف فرمائیں کہ جب زہریؒ کی معنعن روایت صحیح تک نہیں ہو سکتی تو وہ اصح الاسانید کیسے ہو گی ؟ اور پھر تمام روئے زمین کی اسانید سے وہ اصح کیسے ہو گی ؟ الغرض دیگر حضرات محدثین کرامؒ کے اصول کے تحت بھی اور خود فریق ثانی کے نزدیک بھی حضرت علیؓ کے پیش کردہ جملہ آثار ضعیف کمزور اور معلول ہیں اور مزید براں ان میں جہری نمازوں کا ذکر تک نہیں اور سری نمازوں میں بھی سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی ساتھ ذکر ہے۔ مگر فریق ثانی اس کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتا۔

حضرت ابیؓ بن کعب کا اثر:۔

ان سے یہ روایت کی گئی ہے اِنَّہٗ کَانَ یَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ (جزء القراۃ ص ۱۰ و کتاب القراۃ ص ۶۱) کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے۔

جواب:۔ اس کی سند میں زیاد بکائیؒ ہے امام نسائیؒ لکھتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا (ضعفاء ص ۴۳) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ ابن مدینیؒ اور ابن سعدؒ وغیرہ اس کی تضعیف کرتے ہیں (میزان جلد ۱ ص ۳۵۵) ابن معینؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں یہ قابل اعتبار نہیں صالحؒ کا بیان ہے کہ وہ فی نفسہٖ ضعیف ہے، ابن حبانؒ اس کو فاحش الغلط اور کثیر الوہم کہتے ہیں اور کہتے ہیں جب یہ متفرد ہو تو اس سے احتجاج درست نہیں ہے (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۷۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ کمزور ہے (تقریب ص ۱۳۲) کتاب القراۃ ص ۶۲، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۰ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۸ وغیرہ میں ایک دوسری سند سے یہ روایت منقول ہے لیکن اس کی سند میں ابو جعفر رازیؒ ہے جس کا نام عیسٰیؒ بن ابی عیسٰی ماہانؒ ہے۔ امام احمدؒ اور نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا ابن مدینیؒ اس کو صاحب غلط اور خطا کہتے ہیں۔ فلاسؒ اس کو سئی الحفظ کہتے ہیں ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ مشہور راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے۔ ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ وہ بکثرت وہم کا شکار تھا (میزان جلد ۲ ص ۳۱۵) زکریا ساجیؒ کہتے ہیں کہ وہ صاحب اتقان نہ تھا۔ ابن خراش اس کو سئی الحفظ کہتے ہیں عجلیؒ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا۔ حافظ ابن حجرؒ اس کو سئی الحفظ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۵۷)

یہ اثر بھی انتہائی ضعیف اور کمزور ہے نیز یہ بھی نہ بھولئے کہ مطلق قرأت سے سورۂ فاتحہ کی قرأت کیسے ثابت ہوگی؟ کیونکہ اس اثر میں سورۂ فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور فریق ثانی کی رٹ سورۂ فاتحہ کی ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے بعض توثیقی کلمات نقل کرکے آگے لکھا ہے کہ توثیق کے بعد جرح مذکور کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ وہ مبہم ہے اور اس کی دو سندیں اور ہیں تعدد طرق سے حسن روایت صحیح ہو جاتی ہے (محصلہ ص۲۰۲) الجواب:۔ فاحش الغلط اور کثیر الوہم وغیرہ جرح مفسر ہے اس کو مبہم کہدینا اصول حدیث سے بے خبری کی دلیل ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ حدیث کی مردود قسموں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

فمن فحش غلطہ، او کثرت غفلتہ او ظہر فسقہ فحدیثہ منکر (شرح نخبۃ الفکر ص۵۹)	سو جس شخص کی غلطیاں زیادہ ہوں۔ یا اس کی غفلت زیادہ ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو تو اس کی حدیث منکر ہوتی ہے۔

پھر آگے راوی کے وہم کی بحث کی ہے اور اس کی حدیث کو معلل کہا ہے۔ اور آخر میں راوی کے سوء حفظ پر کلام کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر سوء حفظ تمام حالات میں راوی کو لازم رہے تو اس کی حدیث شاذ کہلاتی ہے اور اگر سوء حفظ طاری ہو تو اس کی مختلط کہتے ہیں اور تقریب النواوی میں ہے کہ۔

واذا قالوا متروک الحدیث او واھیہ او کذاب فھو ساقط لا یکتب حدیثہ (مع التدریب ص۲۲۱)	جب محدثینؒ کسی راوی کو متروک الحدیث، یا واہی الحدیث یا کذاب کہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اور اس کی لکھی بھی نہیں جا سکتی۔

اور اس کی شرح میں لکھا ہے کہ:۔

ولا یعتبر بہ ولا یستشھد (تدریب الراوی ص۲۳۳)	اور نہ تو اس کو اعتبار (ومتابعت) میں پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ شاہد میں۔

اور تقریب النواویؒ اور اس کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:۔

واذا اجتمع فیہ ای الراوی جرح مفسر وتعدیل فالجرح مقدم ولو زاد عدد المعدل ھذا ھو الاصح عند الفقہاء والاصولیین ونقلہ الخطیب عن جمھور العلماء اھ (تدریب الراوی ص۲۰۳)	اگر راوی میں جرح اور تعدیل جمع ہو جائیں تو جرح مقدم ہوگی اگرچہ تعدیل کرنے والوں کی تعداد زیادہ بھی کیوں نہ ہو فقہاء اور ارباب اصول حدیث کے نزدیک یہی صحیح ہے اور خطیب بغدادیؒ نے جمہور علماء سے یہی نقل کیا ہے۔

مؤلف خیر الکلام نے ص۴۷ و ص۴۸ میں الرفع والتکمیل کے حوالہ سے جو عبارتیں نقل کی ہیں اولاً تو اس میں منکر الحدیث وغیرہ کو جو جرح مبہم کے تحت درج کیا ہے قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ ابھی ہم با حوالہ عرض کر چکے ہیں کہ منکر الحدیث ایسی مفسر جرح ہے کہ بطور اعتبار اور شاہد بھی ایسے راوی کی روایت نہیں پیش کی جا سکتی وثانیاً الرفع والتکمیل (ص۸) کی عبارت میں جس کو خود مؤلف خیر الکلام نے ص۴۷ میں لکھا ہے یہ شرط بھی ہے کہ من غلب ان یذکر سبب الطعن۔ یہ الفاظ بولے مگر اس کے طعن کا سبب بیان نہ کرے اور زیاد بکائیؒ وغیرہ کے بارے میں فاحش الغلط اور کثیر الوہم وغیرہ کی مفسر جرح موجود ہے اور ائمہؒ نے صراحت کے ساتھ سبب طعن ان میں ذکر کیا ہے پھر مؤلف خیر الکلام اس کو جرح مبہم کہہ کر کس طرح سستی گلو خلاصی کر سکتے ہیں؟ اور تعدد طرق کا بہانہ بھی بڑا عجیب ہے، تعدد طرق سے حدیث وہاں صحیح یا حسن لغیرہ ہو سکتی ہے جہاں ہر ایک سند کی روات پر قابل برداشت جرح ہو نہ یہ کہ وہاں مفسر اور کڑی جرح بھی موجود ہو اور پھر بھی تعدد طرق سے حدیث صحیح یا حسن قرار پائے نواب صاحبؒ کا حوالہ اس سلسلہ میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے، بہر حال یہ روایت ضعیف ہے اور معاملہ احکام کا ہے۔ اور امام نوویؒ تصریح کرتے ہیں کہ :-

فانهم متفقون على انه لا يحتج بالضعيف في الاحكام (شرح مسلم جلد ا ص۲۱) — تمام حضرات محدثینؒ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ضعیف سے احکام میں احتجاج درست نہیں ہے۔

فائدہ :- اس اثر کی سند میں ابو سنانؒ کا ذکر آیا ہے محقق نیمویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا (تعلیق جلد ۲ ص۸۳) راقم کہتا ہے کہ ان کا نام ضرارؒ بن مرۃؒ تھا (تہذیب جلد ۲ ص۹۲) اور یہ بالاتفاق ثقہ اور ثبت تھے (تہذیب جلد ۴ ص۴۵۷) حضرت ابی بن کعبؓ کی ایک روایت ان الفاظ سے مروی ہے۔ کان يقرأ خلف الامام في الظهر والعصر (کتاب القرأۃ ص۶۲) کہ وہ ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے لیکن اس سے بھی فریق ثانی کا احتجاج باطل ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں یحییٰؒ بن العلاءؒ ہے امام احمدؒ بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یہ کذاب جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ ابن معینؒ اس کو لیس بثقة اور لیس بشئ کہتے ہیں عمروؒ بن علیؒ، نسائیؒ، دولابیؒ اور دارقطنیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں امام وکیعؒ، ابو زرعہؒ، ابو حاتمؒ اور ابو داؤدؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں، ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ اس کی

حدیثیں موضوع اور جعلی ہیں، اساجیؒ اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹۲) مؤلف خیر الکلام نے یہاں بھی یہ لکھ کر گلو خلاصی چاہی ہے کہ یہ سب جرحیں مبہم ہیں الخ سبحان اللہ تعالیٰ (ص ۲۰۵) وثانیاً اس اثر میں ظہر اور عصر کی قید ہے اور فریق ثانی تمام نمازوں میں قرأت کا مدعی ہے وثالثاً اس میں مطلق قرأت کا ذکر ہے سورۂ فاتحہ کی تخصیص اس میں موجود نہیں ہے لہٰذا معنوی اعتبار سے بھی یہ اثر ان کو کسی طرح بھی مفید نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ :-

ھذیلؒ بن شرجیلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ امام کے پیچھے عصر کی نماز میں پہلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی پڑھا کرتے تھے (کتاب القرأۃ ص ۹۴ وابکار ص ۱۴۳)

جواب :- یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیثؒ بن ابی سلیمؒ ہے امام دارقطنیؒ (جلد ۱ ص ۱۲۹ میں) امام بیہقیؒ (کتاب القرأۃ ص ۱۰۷ میں) اور امام احمدؒ، امام یحییٰؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ سب اس کو ضعیف اور کمزور کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۲۶۰ تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۴۶۸ و قانون الموضوعات ص ۲۴۸) اور دوسرا راوی اس سند کا عبد الرحمٰنؒ بن ثروانؒ ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (میزان جلد ۲ ص ۲۰۰) نیز اس اثر میں ظہر و عصر کی نماز کی تخصیص ہے اور وہ بھی صرف پہلی دو رکعتوں میں اور فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت کا بھی ذکر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے ایک روایت یوں ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کرتے تھے۔ سنن الکبریٰ ص ۱۶۹ ج ۲

کتاب القرأۃ ص ۹۴، تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۳ ابکار المنن ص ۱۴۳ اور جزء القرأۃ ص ۱۳ (جزء القرأۃ میں ظہر اور عصر کا لفظ موجود نہیں ہے) لیکن اس روایت کا مرکزی راوی شریکؒ ہے، امام بیہقیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اکثر محدثینؒ اس سے احتجاج نہیں کرتے (جلد ۱۰ ص ۲۷۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ یحییٰ قطانؒ اس کی اشد تضعیف کرتے تھے (جلد ۶ ص ۱۳۶) عبد اللہؒ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث قابل قبول نہیں ہے جوزجانیؒ اس کو سیئ الحفظ اور مضطرب الحدیث کہتے ہیں ابراہیمؒ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ شریکؒ نے چار سو احادیث میں غلطی کی ہے (میزان جلد ۱ ص ۴۴۲ و تہذیب جلد ۴ ص ۳۳۳) علامہ جزائریؒ لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث مردود اور غیر مقبول ہے (توجیہ النظر ص ۲۵۲) حافظ ابن حجرؒ اس کو کثیر الخطأ لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۴۹) مبارکپوریؒ صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں یہ حدیث حسن

کیسے ہو سکتی ہے اس کی سند میں شریک منفرد ہے اور وہ صاحب خطاء کثیر الغلط اور خراب حافظے کے مالک تھے (تحفۃ الاحوذی جلد ا صفحہ ۲۹۸) نیز اس روایت میں قرأت کا ذکر ہے سورۂ فاتحہ کی تخصیص نہیں ہے اور وہ بھی صرف ظہر اور عصر کی نماز میں اور جلد اول میں صحیح اسانید کے ساتھ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کا محقق مسلک نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ کسی نماز میں امام کے پیچھے کسی قرأت کے قائل نہ تھے نہ سورۂ فاتحہ کے اور نہ کسی اور سورت کے اس لیے فریق ثانی کا حضرت ابن مسعودؓ کے اثر سے استدلال روایۃً و درایۃً ہر طرح سے مردود ہے۔ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ان آثار میں اگرچہ کچھ ضعف ہے مگر مجموعی طور پر ان سے احتجاج درست ہے اور جن آثار میں ظہر و عصر کی قید ہے وہ اتفاقی ہے اور اس کے خلاف جو ان کا فتویٰ ہے وہ جہریہ پر محمول ہے (محصلہ صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳)۔

الجواب: جن آثار میں کچھ ضعف ہے ان کی بجائے آپ وہ آثار کیوں نہیں لے لیتے جو بالکل صحیح ہیں جو جلد اول میں گذر چکے ہیں اور ظہر و عصر کی قید خالص احترازی ہے کیونکہ اس کے اتفاقی ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور ان کے قول کو جہریہ پر محمول کرنا خالص سینہ زوری ہے وہ امام کے پیچھے نفس قرأت کے ہی منکر ہیں جو صحیح روایات سے ثابت ہے کما مرّ

حضرت عبد اللہؓ بن مغفل کا اثر: امام بخاریؒ اپنی سند کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

عن عبد اللہؓ بن مغفل انہ کان یقرأ فی الظہر والعصر خلف الامام فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورتین وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب (جزء القرأۃ صفحہ ۱۳)

کہ حضرت عبد اللہؓ بن مغفل ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور دو اور سورتیں بھی پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

جواب: اس اثر سے بھی فریق ثانی کا احتجاج درست نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس سند میں عمر بن ابی سحیمؒ ہے علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ راوی مجہول ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں وقال الذہبیؒ لا یعرف انتہی کہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تہذیب صفحہ [illegible]) ابن حبانؒ اس کو ثقات میں لکھتے ہیں لیکن مبارکپوریؒ صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کو کوئی خبر نہیں کہ ابن حبانؒ متساہل ہیں (تحقیق الکلام [illegible]) وثانیاً اس اثر سے صرف ظہر اور عصر کی سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کا ثبوت ہے حالانکہ فریق ثانی سب نمازوں اور سب نمازیوں کے لیے دعویٰ کرتا ہے وثالثاً اس اثر میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور سورتوں کی قرأت کا بھی ذکر ہے اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے اس لیے یہ اثر بھی ان کو چنداں مفید نہیں ہو سکتا مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس اثر میں ظہر اور عصر کا ذکر ہے مگر باقی کی نفی نہیں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں (محصلہ صفحہ ۲۳۶)

الجواب: ظہر وعصر کی قید احترازی ہے جو باقی کی نفی پر دال ہے اور مفہوم مخالف پر یہ واضح دلیل ہے پھر کیوں حجت نہیں ؟ ہاں اگر احناف کی طرح وہ مفہوم مخالف کو حجت نہیں سمجھتے تو صاف بتا ئیں . تاکہ ہم ان کی پسند کا کوئی اور جواب عرض کر سکیں ۔

حضرت ابو سعید الخدری رضؓ کا اثر:

حضرت ابو نضرؒ کہتے ہیں میں نے حضرت ابو سعید الخدریؓ سے پوچھا عن القرأۃ خلف الامام فقال بفاتحہ الکتاب (جزء القرأۃ ص۱۳) کہ امام کے پیچھے قرأت صحیح ہے فرمایا ہاں سورۃ فاتحہ ۔

جواب: سند میں عوامؒ بن حمزہؒ ہے ابن جوزیؒ اس کو ضعفاء میں لکھتے ہیں (الجوہر النقی ج۱ ص۱۶۳) امام یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث محض ہیچ ہے (میزان جلد۲ ص۳۰۸) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ صاحب مناکیر تھے (تہذیب التہذیب جلد۸ ص۱۶۳) مبارکپوری صاحبؒ کہتے ہیں کہ عوام ثقہ ہے کیونکہ جرح مبہم ہے لہذا یہ اثر صحیح ہے (تحقیق الکلام جلد۲ ص۱۵۸) امام الجرح والتعدیل یحییٰؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث لیس بشئی ہے اور امام احمدؒ اس کو صاحب مناکیر کہہ کر منکر الحدیث بتا رہے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ مبارکپوریؒ صاحب کے نزدیک یہ جرح مبہم ہے ، کیا مولانا کو اپنا لکھا ہوا یہ ارشاد یاد نہیں کہ جس راوی سے متعلق منکر الحدیث ہونیکا الزام ہو اسکی حدیث قابل ترک ہے کیونکہ یہ جرح مفسر ہے (ابکار المنن ص۱۹۱) الغرض یہ روایت اور اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں ہے ۔

حضرت انسؓ بن مالک کا اثر: حضرت ثابتؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں :

عن انسؓ قال کان یأمرنا بالقرأۃ خلف الامام وکنت اقوم الی جنب انسؓ فیقراء بفاتحۃ الکتاب وسورۃ من المفصل (کتاب القرأت ص۶۸ و ص۲۴۳)

کہ حضرت انسؓ ہمیں امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم دیا کرتے اور میں حضرت انسؓ کے پہلو میں کھڑا ہوتا تھا اور وہ سورۃ فاتحہ اور مفصل میں سے کوئی سورت بھی ساتھ پڑھا کرتے تھے ۔

جواب: یہ اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں وہی عوامؒ بن حمزہؒ ہے جس پر جرح گذر چکی ہے یہ روایت سنن الکبریٰ جلد۲ ص۱۷۱ میں بھی مذکور ہے اور اس کی سند میں عوامؒ بن حوشبؒ ہے اور گو وہ ثقہ ثبت اور فاضل تھے (تقریب ص۲۹۲) لیکن امام بیہقیؒ امام ابن خزیمہؒ وغیرہ کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ عوامؒ بن حوشبؒ کا نام لینا صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ یہ راوی عوامؒ بن حمزہؒ ہی ہے وھذا اصح صحیح ترین بات صرف یہی ہے وثانیاً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور مفصل سورت کا بھی ذکر ہے حالانکہ فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے جو جواب وہ ترک

سورۃ من المفصل کا عنایت فرمائے گا وہی ہماری طرف سے ترک سورۃ فاتحہ کا سمجھ لے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کا اثر :۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

سمعت عبد اللہ بن عمروؓ یقرأ فی الظهر والعصر خلف الامام (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹ و کتاب القراءۃ ص ۶۵) کہ میں نے حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کو ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرآت کرتے سنا۔

جواب :۔ اگر مبارکپوری صاحبؒ کا قاعدہ پیش نظر رکھا جائے (جیساکہ انہوں نے ابو اسحاقؒ اور حمادؒ بن سلمہؒ وغیرہ کے متعلق اختیار کیا ہے) تو یہ اثر سنداً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں حصینؒ ہیں گو وہ ثقہ تھے لیکن حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا (تقریب ۹۵) امام ابو حاتمؒ امام نسائیؒ اور یزیدؒ بن ہارونؒ بھی فرماتے ہیں کہ آخر میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا (تہذیب جلد ۲ ص ۳۸۲/۳۸۳) اور اگر اس اثر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے جیساکہ امام بیہقیؒ نے اس کی تصریح کی ہے تو فریق ثانی کو پھر بھی یہ اثر کلیتاً مفید نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں ظہر اور عصر کی قید ہے اور سورۃ فاتحہ کی قرآت کا ذکر نہیں ہے بلکہ دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ ظہر کی نماز میں امام کے پیچھے سورۃ مریم پڑھتے تھے (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹) امام بیہقیؒ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے المحقق نیمویؒ لکھتے ہیں اسنادہ صحیح (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۳) کہ اس کی سند صحیح ہے لہٰذا اس اثر کو امام کے پیچھے جملہ نمازوں میں قرآت سورۃ فاتحہ کے اثبات کے لیے پیش کرنا دو ۲ از کار بات ہے امام بیہقیؒ نے ایک اور سند نقل کی ہے جس میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عتبہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ دونوں امام کے پیچھے قرآت کرتے تھے۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹) لیکن اس کی سند میں عبدالملکؒ بن محمدؒ ہے امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق تھے لیکن اسانید اور متون میں بکثرت خطاء کرتے تھے وہ زبانی روایت بیان کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے اوہام بہت زیادہ ہو چکے تھے (تہذیب جلد ۲ ص ۴۲۰) امام حاکمؒ نقل کرتے ہیں کہ جن روایتوں میں یہ منفرد ہوں ان سے احتجاج صحیح نہیں ہے علامہ ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ان کی حدیثوں کی دس جلدیں موجود ہیں لیکن ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جو ان کے وہم سے بچ سکی ہو، کسی کی سند میں خرابی ہے تو کسی کے متن میں وہ زبانی روایتیں بیان کیا کرتے تھے، اس لیے

ان کے اوھام بہت زیادہ ہوگئے ہیں (ایضاً صـ۴۲۱) اور ان کا وہم اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسی اثر میں یہ تین متضاد نام آتے ہیں عبداللہؓ بن عمروؓ۔ عبداللہؓ بن عتبہ اور عبداللہؓ بن عمرؓ چنانچہ امام بیہقیؒ (بلکہ حضرت امام بخاریؒ بھی دیکھئے جزء القراۃ صـ۱۳) مؤخر الذکر کے نام کو صحیح سمجھتے ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ صـ۱۶۹ و کتاب القراۃ صـ۹۵) حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا محقق مسلک باسند صحیح جلد اول میں نقل کیا جا چکا ہے اور ان کی اس کے خلاف پیش کردہ روایتوں پر کلام آرہا ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کا اثر:۔ یزید فقیرؒ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں:۔

قال کنا نقرأ فی الظہر والعصر خلف الامام	وہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں
فی الرکعتین الاولیین بفاتحۃ الکتاب	سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی اور
وسورۃ وفی الآخریین بفاتحۃ الکتاب۔	پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھا
(ابن ماجہ صـ۶۱ وسنن الکبریٰ صـ۱۷۰ ج۲ کتاب القراۃ صـ۲۰)	کرتے تھے۔

جواب:۔ اس اثر سے بھی فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں سعیدؒ بن عامرؒ ہے گو وہ ثقہ تھے لیکن ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں بعض غلطیاں بھی ہوتی ہیں (تہذیب جلد ۴ صـ۵۰) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ کبھی وہم کا شکار ہو جاتے تھے (تقریب صـ۱۲۶) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ امام ابوحاتمؒ متعنت ہیں اس لیے ان کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں (صـ۲۰۷)

الجواب:۔ ان کا تعنت وہاں ہوتا ہے جہاں وہ متفرد ہوں اور یہاں تو حافظ ابن حجرؒ بھی ان کو وہمی بتاتے ہیں اس کا معارضہ ان کے اس اثر سے جو باسند صحیح مؤطا امام مالک اور ترمذی کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مبارکپوری صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں، سو یہ معارضہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس اثر کی سند میں حمادؒ بن سلمہؒ کا واقع ہے (گو وہ ثقہ تھے تقریب صـ۱۰۱ مگر) آخر میں حافظہ متغیر ہو گیا تھا (تحقیق الکلام جلد ۱ صـ۱۳۱) مؤلف خیر الکلام کا یہ حدیث صحیح ہے (صـ۲۰۷) کہنا کوئی وزن نہیں رکھتا وثانیاً علامہ ماردینیؒ لکھتے ہیں کہ یہ اثر مضطرب المتن ہے کیونکہ ایک روایت میں خلف الامام کا جملہ نہیں ہے (جزء القراۃ صـ۲۰ سنن الکبریٰ جلد ۲ صـ۶۳) اور دوسری روایت میں اس کا ذکر ہے (ایضاً جلد ۲ صـ۱۶۰ و صـ۱۷۰) (الجوہر النقی جلد ۲ صـ۱۹۱) زیادت ثقہ مقبول ہوتی ہے گے

جب کہ وہ خطا اور وہم کا شکار نہ ہو مؤلف خیر الکلام یہ نکتہ کھا گئے ہیں، نیز ایک مقام میں فاتحۃ الکتاب کے بعد فما فوق ذلك او قال ما اکثر من ذلك کا ذکر ہے اور دوسرے مقام پر ما فوق کے بجائے سورۃ کا ذکر ہے اور ایک روایت میں فما فوقہا ہے (بیہقی جلد ۲ ص ۶۳) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ مقتدی کے لیے سری نمازوں میں ما زاد پڑھنا منع نہیں لہذا اضطراب کیسا؟ (محصلہ ص ۲۰۷) الجواب اولاً تو ما زاد کا مقتدی کے لیے سری نمازوں میں پڑھنے کا جواز محل نظر ہے وثانیاً وہمی راوی کے الفاظ میں اس نمایاں اضطراب کا یہ جواب غیر تسلی بخش ہے وثالثاً حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ (المتوفی ۱۲۹۶ھ) لکھتے ہیں۔ حضرت جابرؓ کا یہ اثر اس وقت کا ہے جب کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرأۃ خلف الامام کی ممانعت نہیں سنی تھی اور اپنے اجتہاد کے موافق امام کے پیچھے قرأت کرتے رہے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع کر دیا تو باز آگئے (انجاح الحاجۃ ص ۶۱) اور یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کا پہلا قول اور عمل ہے بعد کو وہ قرأۃ خلف الامام کے قائل نہ رہے تھے اور ان کا یہی مسلک حضرت امام مالکؒ، حضرت احمدؒ اور حضرت امام ترمذیؒ وغیرہ ائمہ فقہ و حدیث نے سمجھا اور اس کو روایت کیا ہے اور ہم نے ان کی صحیح اور متصل روایت بھی پہلے بیان کی ہے جو صراحت سے منع پر دال ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ منع خیالی بات ہے (ص ۲۰۸) خود ایک خیالی پلاؤ ہے۔ ورابعاً چونکہ اس اثر میں خلف الامام کا جملہ صرف سعیدؒ بن عامرؒ نقل کرتے ہیں۔ اور ان کی روایت میں غلطی اور وہم ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ ان کی غلطی سے زیادہ ہوا ہے کیونکہ دوسرے راوی اس کو نقل نہیں کرتے چنانچہ یہ روایت یحییٰؒ بن سعیدؒ سے بھی مروی ہے (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۶۳ وکتاب القرأۃ ص ۱۵) اور معاویہؒ بن ہشامؒ سے بھی (کتاب القرأۃ ص ۱۵) مگر ان کی روایت میں خلف الامام کا جملہ مذکور نہیں ہے اور چونکہ صحیح روایات میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کا حکم آیا ہے اس لیے اصل روایت منفرد کے حق میں تھی لیکن ان کی غلطی اور وہم سے منفرد کے بجائے مقتدی سے جوڑ دی گئی ہے وخامساً اس اثر میں صرف ظہر اور عصر کی نماز کا ذکر ہے اور فریق ثانی کا دعویٰ عموم کا ہے وسادساً اس اثر میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی ذکر ہے حالانکہ فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے اگر یہ اثر ان کے نزدیک صحیح ہے تو جو جواب وہ اس میں سورت کی نفی کا ارشاد فرمائیں گے وہی ہماری طرف سے سورۂ فاتحہ کی نفی اور

ترک کا جواب سمجھ لیں حضرت جابرؓ سے ایک اثر یوں مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کہا کہ مجھے میرے آقا نے یہ حکم دیا اقرأ فی الظهر والعصر خلف الامام (جزء القرأة ص۱۲ کتاب القرأة ص۶۱ وابکار ص۲۳۱) کہ میں ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کروں لیکن اس سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ہے سفیانؒ بن حسین عن الزہریؒ اور حضرت علیؓ کے اثر کے تحت اس کی پوری تحقیق گذر چکی ہے کہ یہ ضعیف ہے وثانیاً محقق نیمویؒ لکھتے ہیں کہ مولی جابرؓ اس سند میں مجہول ہے نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ (تعلیق الحسن جلد ۱ ص۸۳) وثالثاً اس میں ظہر اور عصر کی قید ہے اور فریق ثانی کا دعویٰ عام ہے حضرت جابرؓ کا مسلک صحیح سند کے ساتھ جلد اوّل میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کے عموماً اور سورۂ فاتحہ کے خصوصاً ہرگز قائل نہ تھے ان کا ایک اور اثر سن لیجیے امام ابوبکرؒ بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیعؒ نے بیان کیا وہ ضحاکؒ بن عثمانؒ سے روایت کرتے اور وہ عبید اللہؒ بن مقسمؒ سے اور وہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ سے وہ فرماتے ہیں لا یقرأ خلف الامام (الجوہر النقی جلد ۲ ص۱۶۱ مع البیہقی) کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کی جا سکتی، اس سند کے سب راوی ثقہ اور ثبت ہیں بقیہ رواۃ کا ترجمہ پہلے اپنے اپنے موقع پر گذر چکا ہے۔ البتہ ضحاکؒ بن عثمان کا ترجمہ باقی ہے، امام احمدؒ ابن معینؒ مصعب زبیریؒ، ابوداؤدؒ، ابن بکیرؒ اور علیؒ بن المدینیؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں ابن نمیرؒ ان کو لا بأس بہ اور جائز الحدیث کہتے ہیں (تہذیب جلد ۴ ص۴۴۷) علامہ ابن ترکمانیؒ فرماتے ہیں یہ سند متصل اور علی شرط مسلم صحیح ہے (الجوہر جلد ۲ ص۱۶۱)

حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کا اثر:۔

امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ عبد الوہابؒ بن فلیح المکیؒ کے طریق سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مروانؒ بن معاویہ الفزاریؒ نے اسماعیلؒ بن ابی خالدؒ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے العیزارؒ بن حریثؒ نے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

سمعت ابن عباسؓ یقول اقرأ خلف الامام	میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ امام
بفاتحة الکتاب ھذا اسناد صحیح لا غبار علیه	کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کرو، یہ سند صحیح ہے اس

وکتاب القراءۃ ص۱۳۷ طبع دہلی وکنز العمال ج۴ ص۲۵۲ و   پر کوئی غبار نہیں ہے ۔
تحقیق الکلام ج۲ ص۱۵۹ وابکار ص۱۴۵)

الجواب :۔ اس اثر سے فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں مروانؒ
بن معاویہ الفزاریؒ ہیں اور وہ عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں وہ اگرچہ ثقہ اور ثبت تھے لیکن وہ مجہول
راویوں سے روایت کرنے تدلیس کرنے اور رواۃ اور شیوخ کے نام بدل دینے کے عیب میں مبتلا
تھے امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ اگر معروف راویوں سے روایت کریں تو ثقہ ہیں (تذکرہ ج۱ ص۲۷۲)
اور اگر مجہول راویوں سے روایت کریں تو ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۹۸) امام ابن معینؒ
ہی فرماتے ہیں کہ وہ گلیوں سے ہمارے لیے شیوخ اور رواۃ چن لیتے تھے (تذکرہ ج۱ ص۲۷۲) اور ایسا
ہی محدث ابن نمیرؒ نے فرمایا (تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۹۸) امام ابن معینؒ فرماتے کہ میں نے تدلیس کرنے
میں ان سے بڑا حیلہ گر اور کوئی نہیں دیکھا (ایضاً) نیز انہوں نے فرمایا کہ وہ لوگوں سے مخفی رکھنے کے لیے
راویوں کے نام بدل دیتے تھے چنانچہ انہوں نے ہم سے الحکمؒ بن ابی خالدؒ سے روایت بیان کی جو
درحقیقت الحکمؒ بن ظہیرؒ ہیں (ایضاً) امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ وہ راویوں کے نام بدل دیتے تھے ۔
(اس کاروائی کو اصول حدیث والے تدلیس شیوخ کہتے ہیں۔ صفدر) امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ وہ
سچے تو ہیں مگر بکثرت مجہول راویوں سے روایت کرتے ہیں (ایضاً) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ
(بے تحاشا) زندوں اور مردوں سے روایت کر لیتے تھے یروی عمن دب ودرج (ایضاً) اور حافظ
ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ مدلس ہونے کے ساتھ شیعہ بھی تھے (تقریب ص۳۴۳) اور مؤلف خیر الکلام
لکھتے ہیں کہ وہ تدلیس شیوخ کرتے تھے اور اس کا امر ہلکا ہے (محصلہ ص۳۱۶) لیکن اسی پیش نظر
کتاب میں باحوالہ اس کی تصریح موجود ہے کہ تدلیس زنا سے بھی بدتر ہے (مگر صحیحین میں رواۃ
کی تدلیس اور بعض مخصوص رواۃ مثلاً قتادہؒ، اعمشؒ اور ابو الزبیر محمدؒ بن مسلمؒ بن تدرسؒ وغیرہ
کی تدلیس اس کی زد اور مد میں نہیں ہے کما مر) اور امام نوویؒ تدلیس شیوخ کے بارے لکھتے ہیں وھو
قبیح مذموم الخ (شرح مسلم ج۱ ص۱۹) کہ وہ قبیح اور مذموم ہے اور اس روایت کو الفزاریؒ عنعنہ
سے بیان کرتے ہیں جس پر کچھ اعتبار نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے وثانیاً اصل سند میں امام بیہقیؒ نے
راوی کا نام الفرائد بن حرب نقل کیا ہے جو مجہول ہے معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسا تھا؟ جب تک

کتب اسماء الرجال سے باحوالہ اس کی توثیق سامنے نہ آجائے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی۔ امام بیہقیؒ نے اگرچہ اس اسناد کو صحیح لاغبار علیہ فرمایا ہے مگر امام بیہقیؒ کا روات کی توثیق اور تضعیف کے بارے نظریہ خود ان کے اپنے حوالوں کی روشنی میں پہلے بیان ہو چکا ہے اور حاشیہ پہ نسخہ کا عنوان دے کر امام بیہقیؒ نے اس راوی کے بدلے العیزارؒ بن حریثؒ لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود امام بیہقیؒ اس راوی کی تعیین کے بارے میں متردد ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الفزاریؒ کی تدلیس اور روات کے نام بدلنے کا اثر اور نتیجہ ہو امام بیہقیؒ نے کتاب القراۃ ص۶۴ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص۱۶۹ میں بلا تردد العیزارؒ بن حریثؒ کا نام لیا ہے اور اس سند میں الفزاریؒ بھی نہیں لیکن اس کی سند میں ابو بحر بکراوی ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے وہ کذاب تھا ثالثاً اس کی سند میں اسماعیلؒ بن ابی خالدؒ ہیں جو الکوفی تھے (تذکرہ ص۱۴۲/۱) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ جب اہل کوفہ کی نقل صحیح نہیں تو تطبیق کی بھی ضرورت نہیں بلفظہٖ (ص۲۹۴) لہٰذا کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ اس روایت کی حضرت ابن عباسؓ کی ان صحیح روایات سے تطبیق دینے کے لیے وجوہ تلاش کرے جو جلد اول میں بیان ہو چکی ہیں ورابعاً قطع نظر اس بحث سے اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس سے تمام نمازوں میں قرأت سورۂ فاتحہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ طحاوی ص۱۲۱/۱ میں اسماعیلؒ بن ابی خالدؒ سے عنعنہ کے ساتھ العیزارؒ بن حریثؒ کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم امام کے پیچھے فاتحۃ الکتاب ظہر اور عصر کی نماز میں پڑھو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی طرف سے اجازت صرف سری نمازوں میں تھی نہ کہ جہری نمازوں میں جیسا کہ مخفی نہیں وخامساً طحاوی جلد ا ص۱۲۱ کی روایت میں یونسؒ بن ابی اسحاقؒ کی العیزارؒ بن حریثؒ سے عنعنہ کے ساتھ روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ لا تصل صلوٰۃ الا قرأت فیھا ولو بفاتحۃ الکتاب کوئی نماز تم قرأت کے بغیر نہ پڑھو اگرچہ فاتحۃ الکتاب ہی کیوں نہ ہو فریق ثانی چونکہ مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور لازم قرار دیتا ہے اور ولو بفاتحۃ الکتاب کے الفاظ اس فرضیت کے اثبات سے بالکل قاصر ہیں جیسا کہ واضح ہے حضرت ابن عباسؓ سے کتاب القراۃ ص۶۴ اور اعلاء السنن جلد ۴ ص۸۱ میں ایک روایت یوں آتی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرو امام جہر کرے یا نہ کرے مگر اس کی سند میں عتبہ بن عبد اللہ الاصم ہے امام ابن معینؒ اس کو لیس بشئ اور امام نسائیؒ لیس بثقۃ

اور فلاسؒ واہی الحدیث اور ابوحاتمؒ لین الحدیث اور امام ابوداؤدؒ ضعیف کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۷، ص۲۴۴) ابن حبانؒ ان کو ضعفاء میں لکھتے ہیں اور ساجیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث سے احتجاج صحیح نہیں اور اس میں ضعف ہے (ایضاً ص۲۴۵) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مشہور ضعیف ہے (میزان ج۲ ص۲۰۲)

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ فاتحۃ الکتاب کسی رکعت میں نہ چھوڑو امام جہر کرے یا نہ کرے (کتاب القرأۃ ص۶۴ و سنن الکبریٰ جلد۲ ص۱۶۹) لیکن سند میں لیث بن ابی سلیم ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے اثر کے تحت گذر چکا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت کتاب القرأۃ ص۶۴ میں بھی ہے لیکن اس کی سند میں عبداللہؒ بن لہیعہؒ ہے بحث خداج میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ ضعیف تھا ان کی ایک اور روایت کتاب القرأۃ ص۱۳۷ میں ہے لیکن سند میں زہیرؒ نا ابواسحاقؒ الخ ہے امام بیہقیؒ، امام ابوزرعہؒ، علامہ ذہبیؒ، اور ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ زہیرؒ کی روایت ابواسحاقؒ سے ضعیف اور کمزور ہے (دیکھئے سنن الکبریٰ جلد۱ ص۱۰۸ میزان جلد۱ ص۳۵۵ و تہذیب جلد۳ ص۳۵۲ وغیرہ) علاوہ بریں مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ابواسحاقؒ مختلط تھے اور مدلس بھی تھے اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں تو ان کی سند کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ تو ان کے قاعدہ کے مطابق یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (ابکار ص۱۹۶ جلد اوّل) میں اس کی پوری بحث عرض کی جا چکی ہے۔ الغرض حضرت ابن عباسؓ کی ایک سند صحیح نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ بخلاف اس کے ہم جلد اوّل میں آیت کی تفسیر میں اور آثار حضرات صحابہؓ کرام میں ان کی صحیح سند سے کئی روایتیں اس کے خلاف عرض کر چکے ہیں۔

فائدہ: عقبۃ بن الاصم کی سند میں ایک راوی ہے جس کا نام بشرؒ بن موسیٰؒ ہے صاحب اعلاء السنن (جلد۳ ص۸۸ میں) اس کو مجہول کہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے بشرؒ بن موسیٰؒ جلیل القدر محدث تھے علامہ ذہبیؒ ان کو المحدث الامام اور الثبت لکھتے ہیں، امام دارقطنیؒ ان کو ثقۃؒ نبیل کہتے ہیں (المتوفی ۲۸۸ھ، تذکرہ جلد۲ ص۱۹۸ و ص۱۶۹)

حضرت ابوالدرداءؓ کا اثر: ان سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ لا یترک قرأۃ فاتحۃ الکتاب خلف الامام جہر او لم یجہر (کتاب القرأۃ ص۶۷ و سنن الکبریٰ ج۲ ص۱۷۰)

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت نہ ترک کی جائے امام جہر کرے یا آہستہ پڑھے۔

جواب : سند میں ولید بن مسلم عن الاوزاعی الخ ہے ، ولید مذکور مدلس ہے ابو مسہر کہتے ہیں کہ وہ جھوٹے راویوں سے بھی تدلیس کر لیا کرتا ہے ۔ علامہ ذہبیؒ اس کے بارے میں یوں فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ جب یہ عن سے روایت کرے خصوصاً ابن جریجؒ یا اوزاعیؒ سے تو اس کی حدیث کا قطعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا (میزان جلد ۳ صـ۲۷۵ و تہذیب جلد ۱۱ صـ۱۵۳) اور یہ روایت ان کی اوزاعیؒ سے ہے اور جلد اوّل میں حضرت ابوالدرداؓ کا بسند صحیح اثر اس کے خلاف عرض کیا جا چکا ہے حضرت ابوالدرداؓ کا اثر ہونے میں فریق ثانی کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ حضرت امام بیہقیؒ نے الولید بن مسلم کا ایک متابع بھی ذکر کیا ہے جس کے سہارے پر مولانا مبارکپوری صاحبؒ نے اس کو اپنا مستدل قرار دیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے اس کو احناف کے خلاف بتایا ہے (ملاحظہ ہو ابکار المنن صـ) وہ متابع محمد بن کثیر الثقفی ہے اور امام بیہقیؒ نے ان کی روایت کتاب القرأۃ (صـ۶۸ طبع دہلی) میں نقل کی ہے لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ محمد بن کثیر کی اگرچہ بعض حضرات محدثین کرامؒ نے توثیق کی ہے لیکن امام احمدؒ نے ان کی سخت تضعیف کی ہے اور اسے منکر الحدیث کہا ہے اور نیز انہوں نے فرمایا ہے کہ اس نے ایسی منکر احادیث بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے امام صالحؒ بن محمدؒ اس کو صدوق کثیر الخطاء کہتے ہیں ، امام بخاریؒ نے بھی اس کو بہت ضعیف بتایا ہے امام نسائی رہ فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں اور کثیر الخطاء ہے امام ساجیؒ فرماتے ہیں کہ صدوق اور کثیر الغلط ہے امام ابو احمد الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک وہ قوی نہیں امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی بیان کردہ روایات میں کوئی اس کی متابعت اور تائید نہیں کرتا (تہذیب التہذیب ج ۹ صـ۴۱۶ و صـ۴۱۷ محصلہ) اور حافظ ابن حجرؒ ان کو صدوق کثیر الغلط کہتے ہیں (تقریب صـ) جب یہ راوی نہایت ضعیف اور کثیر الغلط ہے تو اس کی روایت اور اس کی تائید سے کیا فائدہ ! ترجمان الحدیث ماہ جنوری ۱۹۷۵ء صـ۲۵ و ۲۸ میں بلا وجہ ایسے راوی کا تذکرہ کرکے اس کی روایت سے سہارا تلاش کیا گیا ہے ۔

حضرت عمرانؓ بن حصینؓ کا اثر : ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا ۔

لا تزکو صلوٰۃ مسلم الا بطہور و رکوع و سجود و فاتحۃ الکتاب وراء الامام — کسی مسلمان کی نماز مقبول نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ طہارت رکوع ، سجود اور سورۃ فاتحہ کا اس میں خاص اہتمام نہ کرے

وغیرا لامام (کتاب القرأۃ ص۸۱ جزء القرأۃ ص۱۳) امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔

جواب :۔ اس کی سند میں زیادؒ بن ابی زیاد جصاص ہے امام ابن معینؒ اور ابن مدینیؒ اس کو لیس بشئی کہتے ہیں نسائیؒ اور دار قطنیؒ اس کو متروک کہتے ہیں ابوزرعہؒ اس کو واہی کہتے ہیں علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے (میزان جلد۱ ص۳۵۶ وتہذیب جلد۳ ص۳۶۸) مؤلف خیر الکلام نے بھی علامہ ذہبیؒ کا حوالہ نقل کیا ہے (ص۳۲) یہ روایت بھی نہایت کمزور اور ضعیف ہے اور ان کی ایک روایت یوں ہے لا تجوز صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب وآیتین فصاعداً (کتاب القرأۃ ص۱۸) کہ نماز سورۂ فاتحہ اور دو آیتوں اور اس سے کچھ زیادہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں ایک تو خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے اور دوسرا اس میں وآیتین فصاعداً کی زیادت موجود ہے۔

لطیفہ :۔ حضرت عمرانؓ بن حصینؓ سے مرفوعاً ایک روایت مروی ہے کہ ظہر کی نماز میں ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے فرمایا کس نے میرے ساتھ منازعت اور ہاتھا پائی کی ہے؟ غرضیکہ آپ نے امام کے پیچھے قرأۃ کرنے سے منع کر دیا (دار قطنی جلد۱ ص۱۲۴) اس روایت پر فریق ثانی کی طرف سے جن میں امام دار قطنیؒ بھی ہیں یہ اعتراض ہوا ہے کہ سند میں حجاجؒ بن ارطاۃؒ ہے اور وہ ضعیف ہے ہم نے حجاجؒ بن ارطاۃؒ سے کوئی روایت نہیں لی۔ لیکن فریق ثانی کی ستم ظریفی ملاحظہ کیجیے کہ حجاجؒ بن ارطاۃؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائی اور مسلمؒ وغیرہ کے روات میں ہیں (ازالہ ستر ص۱۴۱) علامہ ذہبیؒ ان کو احد الاعلام اور علم کا ظرف لکھتے ہیں (تذکرہ جلد۱ ص۱۷۵) ابوزرعہؒ اور ثوریؒ ان کی توثیق کرتے ہیں (تہذیب جلد۲ ص۱۹۶)۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کان بارعاً فی الحفظ والعلم کہ حفظ اور علم میں وہ بلند پایہ رکھتے تھے۔ (تہذیب الاسماء جلد۱ ص۱۵۳) امام ترمذیؒ ان کی ایک حدیث کو حسن کہتے ہوئے تحسین کرتے ہیں (جلد۱ ص۱۱۴) بلکہ ایک حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں (جلد۱ ص۱۱۳) افسوس ہے کہ ان کی روایت تو فریق ثانی کے نزدیک حجت نہیں ہے لیکن زیادؒ کی روایت حجت ہے جو لیس بشئی ہے اور اس کی تضعیف پر اجماع ہے ان کی ایک روایت یوں ہے کہ ظہر کی نماز میں ایک شخص نے سبح اسم ربک الاعلیٰ کی سورت آپ کے پیچھے پڑھی تھی (مسلم جلد۱ ص۱۷۲، نسائی جلد۱ ص۱۰۶، ابوداؤد جلد۱ ص۱۲۷) چونکہ لغت

توفیقی ہے اس لیے قرأ کو جہر کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا اور پڑھنے والا بھی صرف ایک شخص تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس نے قرأۃ ظہر کی نماز میں کی تھی جو سری ہے مگر آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس کو بھی گوارا نہیں کیا اور پوری تحقیق گذر چکی ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور منازعت و مخالجت میں قرأت سورۂ فاتحہ اور دوسری تمام سورتیں یکساں ہیں کیونکہ علت ایک ہے اور ما زاد علی الفاتحۃ کو منازعت کے لیے متعین کر دینا اور سورۂ فاتحہ کو اس سے خارج تصور کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے جو بہر حال مردود ہے۔

حضرت ہشامؓ بن عامرؓ کا اثر: حمیدؒ بن ہلالؒ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔

ان هشامؓ بن عامرؓ قرأ فقيل له اتقرأ خلف الامام قال انا لنفعل (کتاب القرأۃ ص۶۷ والسنن الکبریٰ جلد ۲ ص۱۷۰)

کہ ہشامؓ بن عامرؓ نے قرأت کی ان سے پوچھا گیا کہ آپ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں ہم یوں ہی کرتے ہیں۔

جواب: یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابوبکر بربہاریؒ ہے اور عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ کذاب تھا۔ ثانیاً اس بات میں اختلاف ہے کہ حمیدؒ بن ہلالؒ کی ہشامؓ بن عامرؓ سے ملاقات ثابت ہے یا نہیں؟ امام ابوحاتمؒ کہتے ہیں ملاقات ثابت نہیں ہے اور ان کی روایت مرسل ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۵۲ و جلد ۱۱ ص۳۷) و ثالثاً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرأت کا ذکر ہے فریق ثانی کا دعویٰ صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت کا ہے نہ کہ مطلق قرأت کا۔

حضرت معاذؓ بن جبل کا اثر: ایک سائل نے حضرت معاذؓ سے قرأۃ خلف الامام کے متعلق سوال کیا۔

قال اذا قرأ فاقرأ بفاتحة الكتاب وقل هو الله احد واذا لم تسمع فاقرأ فی نفسك ولا تؤذ من عن يمينك ولا من عن شمالك (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص۱۶۹)

انہوں نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم بھی سورۃ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرو اور جب اس کی قرأۃ نہ سنو تو دل میں پڑھا کرو دائیں اور بائیں پہلو والوں کو اذیت نہ دیا کرو۔

جواب: یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہو سکتا اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں احمدؒ بن محمودؒ

واقع ہے حافظ ابن حجرؒ ایک سند کے متعلق جس میں احمدؒ بن محمودؒ واقع ہے لکھتے ہیں کہ سند باطل ہے اور اس سند کے راوی ضعیف ہیں دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ مجہول ہیں (لسان المیزان جلد ۱ صـ۲۱۴) وثانیاً اس کی سند میں ابوشیبہ مہریؒ ہے علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ بلج مہریؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں لا یدری من ذا و لا من شیخہ بلج مہریؒ اور اس کا استاد ابوشیبہ مہریؒ پتہ نہیں یہ دونوں کون تھے؟ امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس کی سند مجہول ہے (میزان جلد ۱ صـ۱۶۴ و لسان جلد ۲ صـ۱۲) وثالثاً اس سند میں علیؒ بن یونسؒ واقع ہے اگر یہ علی بن یونس بلخیؒ ہے تب بھی کمزور ہے (میزان جلد ۲ صـ۲۴۱ و لسان صـ۲۶۸) اور اگر علیؒ بن یونس مدینیؒ ہے تب بھی ضعیف ہے (ایضاً، و ایضاً صـ۲۶۹) اگر کوئی اور ہے تو اس کی توثیق درکار ہے ورابعاً اس اثر سے نظر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذؓ نے صرف سری نمازوں میں اجازت دی ہے وخامساً اس میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ قل ھو اللہ احد کی قرأت کا بھی ذکر ہے اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ کا اثر:۔ حضرت سالمؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ان ابن عمرؓ کان ینصت للامام فیما جھر فیہ ولا یقرأ معہ (کتاب القرأۃ صـ۱۰۲ و تحقیق الکلام جلد ۲ صـ۱۶۱) کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے خاموش رہا کرتے تھے اور قرأت نہیں کرتے تھے، فریق ثانی کا کہنا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سری نمازوں میں وہ امام کے پیچھے قرأۃ کیا کرتے تھے۔

جواب:۔ یہ اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابن جریجؒ ہیں، امام دارقطنیؒ علامہ ذہبیؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ مدلس تھے (تہذیب جلد ۶ صـ۴۰۵، میزان جلد ۲ صـ۱۵۱، ابکار صـ۲۳۷) اور یہاں وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور عنعنہ مدلس کا قبول نہیں وثانیاً اس میں زہریؒ ہیں اور مبارکپوری صاحبؒ ان کی مدلس روایت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے اور یہاں بھی وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں وثالثاً یہ اثر عبارۃ النص کے طور پر ہماری دلیل ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں قرأت کے قائل نہ تھے رہا سری نمازوں میں اس سے قرأت کا اثبات کرنا تو مفہوم مخالف پر مبنی ہے اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالف حجت نہیں ہے (تعلیق الممجد صـ۹۳ و اعلاء السنن جلد ۴ صـ۷۷) ورابعاً اگر مفہوم مخالف کو بعض فقہاءؒ

سے قول کے مطابق صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے اتنا ہی ثابت ہو گا کہ حضرت ابن عمرؓ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اور فریق ثانی کا دعویٰ اس سے خاص ہے کیونکہ ان کا دعویٰ صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ہے وضاحۃً ۔ موطا امام مالکؒ وغیرہ کے حوالہ سے بسند صحیح ان کا یہ اثر نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کے قائل نہ تھے اور ان کا یہ مسلک ایک مسلّم حقیقت ہے اور ان سے ایک روایت یوں ہے انه كان ينهى عن القرأة خلف الامام (الجوهر النقی جلد ۲ صـ۱۶۳) کہ حضرت ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) جو فریق ثانی کے مقتدر اور پیشوا ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی علماء احناف کے نزدیک اجازت نہیں ہے اور ان کا استدلال ان صحابہ کرامؓ کی روایات سے ہے اور یہ قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابو سعیدؓ الخدریؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ وغیرہم (منع قرأت خلف الامام۔ بحوالہٗ ایضاح الادلۃ صـ۲۷) اور صحیح اسانید کے ساتھ جلد اوّل میں ان اکابر کے آثار نقل کئے جا چکے ہیں کہ یہ جملہ حضرات امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے اور یہی بات مولانا نذیر حسین صاحبؒ فرما رہے ہیں حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ کا ایک اثر کتاب القرأۃ صـ۲۹ و صـ۱۴۷ میں ہے لیکن اس میں مکحولؒ مدلس ہیں اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں علاوہ ازیں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عبد اللہ بن عمرؓ نہیں بلکہ عبد اللہؓ بن عمروؓ بن العاص ہیں (صـ۲۹) اور مستزاد براں اس میں خلف الامام کا جملہ بھی مذکور نہیں ہے لہٰذا یہ روایت منفرد کے حق میں ہے۔ حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ سے ابو العالیہؒ نے مکہ مکرمہ میں دریافت کیا کہ کیا میں نماز میں قرأت کیا کروں؟ فرمایا میں بیت اللہ کے رب سے حیا کرتا ہوں کہ نماز میں قرأت نہ کروں ولو بام الکتاب اگرچہ ام القرآن ہی ہو (جزء القرأۃ صـ۱۲) لیکن اس میں بھی خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علاوہ بریں کتاب القرأۃ صـ۲۵ میں اسی اثر کے آخر میں فاتحۃ الکتاب کے بعد ما تیسر کی زیادت بھی موجود ہے اور یہ زیادت اس بات کو متعین کر دیتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ اثر مقتدی کے حق میں نہیں ہے کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک

بھی اس کو ماذا د علی الفاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے اور کتاب القرأۃ ص۱۰۲ میں ان کی اسی روایت میں بام الکتاب کے بعد "فزائدا" یا "فصاعدا" کی زیادت بھی مروی ہے حضرت ابن عمرؓ سے ایک اثر ان الفاظ سے مروی ہے۔

سئل ابن عمرؓ عن القرأۃ خلف الامام فقال ما کانوا یرون بأسا ان یقرأ بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ (جزء القرأۃ ص۱۲)

ان سے سوال کیا گیا کہ کیا امام کے پیچھے قرأۃ کی جا سکتی ہے؟ فرمایا لوگ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ اپنے دل میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔

لیکن اس کی سند میں ایک تو ابو جعفر رازیؒ ہے جس کا نام عیسیٰ بن ماہان ہے جس کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی اس سند کا یحییٰ البکاءؒ ہے امام احمدؒ، ابو داؤدؒ، ابو زرعہؒ اور ابن عدیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں، دارقطنیؒ اس کو ضعیف اور علیؒ بن الجنیدؒ اس کو مختلط کہتے ہیں، ازدیؒ کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے، ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص۲۷۹) امام نسائیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (ضعفاء صغیر ص۵۵) حافظ ابن حجرؒ اس کو ضعیف الحدیث لکھتے ہیں (تقریب ص۳۹۵) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن ماہان متکلم فیہ ہے مگر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ صدوق ہے اس کا حافظہ اچھا نہیں تقریب ۳۲۴ اور یحییٰ البکا کو ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ ہے ان شاء اللہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے (محصلہ ص۳۲۴) الجواب، ہاں بس ایسے ہی راویوں کی ایسی ہی حسن قسم کی حدیثوں پر آپ کے مذہب کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی اکثریت کی نمازوں کو باطل اور کالعدم ٹھہرانے والوں کی وکالت فرما رہے ہیں۔ سبحان اللہ تعالیٰ اور آگے لکھتے ہیں کہ تطبیق کی یہی صورت ہے کہ نفی سے مراد جہری نماز میں فاتحہ سے ماذاد کی نفی مراد لی جائے اور فاتحہ کو اس نفی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے انتہیٰ ص۳۲۵ الجواب نہ معلوم یہ حضرات کس روایت کی کس سے تطبیق دے رہے ہیں؟ صحیح اور ضعیف کی تطبیق کا کیا معنیٰ؟ الحاصل حضرت ابن عمرؓ ہوں یا کوئی اور صحابی ہو ان میں کسی سے بسند صحیح یہ ثابت نہیں کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری اور واجب ہے۔

حضرت عبادۃؓ بن الصامت کا اثر:۔

حضرت محمودؓ بن ربیع فرماتے ہیں کہ:۔

سمعت عبادةؓ بن الصامت یقرأ خلف الامام فقلت له تقرأ خلف الامام فقال عبادةؓ لا صلوٰة الا بقراءة (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۸)

میں نے حضرت عبادہؓ کو امام کے پیچھے قرأت کرتے سنا میں نے دریافت کیا کہ آپ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں؟ حضرت عبادہؓ نے فرمایا قرأت کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔

امام بیہقیؒ نے اپنی سند کے ساتھ ان کی ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس میں امام کے پیچھے آہستہ قرأت کرنے کی اجازت ہے اور پھر لکھا ہے۔

ومذهب عبادةؓ فی ذلك مشهور (ص ۱۶۸ ج ۲)

حضرت عبادہؓ کا مذہب اس بارے میں مشہور و معروف ہے۔

جواب:۔ سند کے لحاظ سے گو کلام کرنے کی کافی گنجائش ہے مگر ہم سند کے لحاظ سے اس پر کوئی کلام نہیں کرتے حضرت عبادہؓ بن الصامت نے صحیح سمجھا یا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے خصوصاً قرآن کریم، صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار کے مقابلہ میں لیکن یہ روایت خود اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور یہ مسلک ان میں رائج بھی نہ تھا ورنہ محمودؓ بن ربیع جو خود صغار صحابہؓ میں تھے حضرت عبادہؓ بن الصامت کی امام کے پیچھے قرأت سے کبھی تعجب نہ کرتے اور نہ یہ پوچھنے کی نوبت ہی آتی کہ حضرت آپ امام کے پیچھے کیوں قرأت کرتے ہیں؟ یقینی امر ہے کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت نے نمازیں تکبیر، قیام، رکوع، سجود، تشہد، اور سلام وغیرہ جملہ امور ادا کئے ہوں گے مگر ان میں سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ حضرت آپ نے رکوع کیوں کیا ہے؟ سجدہ کیوں کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ اگر سوال کیا ہے تو اس چیز کے بارے میں کہ آپ کے امام کے پیچھے قرأت کیوں کرتے ہیں؟ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت نے محمودؓ بن ربیع کو یہ نہیں فرمایا کہ برخوردار تمہاری تمام سابق نمازیں بے کار کالعدم اور باطل ہیں کیونکہ تم نے قرأت نہیں کی اور تمام نمازیں واجب الاعادہ ہیں اور نہ سہی تو یہی نماز جو تم نے ابھی ابھی میرے ساتھ بغیر قرأت کے ادا کی ہے وہی دوبارہ پڑھ لو اور لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت محمودؓ بن ربیعؓ حضرت عبادہؓ کے داماد تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۶۳) انہوں نے ان کو یہ بھی نہ فرمایا کہ تم امام کے پیچھے ترک قرأت کے مرتکب

ہوئے ہو اور تارکِ قرأت کی نماز باطل اور کالعدم ہے اور من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر
لہٰذا میری لختِ جگر کو میرے گھر پہنچادو اور خود مزے اڑاتے پھرو۔ حضرت عبادہؓ وہی جلیل القدر صحابی
ہیں جو فرماتے ہیں کہ ہم نے جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ہاتھ مبارک پر اس شرط سے
بیعت کی ہے کہ ان لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم (مستدرک وقال صحیح جلد ۳ ص ۳۵۶) اللہ
تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ہرگز نہ گھبرائیں گے اور ایک معمولی قسم
کے مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ سے الجھ کر ملک شام ترک کر دیا تھا اور یہ فرمایا کہ ہمارا اجتماع ناممکن ہے
لیکن حضرت عمرؓ کی زبردست مداخلت سے اپنے ارادہ سے باز آئے (دیکھئے مستدرک جلد ۳ ص ۳۵۵،
مسند دارمی ص ۹۳ اور ابن ماجہ ص ۳ وغیرہ) مگر جب قرأت خلف الامام کے مسئلہ کی باری آتی ہے تو اپنے
پڑھنے کی وجہ تو بتلاتے ہیں لیکن اس اہم مسئلہ کے اظہار پر کما حقہٗ وہ جوش و خروش ظاہر نہیں کرتے جو
اس کے رکن اور ضروری ہونے پر کرنا چاہیئے تھا۔ اگر حضرت عبادہؓ کے نزدیک قرأت خلف الامام واجب
فرض اور رکن ہوتی تو اس کے اظہار میں پوری قوت اور طاقت صرف کرتے اور اس میں کسی قسم کی کوئی
کوتاہی نہ کرتے اس بحث کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ آسکتی ہے کہ حضرت محمودؓ بن ربیع
مطلقاً امام کے پیچھے قرأتِ فاتحہ کے قائل نہ تھے اور حضرت عبادہؓ گو قائل تو تھے لیکن محض استحباب کے
طور پر اور اگر کسی کو حکم بھی کیا ہے تو صرف استحبابی امر سمجھ کر۔ اگر اس کو رکن اور فرض سمجھتے تو کتمان حق سے
بچتے ہوئے حضرت ابن مسعودؓ کی طرح (جنہوں نے قرآن کریم کی دو سورتوں کے تقدم و تأخر فی النزول
کے بارے میں اعلان کیا تھا) یہ اعلان فرماتے من شاء باھلتہ جس کا جی چاہے میں اس کے ساتھ
مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں جب حضرت عبادہؓ نے ایسا نہیں کیا تو قطعی بات ہے کہ وہ امام کے پیچھے
بلاشک سورۂ فاتحہ پڑھتے تو تھے (اور جہری نمازوں میں پڑھتے بھی صرف تنہا اور اکیلے تھے دوسرے
حضرات صحابہؓ کا ان سے اتفاق نہ تھا) مگر صرف مستحب سمجھ کر ہم نے جو یہ کہا ہے کہ دوسرے صحابہؓ کرام
حضرت عبادہؓ بن الصامت سے جہری نمازوں میں قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ میں اتفاق رائے
نہیں رکھتے تھے، سینہ زوری نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ چنانچہ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ۔

وانما تعجب من تعجب من قرأۃ عبادۃؓ بن الصامت خلف الامام فیما یجھر فیہ بالقرأۃ لذھاب

جو لوگ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کے قائل نہ تھے انہوں نے حضرت عبادہؓ کی جہری نمازوں میں قرأت

من ذهب الی ترك القرأة خلف الامام فیما یجهر الامام فیه بالقرأة حین قال النبی صلی الله علیه وسلم مالی انازع القرآن ولم یسمع استثناء النبی صلی الله علیه وسلم قرأة فاتحة الکتاب سرًّا وقوله صلی الله علیه وسلم فانه لاصلوٰة لمن لم یقرأ بها وسمعه عبادةؓ بن الصامت واتقنه وأداه واظهره فوجب الرجوع الیه فی ذلك (انتہیٰ بلفظہٖ کتاب القرأۃ ص۴۲)

پر تعجب کا اظہار کیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے جب یہ فرمایا کہ میرے ساتھ قرآن میں منازعت کیوں کی جا رہی ہے؟ اور اس کے بعد آپ نے آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا اور اسی طرح آپ نے یہ فرمایا کہ جس آدمی نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوگی تو یہ استثناء صرف حضرت عبادۃؓ بن الصامت نے سُنی اور دیگر حضرات صحابہؓ نہ سُن سکے اور اس کو حضرت عبادۃؓ نے خوب محفوظ رکھا اس کو ادا کیا اور ظاہر کیا سو انکی بات کی طرف رجوع کرنا ضروری ٹھہرا۔

صحابی اور تارک نماز؟ یہ دو متضاد باتیں ہیں اور واقعہ صبح کی نماز کا ہے جس میں سینکڑوں حضرات صحابہؓ شریک ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مالی انازع الخ سے تنبیہ فرما کر سب حضرات صحابہ کرامؓ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی اور یہ حکم بھی پیش نظر تھا۔ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (یعنی اے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اللہ تعالیٰ کے حکموں کو کھول کر بیان کریں جن میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے) مگر بایں ہمہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم یہ حکم آہستہ (سِرًّا) بیان کرتے ہیں اور حضرت عبادۃؓ کے بغیر اس حکم کو کوئی دوسرا سنتا ہی نہیں؟ پھر حضرت عبادۃؓ پر لوگ متعجب کیوں نہ ہوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ایک ایک حکم اور ارشاد کو عزیز از جان سمجھتے تھے اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے کوئی بات نہیں سمجھ آتی تو پھر استدعا کرتے تھے اور کوئی ضروری امر ہوتا تو آپ تین تین مرتبہ ایک ایک جملہ کو دہراتے تھے لیکن جب امام کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ کے حکم کے بیان کرنے کا نمبر آتا ہے تو آپ آہستہ بیان کرتے ہیں؟ تین مرتبہ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے؟ اور یہ حکم صرف حضرت عبادۃؓ سُنتے ہیں کسی دوسرے کے پلّے کچھ نہیں پڑتا؟ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ آپ سے دریافت کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے کہ حضرت آپؐ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ اگر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا مسئلہ ضروری فرض، واجب اور رکن ہوتا تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

سلم ایک بار نہ فرماتے بلکہ کئی بار فرماتے سرّا نہ فرماتے بلکہ جہراً فرماتے صرف حضرت عبادہؓ کو نہ سناتے بلکہ تمام حضرات صحابہؓ کو سناتے اور اگر حضرت عبادہؓ بھی اس حکم کو ضروری سمجھتے تو یقیناً بغیر خوف لومۃ لائم کے اس کی خوب نشر و اشاعت کرتے اور حضرات صحابہ کرامؓ کو اس بات کا قائل کر لیتے کہ وہ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے۔ یہ حکم تو ضروری نہ تھا اس لیے اس کی پر زور اشاعت کی ضرورت ہی انہوں نے نہ سمجھی، بخلاف اس کے ترک قرأت کا حکم ضروری تھا اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے صرف ایک شخص نے قرأت کی تو آپ نے فرمایا میرے پیچھے کس نے قرأت کی ہے؟ کیوں میرے ساتھ منازعت اور مخالجت ہوتی رہی ہے؟ حتیٰ کہ آپ نے ببانگ دہل یہ ارشاد فرمایا مالی انازع القرآن نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ارشاد سب نے سنا اور یہ ارشاد سن کر تمام حضرات صحابہؓ کرام نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت ترک کر دی۔ جیسا کہ مفصل پہلے گذر چکا ہے۔ باقی اگر حضرت عبادہؓ سے بسند صحیح یا کسی اور صحابی سے بلا قیل و قال خلف الامام کی قید سے کوئی روایت صحیح ہوتی تو یقیناً اس کی طرف رجوع کیا جاتا مگر روایات کا حال آپ ملاحظہ کر ہی چکے ہیں اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حضرت عبادہؓ کے موقوف قول سے ہی غلطی در غلطی پیدا ہوئی ہے الغرض حضرات صحابہ کرامؓ کے یہ آثار پہلے تو سنداً ہی صحیح نہیں ہیں اور اگر کچھ صحیح بھی ہیں تو ان میں صرف سرّی نمازوں کا ذکر ہے، کسی میں مطلق قرأت کا ذکر ہے اور اکثر میں ما زاد، ما تیسر اور فصاعداً وغیرہ کی زیادت بھی موجود ہے لہٰذا یہ آثار فریق ثانی کو ہرگز مفید نہیں ہو سکتے۔

آثار حضرات تابعینؒ وغیرہم

فریق ثانی نے اپنے اس دعوٰی پر کہ امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ورنہ نماز ناقص، بیکار، کالعدم اور باطل ہو گی، حضرات تابعینؒ و اتباع تابعینؒ وغیرہم کے آثار اور اقوال سے بھی استدلال کیا ہے حالانکہ ان کے نزدیک در موقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد پھر آثار حضرات تابعینؒ وغیرہم سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جب کہ وہ سنداً اور روایۃً بھی صحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور معنوی اور درایتی پہلو کے پیش نظر بھی وہ ان کو چنداں مفید نہیں ہو سکتے مگر مشہور ہے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، حضرات تابعینؒ وغیرہم کے وہ آثار جو بحث سکتات

وغیرہ اور دیگر مواقع پر نقل کیے جا چکے ہیں اور جن پر کلام بھی کیا جا چکا ہے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اس موقع پر صرف وہ آثار پیش ہوں گے جو پہلے نقل نہیں ہوئے۔

حضرت مکحولؒ کا اثر:۔ ان سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مغرب عشاء اور صبح کی نماز میں ہر رکعت میں آہستہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے اور جہری نمازوں میں جب امام سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سکوت اختیار کرے تو اس وقت آہستہ سورۂ فاتحہ پڑھی جاتے اور اگر امام خاموش نہ ہو تو اس کے ساتھ یا اس کے بعد یا اس سے پہلے ہر حالت میں سورۂ فاتحہ پڑھو اور کسی حالت میں نہ چھوڑو (بیہقیؒ جلد ۲ صـ۱۷۱)

جواب:۔ یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اگر بالفرض یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی نص قرآنی، صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرامؓ کے صحیح آثار کے مقابلہ میں اس کو سنتا کون ہے؟ وثانیاً قرأتِ سورۂ فاتحہ کے لیے سکتہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ بحث سکتاتِ امام میں اس کی سیر حاصل تحقیق پیش ہو چکی ہے اور جہر امام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جانا منازعت اور مخالجت کا موجب ہے جو کتاب و سنت اور اجماعِ امت سے مردود ہے۔

حضرت عروہؒ بن زبیرؓ کا اثر:۔ ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ

لا تتم صلوٰۃ لاحد من الناس لا یقرأ فیہا بفاتحۃ الکتاب فصاعدا مکتوبۃ ولا سبحۃ (کتاب القراۃ صـ۷)

کسی شخص کی کوئی نماز خواہ وہ فرضی ہو یا نفلی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اس میں سورۂ فاتحہ اور اس سے کچھ زیادہ کی قرأت نہ کی جائے۔

جواب:۔ یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں محمدؒ بن العباسؒ ہے کتب اسماء الرجال سے اس کی تعیین نہیں ہو سکی کہ یہ کون اور کیسا ہے؟ وثانیاً اس میں احمدؒ بن سویدؒ ہے جس کا کتب رجال میں کوئی نام و نشان ہی نہیں ملتا، مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہو اھ صـ۳۳۹ الجواب:۔ یہ ٹھیک ہے مگر مؤلف مذکور کا یہ علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اس راوی کی نشاندہی کرتے اور کتب رجال سے اس کی توثیق نقل کرتے وثالثاً اس کی سند میں حمادؒ بن سلمہؒ ہے ان کے اس اثر کا مقابلہ اُن اثر سے نہیں ہو سکتا جو جلد اوّل میں لسند صحیح نقل کیا جا چکا ہے مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں۔ سو یہ معارضہ بھی صحیح نہیں

ہے کیونکہ اس اثر کی سند میں حماد بن سلمہؒ واقع ہے آخر میں حافظ متغیر ہوگیا تھا (انتہیٰ بلفظہٖ تحقیق الکلام
جلد ا صلا ۱۰۳) ورابعاً اس اثر میں خلف الامام کا کوئی لفظ نہیں ہے اور سبحتہ نفلی نماز کا لفظ اس امر کا
قوی قرینہ ہے کہ یہ اثر منفرد کے حق میں ہے کیونکہ عام نوافل میں جماعت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔
وخامساً اگر یہ اثر صحیح اور قابل عمل ہے تو سارا ہی صحیح اور قابل عمل ہوگا اور اس میں فصاعداً
کی زیادت بھی ہے اس کے علاوہ کتاب القراۃ ص ۸۶، ۸۷ میں بھی فصاعداً کی زیادت مروی ہے
حالانکہ فریق ثانی فصاعداً وغیرہ کی زیادت پر عمل پیرا نہیں ہے بلکہ ما زاد کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔
سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۷۱ میں بھی یہ روایت ہے اور یہی راوی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے البتہ اس میں
فصاعداً کی زیادت نہیں ہے اور روایت کا مضمون بھی اس سے قدرے مختلف ہے کیونکہ اس
میں امام اور سکتہ کا ذکر ہے لیکن ایک تو سکتہ کا حکم آپ کو معلوم ہے اور دوسرے ان کے دیگر آثار
میں فصاعداً کی زیادت بھی نظر انداز نہیں ہو سکتی۔

حضرت حسن بصریؒ کا اثر:۔ ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا۔ اقرأ خلف الامام فی کل
صلوٰۃ بفاتحۃ الکتاب فی نفسک (کتاب القراۃ ص ۷ و السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۷۱) کہ امام
کے پیچھے ہر نماز میں اپنے دل میں آہستہ سورۂ فاتحہ پڑھا کرو۔

جواب:۔ اس اثر میں بھی محمدؒ بن العباسؒ ہے معلوم نہیں وہ کون اور کیسا ہے؟ بخلاف
اس کے جلد اوّل میں بسند صحیح واذا قرئ القرآن الآیۃ کی تفسیر میں ان کا اثر اس کے برعکس نقل
کیا جا چکا ہے۔ چونکہ وہی اثر صحیح ہے اور قرآن کریم صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہؓ و تابعینؒ کے
مسلک کے عین مطابق ہے لہٰذا وہی قابل اخذ ہے، اس کی یہ تاویل جو مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۴۰
میں کی ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے بلند آواز سے پڑھنے اور شور ڈالنے سے منع کیا گیا ہے (محصلہ)
بالکل ان کے قول کی تحریف ہے۔ کیونکہ حسن بصریؒ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کے قائل نہ تھے وہ تو
آیت واذا قرئ الآیۃ کو خلف الامام کے بارے میں مانتے ہیں جس میں استماع و انصات کا وجوبی حکم
ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ جلد اوّل میں گذر چکا ہے۔

حضرت امام شعبیؒ کا اثر:۔ مالک بن مغولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعبیؒ کو سنا یحسن القراۃ
خلف الامام (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۷۱ و کتاب القراۃ ص ۷۱) کہ وہ امام کے پیچھے قرأت،

کو پسند کرتے تھے۔

جواب :۔ یہ اثر بھی قابلِ احتجاج نہیں اولاً اس کی سند میں ابوبکر بہاری ہے اور گذر چکا ہے کہ وہ کذاب تھا۔ ثانیاً اس اثر میں مطلق قرأت کا ذکر ہے اور فریق ثانی کا دعوے خاص سورۂ فاتحہ سے متعلق ہے امام شعبیؒ کا ایک دوسرا اثر اس طرح مروی ہے انہوں نے فرمایا یعنی یقول اقرأ فی خمسھن یقول الصلوات کلھا (بیہقی جلد ۲ ص۱۶۹) پانچوں نمازوں میں قرأت کرنی چاہیئے۔

لیکن اس کی سند میں بھی وہی ابوبکر بہاریؒ ہے علاوہ ازیں اس میں اسمٰعیلؒ بن ابی خالدؒ بھی ہے جن کی نقل ہی کوفی ہونے کے لحاظ سے مؤلف خیر الکلام کے نزدیک صحیح نہیں ہے کما مرّ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ بسا اوقات یہ امام شعبیؒ سے ارسال بھی کرتے تھے اور یحییٰ ابن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ان کی مرسل روایتیں محض ہیچ ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص۲۹۲) ان کی ایک اور روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیئے (بیہقی جلد ۲ ص۱۶۹)

اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی فریق ثانی کو مفید نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف ظہر اور عصر کی قید ہے اور سورۂ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی صریح ذکر ہے حالانکہ ان کا دعوے تمام نمازوں میں قرأت کا ہے اور ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت کو وہ جائز ہی نہیں سمجھتا مؤلف خیر الکلام کا اس اثر کو راوی کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے حسن قرار دینا (دیکھئے ص۳۷۲) مضحکہ خیز ہے اور وہ اکثر اسی قاعدہ کے سہارے پر چلتے ہیں فواسفا

حضرت امام اوزاعیؒ کا اثر :۔ امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ امام موصوفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کو سورت فاتحہ کی قرأت کے بعد سکوت کرنا چاہیئے تاکہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لیں اور اگر وہ سکوت نہ کرے تو قرأ معہ بفاتحۃ الکتاب اذا قرأ بھا واسرع القرأۃ ثم استمع (کتاب القراۃ ص۷) اس کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ کی قرأت کر لی جائے اور جلدی سے قرأت کر چکنے کے بعد پھر استماع اور توجہ کیجائے۔

جواب :۔ اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اس کی سند کیسی ہے؟ اور یہ صحیح بھی ہو تب بھی قرآن کریم صحیح احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ کے صحیح آثار کے مقابلہ میں یہ کیونکر حجت ہے؟

اور جلد اوّل کے مقدمہ میں حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ اور امام ابن قدامہؒ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ جو حضرات ائمہ کرامؒ امام کے پیچھے ترک قرأۃ کی وجہ سے نماز کو باطل اور فاسد نہیں سمجھتے تھے ان میں حضرت امام اوزاعیؒ بھی ہیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کو صرف مستحب سمجھتے تھے وجوب کے قائل نہ تھے اور فریق ثانی کا دعوےٰ بڑا سنگین ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

حضرت مجاہدؒ کا اثر :۔ امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں :۔

قال مجاهد اذا لم يقرأ خلف الامام اعاد الصلوٰة (جزأ القرأة ص۹) مجاہدؒ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی تو اس کو نماز دھرانی چاہیئے۔

جواب :۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بغیر سند کے ایسا سنگین حکم کون سنتا ہے خصوصاً قرآن کریم اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں اور پھر یہ قرأت بھی مجمل ہے اس میں سورہ فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اور جلد اوّل میں بسند صحیح مجاہدؒ کا اثر اور آیت کا شان نزول اس کے خلاف عرض کیا جا چکا ہے۔

حضرت قاسمؒ بن محمدؒ کا اثر :۔ ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا :۔

كان رجال ائمة يقرؤن خلف الامام (كتاب القرأة ص۵ جزأ القرأة ص۸ و سنن الكبرى ج۲ ص۱۶۱) کہ بڑے بڑے امام امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے۔

جواب :۔ یہ اثر بھی حجت نہیں ہے اوّلاً اس لیے کہ اس کی سند میں اسامہؒ ہے امام احمدؒ ان کو لیس بشئ کہتے ہیں نسائیؒ ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں ابوحاتمؒ کہتے ہیں ان سے احتجاج صحیح نہیں ہے امام یحییٰؒ بن سعیدؒ نے ان کو ضعیف سمجھ کر بالآخر مطلقاً ترک کر دیا تھا امام ابن معینؒ کہتے ہیں کہ ان کی احادیث کا محدثینؒ نے انکار کیا ہے اور وہ ان کے مناکیر میں شمار کی ہیں امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے عطاءؒ کے طریق سے جابرؓ کی یہ روایت مرفوعاً بیان کی منیٰ کلها منحر (یعنی قربانی چار دن تک جائز ہے اور غیر مقلدین حضرات کا اس پر عمل ہے اس پہ راقم الحروف کا رسالہ مسئلہ قربانی دیکھئے) تو امام یحییٰؒ بن سعیدؒ نے فرمایا تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کی حدیث بالکل ترک کر دی ہے امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس

کو ترک کر دیا تھا (تہذیب التہذیب جلد ۱ صہ ۲۰۹) و ثانیاً اس میں سورۂ فاتحہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور بغیر اس کے فریق ثانی کا مدعیٰ اصل نہیں ہو سکتا و ثالثاً بسند صحیح جلد اوّل میں حضرت قاسمؒ بن محمدؒ کا اثر نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔

قارئین کرام :۔ آپ نے آثار حضرات تابعینؒ وغیرہم کی حقیقت بھی معلوم کر لی ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر سند کے لحاظ سے ضعیف اور کمزور ہیں اور بعض میں ظہر اور عصر کی نماز کی تخصیص ہے اور بعض میں فصاعداً اور سورت وغیرہ کی زیادت بھی ساتھ ہی موجود ہے اور بعض میں مطلق قرأت کا ذکر ہے مخصوص طور پر سورۂ فاتحہ کا ذکر ان میں نہیں ہے اور ان واضح اور غیر مبہم قرائن کے ہوتے ہوئے فریق ثانی کا دعوےٰ یقیناً باطل ہو جاتا ہے ان آثار کے علاوہ بعض اور بھی ہیں لیکن نہ ان کا سر ہے نہ پاؤں لہٰذا ایسے بے سر و پا اور بے اصل اور غیر مستند آثار کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس لیے ان کے نقل کرنے اور پھر ان کا جواب دینے کی کوئی حاجت معلوم نہیں ہوتی خلاصۂ امر یہ ہے کہ جمہور نے جو روایات و آثار اپنے استدلال میں پیش کئے ہیں ان میں پچانوے ۹۵ فیصدی راوی ثقہ ثبت اور حجت ہیں اور تقریباً پانچ فیصدی راوی متکلم فیہ ہیں لیکن جمہور ائمہؒ جرح و تعدیل ان کی بھی توثیق کرتے ہیں بخلاف اس کے جن روایات اور آثار سے فریق ثانی نے استدلال کیا ہے ان میں تقریباً پچانوے ۹۵ فیصدی راوی کذاب، دجال، مجہول، متروک، مستور، لیس بثقۃ، لیس بالقوی، لا یحتج بہ اور کثیر التدلیس والارسال وغیرہ اوصاف سے موصوف ہیں اور پانچ فیصدی ایسے ہیں جو ثقہ ہیں مگر جرح سے خالی نہیں ہیں اور یہ بھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جن روایات میں فصاعداً۔ ماتیسر۔ ما زاد اور اذا قرأ الامام کی زیادت موجود ہے ان کے علاوہ اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور خاص طور پر وہ روایات جن میں خلف الامام اور الا بفاتحۃ الکتاب کی قید موجود ہے وہ تو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہیں تو ان ضعیف احادیث سے شریعت کے رو سے صحیح نمازیں کیونکر باطل، بیکار، ناقص اور کالعدم ہو سکتی ہیں؟ اور ایسی ضعیف روایات و آثار پہ بنیاد رکھ کر مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کی فرضیت اور رکنیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ اور حنفیوں کو مفسدین صلوٰۃ کا خسروانہ خطاب کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اور ان کی بیبیوں سے بغیر ان کے خاوندوں کے طلاق دیئے اور عدت گذرے نکاح کیسے درست ہو سکتا ہے؟۔

چوتھا باب

قیاسی دلائل

فریق ثانی نے قرآن کریم کی جن آیات سے امام کے پیچھے قرأت سورۂ فاتحہ پر استدلال کیا ہے اس کی حقیقت آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ان آیات سے ان کا استدلال تو نہیں ہو سکتا البتہ انہوں نے بعض آیات سے غلط استدلال اور بعض میں تفسیر بالرائے کا ارتکاب ضرور کیا ہے اسی طرح آپ یہ بھی معلوم کر آئے ہیں کہ بغیر ان روایات کے جن میں فصاعداً، ماتیسر اور مازاد وغیرہ کی زیادت اور الا وراء الامام کی استثناء موجود ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور خاص طور پر وہ روایات جن میں خلف الامام کی قید اور الا بفاتحۃ الکتاب وغیرہ کی استثناء ہے وہ تو انتہائی درجہ کی ضعیف، معلول اور کمزور ہیں اور ان کی اسانید پر جو جرح اور کلام کیا گیا ہے وہ کتب اسماء الرجال اور فریق ثانی کے مسلّم اور طے شدہ قواعد کے لحاظ سے واضح دلائل سے کیا گیا ہے، جس سے ان کو کوئی مفر نہیں ہے نیز آثار حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ وغیرہم پر جو تنقید کی گئی ہے وہ بھی حضرات محدثین کرامؒ اور خاص طور پر فریق ثانی کے مسلمات کے عین مطابق ہے اور کوئی بات حوالہ کے بغیر نہیں کہی گئی ہے اب اس باب میں ان کا قیاس اور اجتہاد بھی ملاحظہ کر لیجیے۔

پہلی قیاسی دلیل

امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ وغیرہ اپنی سند سے یہ مرفوع روایت نقل کرتے ہیں اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ فَمَا صَنَعَ فَاصْنَعُوْا (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲ و کتاب القراءۃ ص ۵۸) امام ضامن ہے جو وہ کرے سو تم بھی کرو اور یہ روایت مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۶۶ وغیرہ میں بھی مذکور ہے امام بیہقیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں ہمارا مشاہدہ ہے اور سرّی میں بھی ہمیں یقین ہے کہ امام سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو تمہارا امام کرے سو وہ تم بھی کرو لہذا ہمیں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا ہوگی۔

جواب: نہ تو یہ روایت صحیح ہے اور نہ یہ قیاس صحیح ہے اوّلاً اس لیے کہ اس کی سند میں موسیٰ بن شیبہ ہے امام احمدؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں (مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۱۶) نیز یہ فرمایا کہ احادیثہ مناکیر اس کی روایتیں منکر ہیں (میزان جلد ۳ ص۲۱۱) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں لین الحدیث (تقریب ص۳۶۷) کہ حدیث میں وہ ضعیف ہے اور ثانیاً اس لیے کہ معنی تو یہ ہیں کہ قابل اقتدار امور میں امام کی مخالفت نہ کی جائے بلکہ جو کچھ وہ کرے سو تم بھی کرو یہ مطلب تو ہرگز صحیح نہیں کہ جو امام کرے وہ تم بھی کرو ورنہ امام نے یہ کیا ہے کہ مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے بلند آواز سے تکبیر کہتا ہے سمع اللہ لمن حمدہ اور سلام کہتا ہے جہر سے قرأت کرتا ہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد کی لمبی لمبی سورتیں پڑھتا ہے تو کیا یہ سب کچھ مقتدی بھی کر سکتے ہیں؟ اس قیاس کے رُو سے مقتدیوں کو چاہیے کہ جیسے امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوا ہے وہ بھی آگے نکل جائیں حتیٰ کہ امام بیچارہ بھی منہ تکتا رہ جائے اور امام کی طرح مقتدی بھی جہر سے قرأت کریں حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھے اور کان پڑی قرأت نہ سنائی دے اور لطف کی بات یہ ہے ما زاد علی الفاتحۃ میں بھی جیسا امام نے کیا ہے ویسا ہی کرنا ہوگا آخر حدیث کے الفاظ ہیں فاصنعوا کما صنع الامام (اوکما قال) اس کی مخالفت کون کر سکتا ہے؟ علاوہ ازیں اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس میں قرأت کا کوئی لفظ نہیں بلکہ صنع (صنعت) کا ذکر ہے جو عملی کاروائی پر اطلاق کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ امام قیام کرے تم بھی قیام کرو، امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو، امام سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو وغیرہ وغیرہ عملی طور پر اس کی مخالفت نہ کرو، رہی قولی بات تو اس کے متعلق ارشاد یہ ہے اذا قرأ فانصتوا جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو غرضیکہ اس روایت سے مقتدیوں کے لیے سورۂ فاتحہ کی قرأت پر استدلال کرنا روایۃً و درایۃً باطل ہے۔

دوسری قیاسی دلیل

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔

اور مناجات نطق سے ہوتی ہے سکوت سے نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنی چاہیئے (محصلہ کتاب القرآۃ ص۵۶)

جواب :- امام بیہقیؒ ہی از راہ انصاف فرمائیں کہ کیا یہ مناجات صرف سورۃ فاتحہ کی مختصر سی سات آیتوں سے ہی ہو سکتی ہے قرآن کریم کی باقی ایک سو تیرہ ۱۱۳ سورتوں سے مناجات نہیں ہو سکتی ؟ اور کیا خدا تعالےٰ کی مناجات کا وقت صرف سورۃ فاتحہ کے وقفہ تک محدود ہے اس کے بعد سورۃ بقرہ جیسی طویل سورتوں کے وقفہ میں خدا تعالیٰ کی مناجات کی ضرورت باقی نہیں رہتی ؟ اور یہ آداب مناجات کا کونسا پہلو اور طریقہ ہے کہ وفد کا امیر اور پارٹی کا لیڈر (امام) جب قوم کی نمائندگی کرتا ہے تو ہر طرف سے محفل اور مجلس کے ادب سے قطع نظر کرتے ہوئے وفد کا ایک ایک رکن درخواست کا ایک ایک لفظ دہراتا ہے ؟ ہاں یہ ضروری ہے کہ سب اپنے نمائندہ کی آمین کہتے ہوئے تائید کریں لیکن جس سچی سرکار سے نماز میں مناجات ہوتی ہے وہ تو دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے اور وہ بے ریا اور مخفی دعا کو زیادہ پسند کرتی ہے اس لیے امام کی آہستہ آمین سے تائید زیادہ بہتر اور احسن ہوگی اور مناجات اور درخواست کے پیش کرنے کے لیے امام ہی کافی ہوگا۔

تیسری قیاسی دلیل

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نماز میں کلام کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز میں گفتگو اور کلام نہیں کرنا چاہیئے نماز تو تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن کا نام ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے (سورۃ فاتحہ کی) قرأت کرنی چاہیئے۔ (محصلہ کتاب القرآۃ ص۵۶)

جواب :- امام بیہقیؒ کا یہ قیاس بھی مردود ہے اوّلاً اس لیے کہ نماز میں تلاوت قرآن باقاعدہ ہوتی ہے اور امام قرآن کریم پڑھتا ہے مقتدیوں کا فریضہ تلاوت نہیں بلکہ استماع اور انصات ہے جیسا کہ نص قرآنی اور صحیح احادیث سے معلوم ہو چکا ہے وثانیاً کیا تلاوت قرآن کا اطلاق صرف سورۃ فاتحہ پر ہی ہوتا ہے اور ما زاد علی الفاتحۃ میں قرآن کریم کی تلاوت نہیں ہے ؟ پھر دوسرے حضرات عموماً اور حضرت امام بیہقیؒ خصوصاً کیوں یہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ مقتدی کے لیے کسی اور قرأت کی اجازت نہیں ہے اور یہ حدیث فَلَا تَقْرَءُوْا بِشَیْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کے تحت ممنوع ہے؛

چوتھی قیاسی دلیل

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی ایک حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ایک شخص سے دریافت فرمایا تم کس طرح نماز پڑھتے ہو اُس نے جواب دیا میں فاتحۃ الکتاب پڑھتا ہوں جنت کا سوال کرتا ہوں، دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں اور مجھے معلوم نہیں آپ کا طریقہ اس میں کیا ہے؟ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں اس میں امام و مقتدی کی کوئی قید نہیں لہٰذا اس سے مقتدی کے لیے بھی قرأۃ ثابت ہوگئی۔ (کتاب القرأۃ صہ ۵۶)

جواب:۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اتنی طویل مسافت طے کرنے اور چکہ کاٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کیوں نہ ہو جائے کہ یہ روایت صرف منفرد کے حق میں ہو اور وہ بھی محض نفلی نماز میں جیسا کہ ابوداؤد جلد ۱ صہ ۱۲۸ وغیرہ ہی کی ایک روایت اس کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم صلوٰۃ تطوع (نفلی نماز) میں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ النَّارِ وغیرہ پڑھا کرتے تھے، چونکہ اس روایت میں خلف الامام کی کوئی قید نہیں اس لیے یہی بات متعین ہے کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے صاف اور صریح الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا ہے اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا جب امام قرأۃ کرے تو تم خاموش رہو اور یہ محال ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم دو متضاد حکم صادر فرمائیں کہنے والے نے کیا ہی سچ کہا ہے ؎

نمی باشد مخالف قول و فعل راستاں باہم
کہ گفتار قلم باشد ز رفتار قلم پیدا

یہ ہیں وہ قیاسات جو حضرت امام بیہقیؒ وغیرہ نے مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنے پر پیش کئے ہیں حضرت امام بخاریؒ نے جو قیاسات کئے ہیں وہ ان سے بھی عجیب تر ہیں جن کی پوری تشریح جلد اوّل میں قرآن کریم کی آیت کے تحت نقل کر کے ان کے جوابات دے دیے گئے ہیں اور قرآن کریم کی آیات سے جو قیاسات کئے گئے ہیں ان کے جوابات بھی باب اوّل میں عرض کر دیے گئے ہیں اور باقی جو قیاسات پیش کئے گئے ہیں وہ ضعیف اکمزور اور بے کار ہیں اس لیے وہ قابل التفات ہی نہیں ہیں

الغرض حق اور منصور مسلک صرف یہی ہے کہ امام کے پیچھے سرّی نمازیں ہوں یا جہری کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت عموماً اور سورۂ فاتحہ کی قرأت خصوصاً ممنوع ہے قرآن کریم صحیح احادیث آثار حضرات صحابہ کرامؓ

وتابعینؒ واتباع تابعینؒ اور دیگر جمہور اہلِ اسلام کا یہی مسلک ہے اور جہری نمازوں میں ترک قرأۃ خلف الامام کا مسلک حضرات ائمہ اربعہؒ اور دیگر بالغ نظر حضرات فقہاء اور محدثینؒ کا متفق علیہ مسلک ہے اور فریقِ ثانی کا یہ دعوےٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے (بلفظہٖ) قطعاً مردود اور باطل ہے اس دعویٰ پر اُن کے پاس ایک بھی صحیح صریح اور مرفوع حدیث موجود نہیں ہے اور اس کے خلاف جمہور علماء کا عموماً اور احناف کا دامن خصوصاً احادیث اور دلائل سے مالا مال اور پُر ہے مگر فریقِ ثانی کا تعصب اور عناد دیکھئے کہ صحیح حدیثوں کو ٹھکراتے ہوئے بھی وہ اہلحدیث ہیں اور ہم لوگ صرف اہل الرائے ہیں اور صرف فقہ اور اماموں کے ماننے والے ہیں تعصب کی اس سے بدترین مثال شاید ہی دنیا میں کوئی اور موجود ہو گی باوجودیکہ فریقِ ثانی کا دامن مسئلہ زیرِ بحث میں دلائل سے یکسر خالی ہے مگر ہم پھر بھی ان کی قدر کرتے ہیں اور کوئی ایسا لفظ جو موہم تکفیر ہو کہنے کے لیے تیار نہیں ہے حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا محمد حسین صاحب بٹالویؒ کے حق میں کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے کہ گو آپ صاحب کیسی ہی بدزبانی سے پیش آویں مگر ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کلمات موہم تکفیر و تفسیق ہرگز آپ کی شان میں نہ کہیں گے بلکہ الٹا آپ کے اسلام ہی کا اظہار کریں گے ولنعم ما قیل ؎

اگر خواندی مرا کافر غمے نیست — چراغ کذب را نبود فروغے

مسلمانت بگویم در جوابش — دہم شیرت بجائے ترش دوغے

اگر تو مومنی فبہا وگر نہ

دروغے را جزا باشد دروغے (ایضاح الادلۃ ص۱۰)

راقم الحروف نے ایک مجلس کی تین طلاقوں پر عمدۃ الاثاث علیٰ[1] حکم طلقات الثلاث اور مسئلہ تقلید پہ الکلام المفید اور اسی طرح مسئلہ تراویح اور رفع یدین وغیرہ پر ٹھوس معلومات یکجا کیے ہیں اور ان کی ترتیب دی جارہی ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اشاعت کے اسباب بھی پیدا کر دے۔

آخر میں ہم پھر یہ گذارش کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت امام بخاریؒ، حضرت امام بیہقیؒ اور امام دارقطنیؒ وغیرہ کے پیش کردہ دلائل پر جو گرفت کی ہے تو اس سے مقصد صرف ان کے دلائل کی خامی کا اظہار ہے ورنہ خدا تعالیٰ شاہد ہے کہ ہمارے دل میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے

---

[1] بحمد اللہ تعالیٰ یہ کتاب طبع ہو کر تھوڑے ہی عرصہ میں ختم ہو گئی ہے اب طبع سوم کی تیاری ہو رہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق احادیث اور دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ معصوم صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہوتے ہیں اور فریق ثانی کی خدمت میں نہایت ہی ادب سے مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ اپنے اس غلو سے باز آجائے اور تمام مسلمانوں کی صحیح نمازوں کو ناقص، کالعدم اور باطل نہ ٹھہرائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو حق کے قبول کرنے کی توفیق دے اور ہمیں بھی حق پر ثابت قدم رکھے یہی دل ناتواں کی دیرینہ آرزو ہے اور اسی پر دائم و قائم رہنے کی دلی خواہش ہے۔

یہ دیکھ کر میرا دیدۂ تر سمجھ لو خود حال قلب مضطر
کہ ہوگا کس جوش میں سمندر جو یہ تلاطم حباب میں ہے

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد خاتم الانبیاء وامام الرسل وسید ولد آدم وعلی آلہ واصحابہ وجمیع امتہ الی یوم القیمۃ آمین ثم آمین

ابو الزاہد

محمد سرفراز خان صفدر خطیب جامع گکھڑ
ضلع گوجرانوالہ (پاکستان)

۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۴ھ ۳ فروری ۱۹۵۵ء

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ (القرآن)

وذکر الامام احمد بن حنبل الاجماع علٰی انہا نزلت فی الصلوٰۃ ۔ (فتاوٰی ابن تیمیہ ص ۱۳۳ ج ۲۳)

وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا ۔

(مسلم ص ۱۷۴ ج ۱ ، و ابوعوانہ ص ۱۳۳ ج ۲)

مقدمۂ

تدقیق الکلام

از : شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم کے استاد محترم جامع المعقول و المنقول حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی نے مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر علمی و تحقیقی کتاب تدقیق الکلام تصنیف فرمائی جو دو جلدوں میں کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی نے شائع کی۔ اس کتاب میں مؤلف خیر الکلام و مؤلف توضیح الکلام کے شکوک و شبہات کا علمی انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دام مجدہم نے تحریر فرمایا تھا۔ اس مقدمہ میں بیان کردہ بحث کا احسن الکلام کی مباحث سے گہرا تعلق ہے جس کی وجہ سے بہت سے اہل علم حضرات نے فرمائش کی کہ اس مقدمہ کو احسن الکلام کے ساتھ بھی شائع کیا جائے تو ان حضرات کی فرمائش کا احترام کرتے ہوئے اس مقدمہ کو احسن الکلام کیساتھ شائع کیا جا رہا ہے (بشکریہ ناشر تدقیق الکلام)

حافظ عبدالقدوس خان قارن

مُقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔

اَمَّا بَعۡدُ ! مذہب اسلام کے مسائل اصولاً دو حصّوں میں منقسم ہیں۔ (۱) اصول، (۲) فروع۔ اصولِ دین میں اختلاف انتہائی مذموم اور قبیح ہے اور اس اختلاف کی وجہ آدمی یا تو سرے سے دین ہی سے خارج ہو جاتا ہے اور یا اہلِ حق سے کٹ اور ہٹ کر اہلِ بدعت کے فرقوں میں شامل ہو جاتا ہے اور فروعِ دین میں اختلاف اگر مجتہد سے رُنما ہو تو وہ معذور بلکہ ماجور ہو گا اور اگر غیر مجتہد یہ کاروائی کرے اور اس میں تعصب مذہبی بھی شامل ہو تو وہ گنہگار ہو گا۔ حضرات ائمہ دینؒ کے فرعی اختلافات سے جو خالص دیانت اور خلوصِ نیّت پر مبنی ہیں۔ کتب فقہ، شروحِ حدیث اور کتبِ تفسیر بھری پڑی ہیں ۔۔ ان اختلافی اور فروعی مسائل میں سے ایک مسئلہ قرأت یا ترک القرأت خلف الامام کا بھی ہے جو عہدِ نبوت سے تاہنوز اختلافی چلا آرہا ہے۔ ہر فریق اپنی علمی تحقیق پر عمل کرتا رہا، کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ مگر غیر مقلدین حضرات نے اس میں بھی نہایت غلو اور تعصّب کا مظاہرہ کیا اور تمام دُنیا کے احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کو چیلنج کیا اور ان کی نماز کو باطل بےکار اور کالعدم قرار دے کر ان کو فی النّار والسقر تک کا حکم خسروانہ سُنایا ان کے یہ باطل دعاوی اور ان کے الفاظ سبب تالیف احسن الکلام میں مذکور ہیں وہاں ہی ان کو دیکھ لیا جائے۔ الحمد للہ تعالیٰ احسن الکلام کے مضبوط اور واضح دلائل اور حوالوں کا یہ اثر ہُوا کہ مصنف خیر الکلام اور مؤلف توضیح الکلام یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہمارا تو یہ مسلک ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بنا پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سرّی، اپنی تحقیق

پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ (خیر الکلام ص۳۳ و توضیح الکلام ص۴۵) کاش کہ یہ حضرات پہلے ہی اس حق گوئی سے کام لیتے اور اپنے غالی دوستوں کو چیلنج بازی اور احناف کی صحیح نماز کے باطل بے کار اور کالعدم ہونے کے ناروا فتوی سے باز رکھتے تو ہمیں احسن الکلام لکھنے کی سرے سے ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ بفضلہ تعالیٰ یہ احسن الکلام کے ٹھوس اور محکم دلائل ہی کا نتیجہ ہے کہ ان حضرات نے ترک القرأت خلف الامام کرنے والوں کی نماز کے باطل نہ ہونے کا اقرار کیا۔ ورنہ غیر مقلدین حضرات کبھی کھلے لفظوں میں اپنی شکستِ فاش کو تسلیم نہ کرتے اور نہ یہ ان کا شیوہ اور عادت ہے۔ اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جن آیات اور احادیث کو وہ قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں وہ نص اور قطعیت کے ساتھ ان کے نزدیک بھی اس دعوی پر دال نہیں ہیں ورنہ وہ اس مسئلہ کو اجتہادی مسئلہ کبھی نہ کہتے کیونکہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں صراحت نہ ہو اور ان حضرات کا اس مسئلہ کو اجتہادی کہنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صریح، صحیح اور منطوق طور پر ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے جبھی تو یہ مسئلہ ان کے نزدیک اجتہادی ہے لہٰذا آیات و احادیث کو ترک کرنے کا احناف پر الزام اور طعن بالکل بے جا ہے اس لیے کہ بقول ان حضرات کے احناف نے ان دلائل اور احادیث کو ترک نہیں کیا۔ بلکہ ان کے اس مفہوم اور معنیٰ کو ترک کیا ہے۔ جس کو مجوزین حضرات اپنے اجتہادی رنگ میں اپناتے ہیں اور اس کے برعکس احناف نصِ قطعی اور صریح و صحیح احادیث سے مقتدی کا وظیفہ ترک القرأت خلف الامام بتاتے ہیں جیسا کہ پیشِ نظر کتاب تدقیق الکلام میں اس کی محققانہ و عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ لہٰذا مصنف خیر الکلام اور مؤلف توضیح الکلام کا چند آیات و احادیث کو پیش کر کے احناف پر یہ طعن و الزام قائم کرنا کہ ہمارے پاس تو یہ دلائل ہیں اور احناف ان کے قائل نہیں محض تضییعِ وقت اور سمع خراشی ہے اس لیے کہ وہ تو ان کے نزدیک بھی ان کے مدعا پر نصِ قطعی نہیں۔ ورنہ وہ اس مسئلہ کو اجتہادی کبھی نہ کہتے:

نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہہ مصلحت بین سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا

مؤلف توضیح الکلام کی لاعلمی اور بے خبری

موصوف لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہل حدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے۔ وہ بے نماز ہے وغیرہ (توضیح الکلام ص ۴۳) بجائے اس کے کہ ہم طویل راستہ اختیار کریں اختصاراً صرف دور حاضر کے بعض غیر مقلدین حضرات کی چند کتابوں کے حوالے ہی عرض کرتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ انھوں نے کیا کہا؟

(۱) پہلے باب میں احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے الحمد پڑھنا واجب ہے بغیر الحمد پڑھے اسکی نماز درست نہیں۔ (تحقیق الکلام ص ۱۲/ج۲) ظاہر بات ہے کہ جب نماز درست نہ ہوئی تو باطل ہی ٹھہرے گی اور جب نماز نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی تصور ہوگا۔

(۲) سوال: فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب ہے؟

الجواب: فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی تمام کتب احادیث میں مرقوم ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہٗ السید محمد عبدالحفیظ غفرلہٗ۔ سید محمد نذیر حسین، سید محمد ابوالحسن، سید محمد عبدالسلام غفرلہٗ۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۹۸/ج۱ وفتاویٰ علمائے اہل حدیث ص ۱۲۰/ج۳)

(۳) سوال: جو شخص امام کے پیچھے کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ سکا اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہ؟

الجواب: بغیر سورۂ فاتحہ کے رکعت پوری نہیں ہوتی۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے پس صورت مسئولہ میں اس شخص کی وہ رکعت نہیں ہوئی اس کو دہرانا چاہیئے... الخ حررہٗ محمد عبدالحق ملتانی، سید محمد نذیر حسین۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۹۸/ج۱، فتاویٰ علمائے اہل حدیث ص ۱۲۱/ج۳)

(۴) خلاصہ تمام مضمون کا یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بامر اللہ تعالےٰ صحابہ کرامؓ کو فرمایا میرے پیچھے سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو ورنہ تمہاری نماز باطل ہو جائے گی۔
(فتاویٰ ثنائیہ ص ۴۸۹/ج۱)

سوال: امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے متعلق آپ کی تحقیق از روئے قرآن و حدیث کیا ہے؟ کیا فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب: میں سورۂ فاتحہ کو امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری جانتا ہوں۔ از روئے قرآن و حدیث میری تحقیق ہے کہ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی، کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ (تفسیر ثنائی ۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء و فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۵۵ ج ۱)

صاف عیاں ہو گیا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، اور جب نماز نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی رہا۔

(۵) سوال: سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا ان الفاظ میں ثابت کر دیا جائے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو یہ ارشاد فرمایا ہو کہ امام کے پیچھے ہر نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرو؟

جواب: کتاب القرأت بیہقی ص ۴۷ میں یہ حدیث ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام۔ یعنی جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہیں لیجئے جن الفاظ کا آپ نے سوال کیا ہے۔ ان سے بھی یہ سخت ہیں کیونکہ آپ نے امر کا سوال کیا ہے اور یہاں سرے سے نماز ہی کی نفی ہے۔ (فتاویٰ اہلِ حدیث عبداللہ روپڑی ص ۱۴۲ ج ۲ و تنظیم اہل حدیث جلد ۱۵ شمارہ ۴ بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۱۱ ج ۳)

جب سرے سے نماز ہی نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی رہا۔

(نوٹ) اس روایت میں خلف الامام کا جملہ بعض رواۃ کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ ملاحظہ ہو فصل الخطاب ص ۷۹)

(۶) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے تنہا ہو یا امام یا مقتدی، بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے کسی کی کوئی نماز نہیں ہوتی، خواہ فرض ہو یا نفل ہر ایک میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ حکم عام ہے۔ (از مولانا عبدالسلام بستوی مدرس مدرسہ ریاض العلوم دہلی۔ اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۹، شمارہ ۲۳

بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص۱۲۲)۔

مؤلف توضیح الکلام ہی از روئے انصاف و دیانت داگران کے نزدیک انصاف و دیانت نامی کوئی چیز ہے اور اس کی ان کے ہاں قدر بھی ہے) یہ فرمائیں کہ کیا یہ تمام محققین علمائے اہلِ حدیث امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والے کو بے نماز نہیں کہہ رہے اور کیا اسکی نماز کو باطل نہیں کہہ رہے ہیں؟ یہ احسن الکلام کے محکم براہین و دلائل ہی کا نتیجہ اور اثر ہے کہ مؤلف خیر الکلام و توضیح الکلام عدم بطلان کے فیصلہ پر مجبور ہوئے ہیں۔ ورنہ غیر مقلدین حضرات کا فیصلہ اور فتویٰ یہی ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز باطل ہے اور وہ بے نماز ہیں اور بے نماز کا ٹھکانہ ہی سقر ہے۔

استاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القدیر صاحب دامت برکاتہم نے دجہ تقریباً ساٹھ سال تک علوم نقلیہ اور عقلیہ کے کامیاب مدرس رہے ہیں۔ ڈابھیل میں بھی استاد حدیث رہ چکے ہیں اور اب بھی مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں شیخ الحدیث ہیں) انوکھے اور علمی انداز میں ترک القرأت خلف الامام کے دلائل پیشِ نظر کتاب تدقیق الکلام میں بیان فرمائے ہیں۔ علمائے کرام کے لیے یہ انمول موتی ہیں اور ایسے انداز سے پیش کیے ہیں جو حقیقت کی خوب خوب گرہ کشائی کرتے ہیں اور خیر الکلام میں نقل کردہ دلائل کا باحوالہ تانا بانا بھی روشن کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر نام لے کر توضیح الکلام میں نقل کردہ دلائل کا بھی خوب تعاقب کیا ہے مگر زیادہ تر تردید خیر الکلام کے شبہات کی کی گئی ہے۔ کیونکہ توضیح الکلام، خیر الکلام کا علمی سرقہ اور اسی کا چربہ ہے۔ جب اصل کا رد ہو گیا تو فرع کا خود بخود ہو جاتا ہے، قارئینِ کرام کو تدقیق الکلام میں بعض بعض مقامات میں تکرار بھی نظر آئے گا۔ مگر کہیں بھی تکرار فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ پڑھنے والے اہلِ علم حضرات اس کا بخوبی اندازہ لگالیں گے۔ اس مسئلہ کے جن جن گوشوں کو حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اُجاگر کیا ہے اور جن دلائل کو علمی اور تحقیقی طور پر روشن کیا ہے بلا خوف لومۃ لائم یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ انہی کا حصّہ ہے اور اسی ہی کتاب میں آپ پر وہ عیاں ہوں گے۔ غیر مقلدین حضرات کو اس سے ناگواری تو ضرور ہو گی مگر ٹھنڈے دل سے اس کتاب کو اوّل سے آخر تک ایک بار پڑھ لیں، چھوڑیں نہیں۔

؎ روٹھا ہے وہ مجھ سے مجھے منظور ہے لیکن
یارو اسے سمجھاؤ میرا شہر نہ چھوڑے

غیر مقلدین حضرات کے تعصب اور خیانیوں کو تدقیق الکلام میں جس طرح نمایاں کیا گیا ہے اور ان کی علمی غلطیوں کو واشگاف کیا گیا ہے وہ اسی کتاب کا خاصہ ہے۔ عیاں را چہ بیاں مصنف خیر الکلام اور ان کے شاگرد رشید مؤلف توضیح الکلام پر جو علمی تنقید کی گئی ہے اور ان کی سوقیانہ اور غیر عالمانہ زبان سے اغماض کیا گیا ہے وہ کتاب کی قدر و قیمت کو اور دوبالا کر دیتا ہے۔ دونوں مؤلفوں نے اپنے عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی بے فائدہ کوشش کی ہے اور محقق اقوال کو محض تارِ عنکبوت قسم کے شبہات سے رد کرنے کی نامحمود کوشش کی ہے۔ مؤلف توضیح الکلام کا کتاب میں اکثر یہی طریقہ اور وتیرہ ہے مثال کے طور پر بعض باتیں ملاحظہ ہوں:

اوّل: حضرت امام مالکؒ مؤطا امام مالک ص۲۹ طبع مجتبائی دہلی میں الامر عندنا فرما کر یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں طے شدہ بات اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سری نمازوں میں قرأت کی جائے مگر جہری نمازوں میں نہ کی جائے۔ (محصلہ)

اس عبارت کو کاٹنے کے لیے مؤلف توضیح الکلام ص۶۵ میں تفسیر قرطبی ص۱۱۹ ج۱ کا یہ حوالہ پیش کرتے ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا یہ ہے کہ فاتحہ ہر رکعت میں ہر ایک کے لیے ضروری ہے... الخ اور لکھتے ہیں کہ علامہ قرطبیؒ فقہ مالکی کے مسلمہ امام ہیں۔ ان کے کلام کو بلا دلیل رد کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

کیوں جناب؟ حضرت امام مالکؒ جو بلا اختلاف مجتہد مطلق اور مسلّم امام ہیں، اور وہ الامر عندنا فرما کر اپنا فیصلہ خود سناتے ہیں اور طبقہ اولیٰ کی کتاب مؤطا امام مالکؒ میں یہ موجود ہے ان کے اس فیصلہ کو ساتویں صدی کے محمدؒ بن احمدؒ بن ابی بکر الاندلسی القرطبیؒ المتوفی ۶۷۱ھ) بقول مؤلف توضیح الکلام مسلّمہ امام کے بلا سند منقول ایک قول سے رد کرنا کون سا انصاف و دیانت ہے؟ کیا یہ اس کا مصداق نہیں کہ: ؏

میں وہ جواں ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

دوم : احسن الکلام میں ہم نے حضرت امام شافعیؒ کی یہ عبارت نقل کی تھی : و
نحن نقول کل صلوٰۃ صلیت خلف الامام والامام یقرأ لا یسمع
فیہا قرأ فیہا (کتاب الام ص۱۵۳ ج۷) یعنی ہم کہتے ہیں کہ تمام سرّی نمازوں میں مقتدی
قرأت کرے۔ (جہری میں نہ کرے)

اس کے جواب میں مصنف خیر الکلام اور مؤلف توضیح الکلام نے جو جو شگوفے چھوڑے
اور پاپڑ بیلے ہیں وہ قابل دیدنی ہیں۔ (۱) یہ کہ کتاب الام کے مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت موجود
نہیں ہے۔ معارف السنن ص۱۸۶ ج۳ میں ہے کہ یہ عبارت مطبوعہ نسخہ سے گر گئی ہے —
(۲) فلاں اور فلاں اور فلاں بزرگ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ تمام نمازوں میں قرأت خلف
الامام کے قائل تھے۔ (۳) کتاب الامّ کے نام سے جو مجموعہ سات جلدوں میں مطبوع
ہے۔ اس میں امام شافعیؒ کے مختلف رسائل بھی آ گئے ہیں۔ یہ عبارت امام شافعیؒ کے
دوسرے رسالہ اختلافِ علیؓ و عبد اللہؓ کی ہے۔ جنہیں کتاب الامّ کو حصہ شمار کرنا علم و عقل
کا ماتم کرنا ہے۔ (محصلہ توضیح الکلام ص۶۵ تا ص۷۵)

الجواب : غیر مقلدین حضرات کے ان وکیلوں نے جس بہانہ سازی اور حیلہ وری کا
ثبوت دیا ہے وہ صرف انہی کا خاصہ لازمہ ہے۔ ترتیب وار جوابات ملاحظہ ہوں :

(۱) مشہور تو یہی ہے کہ النقد خیر من النسیئۃ کہ نقد ادھار سے بہتر ہے
ہم نقد حوالہ بتلاتے ہیں اور آپ اس کو سینہ زوری سے ٹالنے کے لیے بہانہ سازی سے کام
لیتے ہیں کہ عبارت کتاب الام سے ساقط ہو گئی ہے یہ وہ معہودہ عبارت نہیں ہے
جناب ! یہی وہ معہودہ عبارت ہے جس کا حضرت امام شافعیؒ نے وعدہ فرمایا ہے :
لا ریب فیہ۔ جو حضرات اس کو مسقوطہ اور گری ہوئی فرماتے ہیں وہ خود وہم کا شکار
ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معہودہ عبارت صلوٰۃ کے باب میں ہو گی جو جلد اوّل میں ہے مگر
چونکہ یہ عبارت ساتویں جلد میں ہے اس لیے ان کا ذہن اس طرف نہیں گیا۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ کی اپنی صریح اور واضح عبارت کو چھوڑ کر دوسروں کا سہارا لینا
جو قول قدیم کے چکر میں پڑ کر خود غلطی کا شکار ہیں۔ کہاں کا انصاف ہے ! حضرت امام شافعیؒ

کا مسلک سمجھنے کے لیے خود انکی اپنی عبارت ہی واضح اور کافی و وافی ہے۔

(۳) کتاب الام متداول کتاب ہے اور تمام اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس کی سات جلدیں ہیں اس میں قطع و برید اور اختلاط کا دعویٰ کرنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ روافض قرآنِ کریم کے بارے یا منکرینِ حدیث کتبِ حدیث کے بارے کرتے ہیں لیکن ایسے لایعنی دعویٰ اور قول سے ان پر کیا زد پڑتی ؟ یا پڑسکتی ہے ؟ کتاب الام فقہ کی کتاب ہے اس میں کسی مقام پر کسی کے اختلاف کا ذکر ہے اور کسی دوسرے مقام میں کسی اور سے اختلاف کا تذکرہ آجاتا ہے۔

خود مؤلف توضیح الکلام نقل کرتے ہیں کہ ص ۲۸۳ تا ص ۲۹۳ میں سیر الاوزاعیؒ اختلاف علیؓ و عبداللہؓ، اختلاف العراقینؒ اور اختلاف مالکؒ و شافعیؒ کے مباحث ہیں (محصلہ توضیح الکلام ص ۱۷۱) علاوہ ازیں ذیل کے حوالے بھی ملاحظہ کریں:

(۱) کتاب الام ص ۶۳ ج ۴ میں ہے باب فی العُمرٰی من کتاب اختلاف مالک والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۲) ص ۶۹ ج ۴ میں ہے: و فی اختلاف مالکؒ والشافعیؒ اللقطۃ

(۳) ص ۲۷ ج ۴ میں ہے وترجم فی کتاب اختلاف علی وابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۴) ص ۱۷۱ ج ۴ میں ہے وترجم. فی اختلاف مالکؒ والشافعیؒ باب المنبوذ وغیر ذٰلک۔

کیا ہر مقام پر یہ ناروا دعویٰ کیا جائے گا کہ کتاب الام میں ان کے مختلف رسائل کا اختلاط ہوگیا ہے اس لیے کتاب الام قابلِ اعتبار نہیں ؟ حاشا وکلّا کہ کسی بھی ذی علم کے ذہن میں یہ شیطانی وسوسہ آتا ہو سبھی ہی جانتے ہیں کہ کتاب الام حضرت امام شافعیؒ کی اپنی تالیف ہے اور اس میں درج شدہ تمام مسائل کتاب الام ہی کے ہیں ایسی لایعنی باتوں سے نہ تو روافض قرآن کریم پر سے اعتماد اُٹھا سکے ہیں اور نہ منکرینِ حدیث کتبِ حدیث سے اور نہ غیر مقلدین کتبِ فقہ اور کتاب الام پر سے اعتبار اٹھا سکتے

ہیں اور نہ کوئی ایسی بیہودہ گوئی کو تسلیم کرتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ عطا فرمائے۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

سوم: مؤلف توضیح الکلام ص۵۴ میں خود امام محمدؒ کی اپنی کتاب مؤطا ص۹۴ اور کتاب الآثار ص۱۶۴ کے حوالہ سے ان کا یہ مسلک نقل کرتے ہیں لا قراءۃ خلف الامام فیما یجھر فیہ ولا فیما لم یجھر وھو قول ابی حنیفۃؒ اور معنی یہ کرتے ہیں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے خواہ امام بآواز بلند قرأت کرتا ہو یا آہستہ امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے۔

اس کے بعد مؤلف توضیح الکلام نے ص۵۴ تا ص۶۴ تک متعدد حضرات کے حوالے درج کیے ہیں اور آخر میں لکھا ہے ص۶۴ کہ امام محمدؒ (بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی) سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنا مستحسن اور جائز کہتے ہیں۔ (محصلہ) مگر یہ صرف دفع الوقتی اور مغالطہ آفرینی ہے کیونکہ جب حضرت امام محمدؒ جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے براہِ راست شاگرد ہیں اور خود اپنی کتابوں میں ببانگِ دُہل واشگاف الفاظ میں اپنا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک بتاتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے نہ تو جہری نمازوں میں قرأت ہے اور نہ سری نمازوں میں۔ تو ان کے اپنے قول اور ارشاد کے مقابلہ میں فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ تمام عقل مند اس کے قائل ہیں کہ توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ ناپسندیدہ امر ہے اور مشہور ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہ۔

غرضیکہ مؤلف توضیح الکلام اور ان کے استادِ محترم شیخ الحدیث گرامی قدر نے آیات اور صحیح وصریح احادیث اور اقوال راجح کو تعصب کی بناء پر ترک کر کے محتمل معانی ضعیف اور غیر صریح احادیث اور اقوالِ مرجوحہ پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے اور بلا وجہ غیر متعلق حوالے اور اقوال درج کر کے اپنے حواریوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ ہم بھی

دلائل سے لیس ہیں۔ لیکن بحمد اللہ تعالیٰ کتاب تدقیق الکلام کو پڑھنے والے قوی وضعیف
دلائل اور راجح ومرجوح اقوال کا اچھی طرح سے موازنہ کرسکیں گے اور مسئلہ قرآت خلف الامام
کی پوری حقیقت انشاء اللہ العزیز ان پر منکشف ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث
دام مجدھم مؤلف تدقیق الکلام کو اُمت مسلمہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں
نے خالص علمی اور تحقیقی انداز میں مسئلہ کی حقیقت واضح کی ہے اور اس کتاب کو اللہ تعالیٰ
علماء کے لیے استفادہ کا ذریعہ اور موصوف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم
آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیھم
وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واتباعہٖ الیٰ یوم الدین۔

احقر العباد

ابو الزاہد محمد سرفراز

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ وخطیب مرکزی جامع مسجد گکھڑ

۲، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

۱۳، نومبر ۱۹۸۸ء

باسمہٖ سُبحانہٗ وتعالےٰ

خزائنُ السّنن

مع مُقدّمہ دفائنُ السّنن

ترمذی شریف کی مع اضافات ان تقریروں کا مجموعہ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر ترمذی شریف پڑھاتے وقت مختلف سالوں میں بیان کرتے رہے جن کو عزیزم المولوی الحافظ القاری رشید الحق خان عابد سابق مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے مرتب کیا اور کئی مقامات پر اصل عبارات کے ساتھ تقابل بڑی محنت کے ساتھ راقم الحروف نے کیا اور بعض اغلاط کی تصحیح کی مگر پھر بھی طبع اوّل میں کتابت اور بعض حوالہ جات کی اغلاط رہ گئی تھیں۔ طبع دوم کے لیے حضرۃ شیخ الحدیث صاحب دام مجدہم نے بیماری پیرانہ سالی اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود خود ان اغلاط کی تصحیح فرمائی اور فنِ حدیث اور سند سے متعلق ضروری اصطلاحات پر مشتمل نہایت علمی مقدمہ کا اضافہ فرمایا۔ شائقینِ علم حدیث کے لیے یہ تقاریر گرانقدر علمی ذخیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین

حافظ عبدالقدّوس خان قارن

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

- **خزائن السنن** — تقریر ترمذی
- **احسن الکلام** — مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث
- **تسکین الصدور** — مسئلہ حیات النبی پر مدلل بحث
- **الکلام المفید** — مسئلہ تقلید پر مدلل بحث
- **ازالۃ الریب** — مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث
- **راہِ سنت** — رد بدعات پر لاجواب کتاب
- **مقام ابی حنیفہ**
- **سماع موتیٰ**
- **طائفہ منصورہ** — نجات پانے والے گروہ کی علامت
- **ارشاد الشیعہ** — شیعہ نظریات کا مدلل جواب
- **آنکھوں کی ٹھنڈک** — مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث
- **عبارات اکابر** — اکابر علماء دیوبند کی عبارات پر اعتراضات کے جوابات
- **صرف ایک اسلام**
- **گلدستہ توحید** — مسئلہ توحید کی وضاحت
- **دل کا سرور** — مسئلہ مختار کل کی مدلل بحث
- **درود شریف** — پڑھنے کا شرعی طریقہ
- **احسان الباری** — بخاری شریف کی ابتدائی ابحاث
- **تبلیغ اسلام** — ضروریات دین پر مختصر بحث
- **چراغ کی روشنی** — معراج النبیؐ کے بارہ میں قادیانی وغیرہ کے اعتراضات کے جوابات
- **مسئلہ قربانی** — قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث
- **عیسائیت کا پس منظر** — عیسائیوں کے عقائد کا رد
- **مقالہ ختم نبوت** — قرآن سنت کی روشنی میں
- **بانی دارالعلوم دیوبند** — مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ کے حالات زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات
- **راہ ہدایت** — کرامات و معجزات کے بارہ میں صحیح عقیدہ کی وضاحت
- **ینابیع** — غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ
- **آئینہ محمدی** — سیرت پر مختصر رسالہ
- **تفریح الخواطر** — بجواب تنویر الخواطر
- **اتمام البرہان** — رد توضیح البیان
- **حلیۃ المسلمین** — داڑھی کا مسئلہ
- **توضیح المرام** — فی نزول مسیح علیہ السلام
- **تنقید متین** — بر تفسیر نعیم الدین
- **شوق جہاد**
- **الکلام الحاوی** — سادات کے لئے زکوٰۃ وغیرہ لینے کی مدلل بحث
- **ملا علی قاری** — اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر
- **المسلک المنصور**
- **الشہاب المبین** — بجواب الشہاب الثاقب
- **عمدۃ الاثاث** — تین طلاقوں کا مسئلہ
- **شوق حدیث** — حجیت حدیث پر مدلل بحث
- **انکار حدیث کے نتائج** — منکرین حدیث کا رد
- **مودودی صاحب کا غلط فتویٰ**
- **چالیس دعائیں**
- **اخفاء الذکر** — ذکر آہستہ کرنا چاہیے
- **باب جنت** — بجواب راہ جنت
- **حکم الذکر بالجہر**
- **اظہار العیب** — بجواب اثبات علم الغیب
- **اطیب الکلام** — ملخص احسن الکلام
- **چہل مسئلہ** — حضرات بریلویہ
- **مولانا ارشاد الحق** — اثری صاحب کا مجذوبانہ واویلا
- **مرزائی کا جنازہ اور مسلمان**

عمر اکادمی کی مطبوعات

- **خزائن السنن** — جلد دوئم کتاب الحج
- **بخاری شریف** — غیر مقلدین کی نظر میں
- **حمیدیہ** — مناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا اردو ترجمہ
- **جنت کے نظارے** — علامہ ابن القیم کی کتاب حادی الارواح کا اردو ترجمہ
- رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں نوافل کی صورت میں مروجہ قضائے عمری بدعت ہے
- **تین طلاقوں کے مسئلہ پر مقالہ** — کا جواب مقالہ
- **علامہ کوثریؒ کی تانیب الخطیب کا اردو ترجمہ** — امام ابوحنیفہؒ کا عادلانہ دفاع